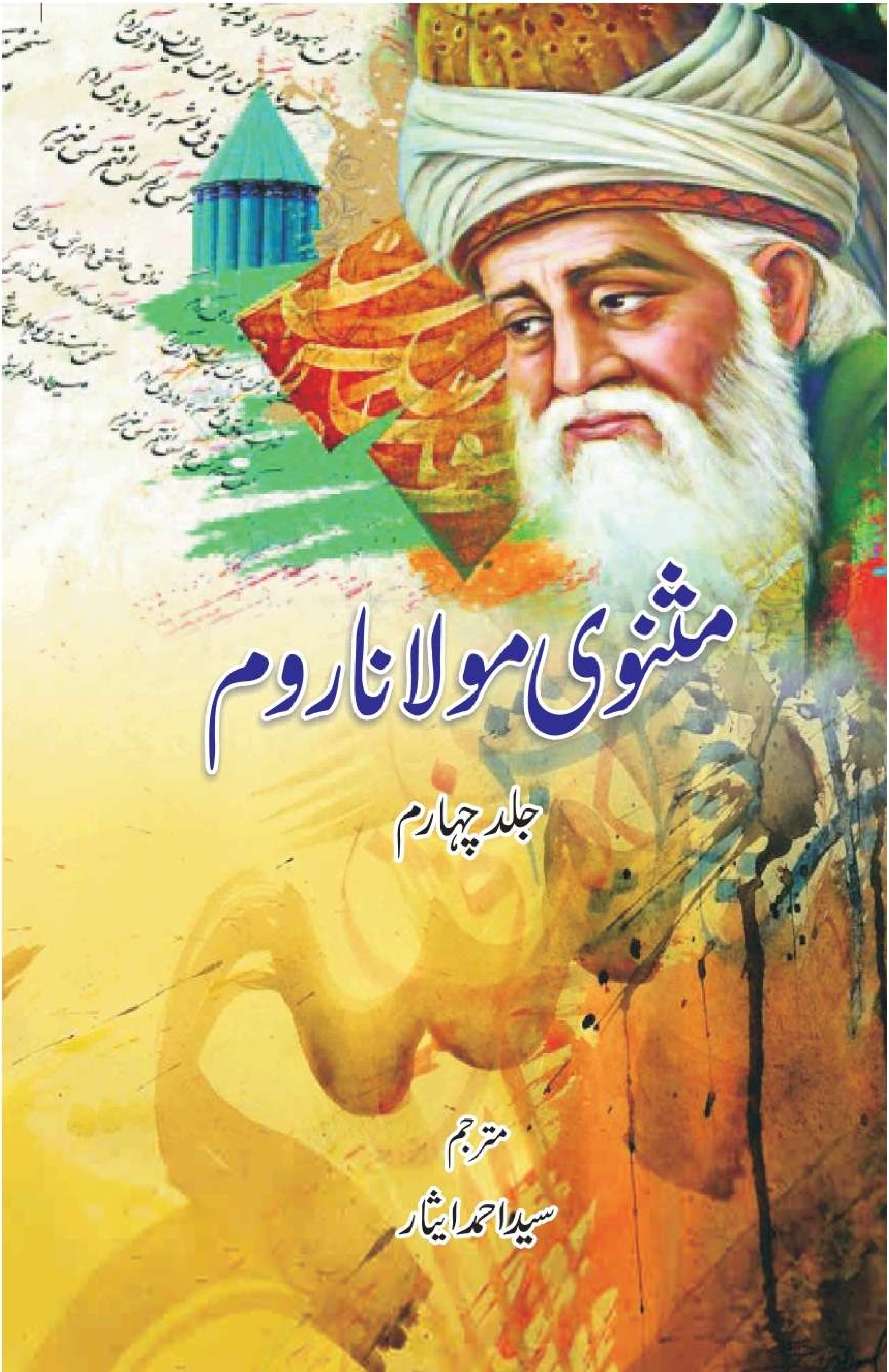

مثنوی مولانا روم

جلد چہارم

مترجم

سید احمد ایثار

مثنوی مولانا روم

جلد چہارم

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی ۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : روپے
سلسلہ مطبوعات :

Masnavi Maulana Room

Translated by: Syed Ahmad Esar

ISBN :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس و اظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گوکہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری و ساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم و فنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کرسکیں۔قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات وکائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	xv
1	تمہید: اے ضیاء الحق	1
2	اس عاشق کی حکایت کا باقی حصہ جو انجان باغ میں کوتوال کے ڈر سے بھاگا وغیرہ......	3
3	اس واعظ کی حکایت جو ہر وعظ اور نصیحت کے شروع میں ظالموں اور سخت دلوں اور خبیثوں ومفسدوں اور بداعتقادوں کے لیے دعائے خیر کرتا تھا	5
4	ایک شخص کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنا کہ اے روح اللہ وجود میں سب سے زیادہ سخت کیا چیز ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا	6
5	عاشق کا خیانت کرنے کا ارادہ کرنا اور معشوق کا چیخ پڑنا	7
6	اس صوفی کا قصہ جو گھر پر آیا اور اس نے بیوی کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھا	9
7	مثالاً حکایت	9
8	تلبیس اور بہانہ اور مکر کے لیے معشوق کو چادر کے نیچے چھپانا......	10

9	بیوی کا کہنا کہ وہ جہیز کی فکر میں نہیں ہے اس کا مقصد پردہ پوشی و نیکی ہے اور صوفی کا اس پوشیدہ راز کا جواب دینا	11
10	اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کو بصیر اور سمیع کہنے کا مقصد کیا ہے	12
11	اس کی مثال کہ دنیا بھٹی اور تقویٰ حمام اور مالدارا پلے ڈالنے والے ہیں	13
12	اس کھال رنگنے والے کا قصہ جو عطر فروشوں کے بازار میں عطر کی بو سے بے ہوش ہو گیا	14
13	کتے کے پاخانہ کی بو سے پوشیدہ طور پر چمڑا رنگنے والے بھائی کا چمڑا رنگنے والے کا علاج کرنا	16
14	مکاری اور تلبیس سے عاشق کا خطا کی عذر خواہی کرنا اور معشوقہ کا اس کو بھی سمجھ جانا	17
15	معشوق کا عاشق کے عذر اور مکر کو رد کر دینا	17
16	ایک یہودی کا حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا کہ اگر آپ کو اللہ کی حفاظت پر بھروسہ ہے تو اس اونچے قلعہ پر سے اپنے آپ کو گرا دیجیے...... جواب دینا	19
17	مسجد اقصیٰ اور خروب اگنے کا بیان اور حضرت داؤد علیہ السلام کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اس مسجد کو تعمیر کرنے کا قصد اور اس کا رک جانا	21
18	اس کی شرح کہ مومنین بھائی بھائی ہیں......	22
19	حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا بقیہ قصہ	25
20	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا کا قصہ......والے سے بہتر ہے	26
21	اس بیان پر حکمائے فلسفہ کہتے ہیں کہ آدمی عالم صغیر ہے اور خدائی حکما کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے......وابستہ ہے	28
22	اس حدیث کی تفسیر کہ میری امت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے......وہ ڈوبا	29
23	بلقیس کا شہر سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدیہ بھیجنے کا قصہ۔ان پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو	30

24	شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ کا نور اور کرامات	32
25	حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع ان ہدیوں کے جو لائے تھے واپس کر دینا......کی دعوت دینا	32
26	اس عطار کا قصہ جس کی ترازو کا پاٹ ملتانی مٹی کا تھا اور شکر تولنے کے وقت ......اور ان دیکھا کر دینا	33
27	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا اور نوازنا......ان سے تشریح کرنا	34
28	ایک درویش کا بزرگوں کے گروہ کو خواب میں دیکھنا......پھلوں کا شیریں بن جانا	36
29	اس کا سوچنا کہ یہ سونا میں اس لکڑ ہارے کو دے دوں......رنجیدہ ہونا	36
30	حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو ایمان لانے کے لیے بلقیس کی ہجرت میں جلدی کرنے کی ترغیب دینا	38
31	حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کا سبب اور خراسان کی سلطنت کو چھوڑ دینا	38
32	اس پیاسے کی حکایت جو اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گراتا تھا......	39
33	اس نے نواز کے بیان میں جس کے مقعد سے گوز نکلا اس نے بانسری زمین پر رکھ دی......	41
34	بے ادب کی برداشت اور نرمی اور خاطر تواضع کی راہ اختیار کرنے کا بیان	41
35	حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کی جانب دھمکی بھیجنا......تاخیر نہ کر	41
36	حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر واضح کرنا کہ تیرے ایمان کے بارے کوشش خالصتاً اللہ کے حکم سے ہے......بے غرضی سے ہے	43
37	حضرت شاہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ کا بقیہ خدا ان کی روح کو تازہ کرے	44
38	سباوالوں کے قصہ کا بقیہ......آواز اور خوراک سے شکار کرنا	45
39	بلقیس کا ملک سے آزاد ہو جانا اور ایمان کے شوق میں اس کا مست ہو جانا......	45

40	حضرت سلیمان علیہ السلام کا تدبیر کرنا بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کے لیے......	48
41	حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ...... بڑائی پر گواہی دینا	48
42	اس بوڑھے عرب کی حکایت جس نے حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بتوں سے مدد مانگنے کی طرف رہنمائی کی	49
43	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سعدیہ کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گم کر دینے کی خبر ملنا......	52
44	عبدالمطلب کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کے بارے میں پتہ معلوم کرنا......معلوم ہونا	54
45	حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو ایمان کی دعوت دینے کا بقیہ قصہ	54
46	انسان کے دنیا میں قانع ہونے اور دنیا کی طلب میں اس کی حرص......قوم جان لیتی	55
47	حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کی دعوت کا بقیہ حصہ کہ فرصت غنیمت ہے	57
48	حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصیٰ کو حکمتوں کی وجہ سے خدا کی تعلیم اور وحی کے ذریعہ تعمیر کرنے کا بقیہ قصہ...... پریوں کی مدد	58
49	شاعر کا قصہ اور شاہ کا اس کو عطیہ دینا اور وزیر حسن نامی شخص کا اس کو دوگنا کر دینا	60
50	چند سال کے بعد شاعر کا واپس آنا اسی عطیہ کی امید پر......راضی کروں گا	61
51	اس کمینہ وزیر کی شاہ کی انسانیت کو برباد کرنے میں فرعون کے وزیر یعنی ہامان کے ساتھ......افتاد میں مشابہت	64
52	حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ پر دیو کا بیٹھنا اور اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاموں کی نقل اتارنا......مقرر کرنا	66
53	مکمل ہو جانے کے بعد ہر روز حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسجد میں آنا عبادت کے لیے......	67
54	قابیل کا قبر کھودنے کا طریقہ کوے سے سیکھنا، اس سے پہلے کہ دنیا میں قبر کھودنے کا علم ہو	68

55	اس صوفی کا قصہ جو باغ میں زانو پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں تھا......	70
56	مسجد اقصیٰ کے کنارے پر خروب اُگنے کا قصہ......خاصیت بتائی	71
57	اس کا بیان کہ علم و مال و رتبہ کا بداہل کو حاصل ہو جانا...... ہاتھ آ گئی ہو	74
58	يَاأَيُّهَاالْمُزَّمِّلُ آیت شریفہ کا بیان	75
59	اس کا بیان کہ جواب نہ دینا جواب ہے......جو بیان کیا جا رہا ہے	77
60	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا فرمائے اور ان میں عقل رکھی وغیرہ......	77
61	عقل کا نفس سے مقابلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مجنوں کا اونٹنی کے ساتھ جھگڑا......	78
62	تنخواہ کے گھٹنے پر بادشاہ کو اس غلام کی شکایت لکھنے کا قصہ	81
63	اس فقیہ کی حکایت جو بڑی پگڑی والا تھا......سب لے جا	82
64	زبان حال سے دنیا داروں کو دنیا کی نصیحت اور وفا کی جستجو کرنے والوں کو اپنی بے وفائی دکھانا	82
65	اس کا بیان کہ خدا کو پہچاننے والے کی غذا اللہ کا نور ہے......بھوک میں پہنچتا ہے	85
66	دنیا سے دھوکا کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب	85
67	پس موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے، ہم نے کہا تو نہ ڈر یقیناً تو اعلیٰ کی تفسیر ہے	86
68	جھوٹے مدعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیا و اولیا کی پیروی کا حکم دینا	88
69	روزی کی طلب میں غلام کے رقعہ لکھنے کا بقیہ قصہ	89
70	اس تعریف کرنے والے کی حکایت جو آبرو کی خاطر ممدوح کا شکریہ ادا کرتا تھا......	90
71	خدائی طبیبوں کا معلوم کر لینا دل کی اور دین کی بیماریوں کو مزید اور اجنبی کے چہرے سے......ہم نشینی سچائی سے کرو	93
72	حضرت بایزید قدس سرہٗ کا حضرت ابوحسن خرقانی کی پیدائش کے بارے میں سالوں قبل خوشخبری دینا......	93
73	شاہ بایزید قدس سرہٗ کا جواب......محسوس کرتا ہوں	95

74	حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کا شیخ بایزید کی وفات کے بعد اس تاریخ کو پیدا ہونا......راحت پہنچائے	96
75	اس غلام کی روزی کی کمی کی حکایت کی طرف رجوع وغیرہ......	96
76	بادشاہ کی جانب سے رقعہ کا جواب نہ آنے سے غلام کا پریشان ہونا	98
77	حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ان کی لغزش کی وجہ سے ہوا کا ٹیڑھا چلنا	98
78	حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے پیدا ہونے اور احوال کی پیدا ہونے سے قبل خبر دینے کو سننا	99
79	جب کہ پہلے رقعہ کا جواب نہ آیا اس غلام کا بادشاہ کو پیش کرنے کے لیے دوسرا رقعہ لکھنا	100
80	پیغمبر علیہ السلام کا عقلمند کی تعریف کرنا اور احمق کی مذمت	101
81	ایک شخص کا قصہ جو ایک شخص سے مشورہ کرتا تھا......تیرا دشمن ہوں	102
82	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو لشکر کا سردار بنانا جس میں بوڑھے اور جنگ آزمودہ تھے	103
83	ایک معترض کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہذیلی کو لشکر کا سردار بنانے پر اعتراض کرنا	105
84	اس اعتراض کرنے والے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا	107
85	حضرت بایزید قدس سرہٗ کے سبحانی ما اعظم شانی کہنے کا قصہ اور مریدوں کا اعتراض......مشاہدہ کے راستہ سے	108
86	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بیہودہ کے بہت بولنے اور زبان درازی کا سبب	111
87	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ہذیلی کو امیری اور سرداری کے لیے ماہر تجربہ کار بوڑھوں پر فضیلت دینے اور چن لینے کا سبب بیان کرنا	112
88	مکمل عاقل اور آدھے عقلمند اور مکمل انسان اور آدھے انسان کی علامت اور بے وجود مغرور بدبخت کی علامت	113
89	تالاب اور شکاریوں اور تین مچھلیوں کا قصہ......اور ان کا انجام	114
90	اس حدیث کا راز کہ وطن کی محبت ایمان سے ہے......کر سکنا اور بتانا	114

91	عقلمند مچھلی کا واقف ہو جانا اور دانائی سے دوسروں کے مشورے کے بغیر روانہ ہو جانا	115
92	اس پھنسے ہوئے پرند کا قصہ جس نے وصیت کی کہ گزشتہ پر پشیمان نہ ہو......	116
93	اس ناقص عقل والی مچھلی کا تدبیر سوچنا اور خود کو مردہ بنا لینا	117
94	اس کا بیان کہ احمق کا گرفتاری کے وقت عہد کرنا اور...... جھوٹا وفا نہیں کرتا	118
95	اس کا بیان کہ وہم عقل کا کھوٹا سکہ اور اس کا مخالف ہے اور اس کے مشابہ ہے اور وہ نہیں ہے	119
96	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو عقلمند تھے فرعون کے ساتھ سوال و جواب جو وہمی تھا	119
97	اس کا بیان کہ تعمیر تخریب میں اور دل بھی پریشانی میں...... جوڑوں کو قیاس کر	121
98	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب دینا اس کی دھمکی کے بارے میں	122
99	فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب اور اس کی دھمکی	122
100	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بارے میں سحر اور جادوگری کا انکار کرنا	122
101	اس کا بیان کہ انسان کی ہر ادراک کرنے والی حس کے......نہیں ہیں	123
102	اس دنیا والوں کا حملہ کرنا اور غارت گری کرنا...... کافر حملہ کر دیتا ہے	126
103	اس کا بیان کہ آدمی کا خاکی جسم اس لوہے کی طرح ہے جو عمدہ جوہر والا آئینہ بننے کے قابل ہے......مشاہدہ کے طریقہ پر	127
104	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعونی بھیدوں اور اس کے خوابوں کو غیب سے بیان فرمانا وغیرہ......	128
105	اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے توبہ اور معافی کا دروازہ کھلا ہوا ہے	129
106	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کہنا کہ میری ایک نصیحت مان لے......	130
107	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان چار فضیلتوں کی تشریح کرنا...... بدلہ ہوں گی	131
108	میں چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ جانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی، کی تفسیر	132
109	انسان کا اپنی ذہانت اور اپنے طبعی تصورات کے دھوکے میں پڑنا......	133
110	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے چاروں فضیلتوں کی تشریح کو مکمل کرنا	133

111 اس حدیث کی تفصیل کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے انداز سے بات کیا کرو...... 134

112 حدیث کا مطلب یہ کہ جو مجھے صفر نکل جانے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنت کی خوشخبری دوں گا 134

113 حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے میں حضرت آسیہ خاتون سے فرعون کا مشورہ کرنا...... 135

114 بادشاہ کے باز اور اس بڑھیا کا قصہ جس کے گھر میں وہ باز تھا 137

115 اس عورت کا قصہ جس کا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا تھا اور گرنے کا خطرہ رکھتا تھا...... 139

116 آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بیان میں کہ اے مومن گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا 141

117 حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بارے میں......مشورہ کرنا 142

118 فرعون علیہ اللعنۃ کے ساتھ ہامان کی باتوں کی کمزوری 143

119 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ایمان لانے سے مایوس ہو جانا......گھر کر لینا 144

120 عرب کے سرداروں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا کہ ملک بانٹ لیجیے......جانبین سے بحث 145

121 سیلاب کا آنا اور سیلاب روکنے کے لیے سرداروں کا لکڑی ڈالنا...... 145

122 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تکمیل اور فرعون کو ڈرانا اور دھمکانا 146

123 اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچاننے والا یہ نہیں دریافت کرتا کہ بہشت کہاں اور دوزخ کس جگہ ہے 147

124 سنی اور فلسفی کا بحث کرنا......اور عالم کو قدیم جانتا ہے 148

125 تفسیر آیت کریمہ "آسمانوں اور زمین اور ان دونوں......تم نہیں دیکھتے ہو 151

126 اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرنا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں جو کہ پیدا کرنے والا ہوں تجھے دوست رکھتا ہوں 152

127 بادشاہ کا اپنے مصاحب پر غصہ کرنا......تو نے سفارش کیوں کی؟ 153

128 حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہنا کہ آپ کی کوئی حاجت ہے......تجھ سے نہیں ہے 155

129 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ تو کیوں ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر تو اس کو تباہ کر دیتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب آنا 156

130 اس کا بیان کہ حیوانی روح اور جزوی عقل...... پوشیدہ گھی کی طرح ہے 158

131 دوسری مثال اسی معنی میں 159

132 اس شہزادے کی حکایت جس کو حقیقی بادشاہی نظر آ گئی...... بات نہیں کرتا ہے 161

133 نسل کے منقطع ہونے کے خوف سے بادشاہ کا اپنے لڑکے کے لیے دلہن چاہنا 162

134 بادشاہ کا لڑکے کے لیے ایک زاہد کی لڑکی کو منتخب کرنا...... رشتہ سے ذلت محسوس کرنا 163

135 ایک کابلی بڑھیا کا شہزادے پر جادو کر دینا اور شہزادے کا عاشق ہو جانا 164

136 کابلی کی جادوگری سے چھٹکارے کے بارے میں بادشاہ کی دعا قبول ہونا 165

137 اس بیان میں کہ شہزادے سے......ولی علاج کرنے والے طبیب ہیں 167

138 اس زاہد کی حکایت جو قحط کے سال میں باوجود مفلسی اور بہت عیال داری...... 169

139 اس کا بیان کہ عالم مجموعہ عقل کل کی صورت ہے......اور جان کی راحت رہا ہے 170

140 حضرت عزیر علیہ السلام کی اولاد کا قصہ کہ باپ سے......کس وجہ سے ہے 171

141 حدیث کی تفسیر کہ میں اپنے رب سے ہر روز ستر مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں 172

142 اس کا بیان کہ ناقص عقل قبر سے آگے نہیں دیکھتی ہے......اولیا کی مقلد ہے 173

143 آیت کریمہ کا بیان: اے مومنو! پیش قدمی نہ کرو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ سے ڈرو 175

144 خچر کی اونٹ سے شکایت کا قصہ کہ میں......کو جواب دینا 176

145 خچر کا اونٹ سے جوڑیوں کی تصدیق کرنا......اور مدد کرنا 178

146 ایک قبطی کی سبطی کی خوشامد کرنا کہ...... بالکل خون ہے 179

147 قبطی کا سبطی سے دعائے خیر و رہنمائی کی درخواست کرنا......دعا کا مقبول ہونا 182

148	اس بدکار عورت کی حکایت جس نے شوہر سے......حقیقت ہو یا خیال	184
149	حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	186
150	قبطیوں پر معاملہ سخت ہو جانا اور فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے سفارش چاہنا	187
151	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعا کرنا اور کھیتوں کا سرسبز ہو جانا اور بارش کا آ جانا	188
152	ابتدائی پیدائش سے آدمی کی پیدائش کے مراتب اور حالات کا بیان	189
153	اس کا بیان کہ دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے......صبر ختم ہو گیا	191
154	حضرت ذوالقرنین کا کوہ قاف کے پاس جانا......جو جانتا ہے بتا دے	193
155	اس کا بیان کہ چھوٹی سی چیونٹی کاغذ پر چل رہی تھی......انگلیاں اس کی فرع ہیں	193
156	ذوالقرنین کا دوبارہ کوہ قاف سے درخواست کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجائب کا بیان	194
157	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا......سورج چھپ گیا	195
158	بعثت سے قبل یہود اور نصاریٰ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتقاد کا بیان اور ان کے نام کو جان کی حفاظت کا سبب سمجھنا اور ان کے ظہور کا خواہاں ہونا	199

مقدمہ

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کا وہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیر الدین حسینی چشتی القادری وعظ فرما رہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم و جاں کی ایک جھلکی، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آبا واجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہاالدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کرلی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو(300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو(300) مفتیانِ شہر جمع ہوکر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہوتو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آ موجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کررہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لا کر پہنچا دیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جا رہے تھے۔ نیشاپور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آ رہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پندنامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جا رہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰه والی اللّٰه ولاحولا قوة الا باللّٰه''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آ کر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دو فرزند سلطان ولد اور علا الدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علا الدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہو کر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہو گیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کر دے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سفر شروع ہو گیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہو گیا۔

مولانا روم کی تربیت: حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہو گئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہو گئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہو گئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہو گئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہو گیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہو گیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہیئت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ "اے صراف عالم مرا دریاب" اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہو گیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔ شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعرفناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی" اور "لیس فی جبی الا اللّٰه"۔ سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔ گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا "بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔ شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔ شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔ صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔ اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔ شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔ شمس کے عشق و شوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔ جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔ آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔ دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے "مجھے سیم و زر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔ اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔ اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔ انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

صلاح الدین زرکوب: دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کرلیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہو گئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حسام الدین چلپی: صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص و احترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا کا انتقال: مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلالحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتا دی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

دیوان شمس تبریزی: یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق وجدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

مثنوی معنوی: یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ وتصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور ''یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔'' بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت ''مثل نورہ کمشکوٰۃٍ'' سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر ''جنان الجنان'' یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر وتفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہو جاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لا یمسّہٗ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تا دیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جا بجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر بند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیر خوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیرست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فِی فَلَکٍ یَسّبَحُونَ" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جو امر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کو حکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کو حکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کو جسم کے جان میں جذب ہوجانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت — فارسی مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن
ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد — ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی
ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب — ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے
بدن گردد چو بایک شیوہ خو کرد — تعین سے ہوئی تخلیق تن کی

غرض یہ کائنات جان اور تن کے گونا گونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کو ایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام وہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہوجاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق وصداقت کے پیکروں اور للّٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کو اپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران وششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔ مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لانیحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ۔

زندگانی آشتی ضد ہاست
مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی وصلح اور موت انھی کے بیچ جنگ وتباہ کاری ہے۔

انسان کون ۔

آدمی دیدست وباقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ۔

نور حق رانیست ضدے در وجود
تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ۔

ہست قرآں حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات وحالات کا بیان ہے۔

خالق ومخلوق کی قربت ۔

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہر و رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت و نرمی ہو وہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔ اس کے برعکس غصہ و شہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہو وہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کر لے تو نیکوکار رہنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار رہنے
ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحر معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ و معنی شیر و شکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور و مستی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جا رہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل وانصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سو جاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اپنی حرص و شہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ و تفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگاساکی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تاکہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام و عراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سو سالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلا ناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سرپرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ "صوفی ورلڈ" کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم و غیر مسلم، ملکی و غیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی رحمتہ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ "نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔"

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہو گیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔ اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔ پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔ 2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔ اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

نوٹ: ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثلاً:

گواہ	کے لیے	گواہ	چاہ چہ
کوہ	کہ	کوتا	کوتہ

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

تمہید: اے ضیاء الحق

ہے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی
جس سے روشن تر ہے منہ سے مثنوی

ہمت عالی تری اے مرتجیٰ
لے چلے اس کو کدھر جانے خدا

مثنوی ہے تیری رسی سے بندھی
تو جدھر چاہا اُدھر چلتی رہی

مثنوی رو میں ہے رہبر در خفیٰ
چوں کہ جہلا نے نہ دیکھا ہے چھپا

چوں کہ مبدا مثنوی کا ہے تو ہی
اور بڑھانے سے ترے ہی وہ بڑھی

ہو تو جائے گا خدا چاہے وہی
تا ہو پوری آرزوئے متقی

چوں کہ تم پہلے خدا کے ہو چکے
ہوگیا اللہ تمھارے واسطے

شکر ادا کرتی ہے تیرا مثنوی
پھیلے ہیں شکر و دعا میں ہاتھ بھی

واقف اس شکر و دعا سے ہے خدا
فضل فرمایا کرم افزوں کیا

وعدہ شاکر کو زیادت کا رہا
قرب حق ہے جیسے سجدوں کا صلہ

بولا وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اپنا خدا
سر جھکانا وجہِ قربِ حق ہوا

مثنوی میں سب اضافہ تم سے ہی
شان ہے مقصد نہ حاجت داد کی

تاک جوں گرما میں ہم بھی شادماں
تو جو بولا کھینچ، ہم کھینچے یہاں

کارواں لے جا سلامت تا بہ حج — اے امیرِ صبر مفتاح الفرج
حج زیارت کعبہ ہے کرتے ہیں سب — اور ہے مردانہ حج دیدار رب
تیغِ دیں کو جو دیا نامِ ضیا — ہیں یہ دونوں وصف تجھ میں برملا
دونوں ایک ہی تیغ یہ اور یہ ضیا — تیغ سے سورج کی ظلمت کو فنا
چاند کو نور، اور سورج کو ضیا — بولے قرآں بانٹ کر حق نے دیا
شمس کو قرآن کہتا ہے ضیا — نور اس نے چاند کی بابت کہا
مہر کا رتبہ بڑا ہے ماہ سے — نور سے برتر ضیا ہے اس لیے
دھندلا دھندلا نورِ مہ میں راستہ — نکلا جب سورج تو روشن ہوگیا
مہر دکھلاتا ہے ہر شے کو عیاں — دن کو ہی بازار لگتے ہیں یہاں
تا کھرا کھوٹا عیاں ہو بے محن — تا نہ ہو بیوپار میں دھوکا غبن
تا ضیا اس کی کرے روشن زمیں — تاجروں کو رحمۃٌ للعالمیں
پر ہے و قلّاب پر بیحد گراں — فرقِ قلب و زر سے ہے ان کو زیاں
کھوٹا دشمن ہے بڑا اصراف کا — کون عدو فقرا کا کتّے کے سوا
دشمنوں سے بھڑتے ہیں جب انبیا — ربِّ سَلِّم ہے فرشتوں کی دعا
کیوں کہ یہ ہے ایک شمعِ پر ضیا — چوروں کی پھونکوں سے تو اس کو بچا
قلب ساز و چور دشمن نور کے — داد گستر تو ہے بارے داد لے
چوتھے دفتر پر تو پھیلا روشنی — سورج آیا چرخِ چارم سے ابھی
نور دے چارم کو تو خورشید وار — تاکہ وہ روشن کرے شہرِ دیار
خود فسانہ جس کو نہ فسانہ لگے — ماننا نقد اس کو مردانہ رہے
خون تھا قبطی کو پانی نیل کا — قومِ موسیٰ کو لہو وہ پانی تھا
ہر عدوِّ مثنوی اندر نظر — جس طرح سے سرنگوں اندر سقر
اے ضیا دیکھا ہے تونے اس کا حال — حق نے دکھلایا تمھیں اس کا مآل
غیب سے کم غیب میں آنکھیں نہیں — عیب بینی کم نہ ہوجائے کہیں

ناکسوں کو چھوڑ اوروں کے لیے قصہ کی تکمیل لازم ہے تجھے
دفترِ سوم میں ہے گر ناتمام چوتھے دفتر میں باقی کلام

اس عاشق کی حکایت کا باقی حصہ جو انجان باغ میں کوتوال کے ڈر سے بھاگا اور اس نے معشوق کو اس باغ میں پالیا اور خوشی کی وجہ سے کوتوال کے لیے دعائے خیر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ بسا اوقات کہ عَسٰی اَنْ تُکْرِہُوْا شَیئًا وَّ ہُوَ خَیْرٌ لَکُمْ

ہم اسی میں تھے کہ وہ شخص آ گیا ڈر سے گھوڑا باغ میں لے کر گھسا
باغ کے اندر تھی وہ صاحب جمال جس کے غم میں کاٹے دکھ کے آٹھ سال
اس کا سایہ بھی دِکھے ممکن نہ تھا اس کے وصف عنقا سے تھے سنتا رہا
اتفاقاً ہوگیا اک سامنا اس کے حق میں ہوگئی وہ دلربا
بعد ازاں کتنی ہی کوشش اس نے کی تند خو نے اس کی کچھ چلنے نہ دی
کچھ علاج اس کا خوشامد تھی مال طمع سے خالی تھی وہ آسودہ حال
مقصد اور پیشہ کے عاشق کے سدا اس کی اک دُھن میں بہاتا ہے خدا
پیش قدمی جوں ہی دکھلانے لگے روڑے ہر دن ڈالتا ہے سامنے
جستجو میں جب وہ از خود لگ گئے مہر مانگا، بند دروازے کیے
ہوگئے جب جستجو میں مبتلا بند کرکے در کو بولے مہر لا
پڑ گئے پیچھے جہاں وہ پاکے باس ہر نفس امید، ہر اک لمحہ یاس
ہر کوئی پاتا ہے محنت کا ثمر کھل ہی جاتا ہے کسی دن بند در
بند کردیتے ہیں پھر اس پر وہ در وہ تڑپتا ہے اسی امید پر
ہو کے خوش جب باغ میں آیا جواں دھنس گیا پاؤں دفینہ میں وہاں
ہوگیا کوتوال پھر اس کا سبب باغ میں ڈر سے گھسا جو وقت شب
دیکھا معشوقہ دِیا لے کر کوئی ڈھونڈتی ہے نہر میں انگشتری
پس خوشی سے کی ثنا اللہ کی دی دعا کوتوال کو بھی ساتھ ہی

میں جو بھاگا اس کا نقصاں گر ہوا　　بیس گنا سیم و زر دے دے اے خدا
اس سپاہی پن سے اس کو کر رہا　　میں ہوں خوش شادی کر اس کو بھی عطا
نیک بخت اس کو دوعالم میں بنا　　اس عوانی اور سگی سے کر رہا
کوتوالوں کی یہ عادت ہے خدا　　چاہتے ہیں تیرے بندوں کا برا
جرم شہ مسلم پر عاید کرے　　پھول جائے وہ خوشی کرنے لگے
گر خبر پہنچے کہ رحمت شہ نے کی　　اور بخشش گر مسلماں کی ہوئی
جان ہوجاتی ہے اس کی وقفِ غم　　غم سے ہوتا ہے اسے دردِ شکم
ایسی سو بیماریاں کوتوال کو　　استعانت کر مری اللہ تو
پر دعا کوتوال کو بھی اس نے دی　　کیوں کہ اس کی وجہ اسے راحت ملی
سب زہر اس کا مگر تریاق اسے　　کیوں کہ نیکی اس نے کی مشتاق سے
کچھ بھی دنیا میں بر مطلق نہیں　　محض نسبت میں ہے بد فی الحق نہیں
ایک ہی سب کو کہاں یہ زہر قند　　ایک کو پاؤں تو ہے دیگر کو بند
ایک کو پاؤں مگر دیگر کو بند　　ہے یونہی زہر ایا کو دیگر کو قند
سانپ کو زہر اس کا ہے وجہِ حیات　　اور نسبت سے بشر کی وہ ممات
آبی جانداروں دریا جیسے باغ　　خاکیوں کے واسطے وہ مرگ و داغ
مرد کر یونہی سب کو شمار　　نسبتیں یوں ایک سے تا صد ہزار
اس کے حق میں زید اگر شیطان ہے　　دوسرے کے واسطے سلطان ہے
زید اسے حق گو ہے اور نیک آدمی　　اس کی نظروں میں وہ کافر کشتنی
زید ایک ہی ذات اِس کو جناں　　اور دگر کو سر بسر رنج و زیاں
گر تو چاہے تیرے حق میں ہوشکر　　عاشقوں کی طرح ڈال اس پر نظر
اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ اس خوب کو　　دیکھ طالب کی طرح مطلوب کو
اپنی آنکھیں بند گر اس خوب کو　　دیکھ طالب کی طرح مطلوب کو
اپنی آنکھیں بند کر خوش چشم سے　　دیکھنے اس کو اسی سے آنکھ لے

تا نہ سیری ہو نہ ہو رنجش تجھے
بولا کان اللہ لۂ حق اس لیے
اس کے دست و دل بنوں میں آنکھ بھی
اس کو بدبختی سے تا ہو مخلصی
خوف جس کا ہے وہی ہو گر دلیل
دوست تیرے یار کا ہے اور خلیل

اس واعظ کی حکایت جو ہر وعظ اور نصیحت کے شروع میں ظالموں اور سخت دلوں اور خبیثوں و مفسدوں اور بد اعتقادوں کے لیے دعائے خیر کرتا تھا

ایک واعظ تخت پر آ کر سدا
ڈاکوؤں کے حق میں کرتا تھا دعا
ہاتھ اٹھائے کہتا یارب رحم کر
مفسدوں پر سرکشوں بدراہوں پر
جو ضرر پہنچائیں ، جو ٹھٹھا کریں
جو بھی کافر ہیں جو ہیں بتخانوں میں
برگزیدوں کو دعا دیتا نہ تھا
صرف دیتا تھا خبیثوں کو دعا
لوگ بولے یہ کوئی معمول ہے
گمرہوں کی خیر طلبی بھول ہے
دیکھی ہے میں نے بھلائی ان سے ہی
پس دعا دینے کی میں نے ٹھان لی
کی خباثت ظلم ڈھایا اس قدر
خیر کی سمت آ گیا شر چھوڑ کر
جب بھی دنیا کی طرف رغبت ہوئی
زخم کھائے مار بھی ان سے پڑی
زخم کھا کر ان کے ہاں ہی لی پناہ
بھیڑیوں ہی نے دکھائی راست راہ
وہ مری اصلاح کے باعث بنے
فرض مجھ پر ہے دعا ان کے لیے
بندہ پیش حق جو کرتا ہے بُکا
اپنے درد اور دکھ کا کرتا ہے گلہ
بولے حق دکھ سے برا ہی کیا ہوا
تو خوشامد گر ہوا اچھا ہوا
نعمتوں نے تجھ کو گمرہ کر دیا
ہے گِلہ تیرے لیے اس کا روا
تیرا دشمن ہے دوا تیرے لیے
نفع بخش اور کیمیا تیرے لیے
اس کے باعث جائے تو اندر خلا
اور ڈھونڈے لطف و امدادِ خدا
دوست ہی ہیں اصل میں دشمن ترے
رکھتے ہیں مشغول دور اللہ سے
ساہی کہیے جس کو ہے اک جانور
موٹا، لمبا ہوگا کھائے مار اگر

مار میں تیرے ہے اس کی بہتری کھائے گر چوٹیں تو لائے فربہی
نفسِ مومن بھی ہے جوں ساہی کوئی مار کھاکر موٹا ہوگا چرب بھی
رنج وآفت انبیا پر اس لیے ہے زیادہ جملہ مخلوقات سے
جملہ جانوں سے قوی تر ان کی جاں قومِ دیگر نے یہ دکھ دیکھے کہاں
پوست دارو سے بنے مضبوط تر جلدِ طائف جیسا مرغوبِ نظر
گر نہ تلخ و تیز تو اس پر ملے گندہ و ناپاک بونا خوش لگے
تھیلا ہے انسان کچی کھال کا جو رطوبت سے بھاری اور برا
مل ذرا تو اس پہ تلخ و تیز سے تا لطیف و پاک ہو لوٹے مزے
گر نہ ہو تجھ سے رضا دے اے کھرے تا خدا خود دکھ میں تجھ کو ڈال دے
ہے بلائے حق تجھے تطہیر اگر حاوی علم اس کا تری تدبیر پر
جب صفا دیکھے بلا میٹھی لگے دیکھے جب صحت دوا اچھی لگے
فتح مندی ہوگی ثابت اس کو مات بولے ''مجھ کو قتل کردو یا ثقات''
یہ پولیس اوروں کو وجہِ سود ہے لیکن اپنے حق میں خود مردود ہے
ختم اُس سے رحمِ ایمانی ہوا کینِ شیطانی مسلط ہوگیا
کارگاہ خشم و کینہ بن گئی کیا ہے کینہ کافری و گمرہی

ایک شخص کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنا کہ اے روح اللہ وجود میں سب سے زیادہ سخت کیا چیز ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا

پوچھا عیسیٰؑ سے کسی عاقل نے جا اندر اس دنیا میں سنگیں تر ہے کیا
بولے اے جان سختِ تر خشمِ خدا جس سے دوزخ بھی لرزتا ہے سدا
پوچھا خشمِ حق سے کیوں پائیں اماں بولے غصّہ چھوڑ دینا در جہاں
غصّہ کو پی جانا ہے حظ اماں خشم حق کو یاد کر اور کھینچ عناں
پس ہوا کوتوال معدن غصّہ کا خشمِ بد اس کا درندوں سے سوا

ہے تبھی امیدِ رحمت اس سے گر — چھوڑے اِس عادت کو وہ ہے بے ہنر
گرچہ حاجت ہے جہاں میں اس کی بھی — ہے یہی بات وجہِ اصلِ گمرہی
مخلصی پیشاب سے ممکن نہیں — پر نہیں وہ ہمسرِ ماءِ معیں
بول پھر وہ قصہ خستہ جگر — ''درمیانِ باغ با رشکِ قمر''

عاشق کا خیانت کرنے کا ارادہ کرنا اور معشوق کا چیخ پڑنا

دیکھا بھولے نے اکیلا اپنا یار — ہوگیا آمادۂ بوس و کنار
دیکھ کر ہیبت سے کڑ کی وہ نگار — رُک وہیں گستاخ ادب کر ہوشیار
بولا ہم تنہا ہیں اور کوئی نہیں — مجھ سا پیاسا اور پانی بھی یہیں
کوئی چل پھرتا نہیں غیر از ہوا — کون دیکھے، کون روکے اس جگہ
بولی اے دیوانے، اندھے عقل کے — پند تونے لی نہیں داناؤں سے
دیکھتا ہے چل رہی ہے یہ ہوا — اک چلانے والا بھی ہے اس جگہ
جھلنے پنکھے سے ہے صنعِ خدا — ہے ہوا پر وہ چلاتا ہے ہوا
حکم میں اپنے جو ہے جزوی ہوا — کب چلی پنکھے کی جنبش کے بنا
اے بھلے جزوی ہوا کو ہانکنے — تو بھی اور پنکھا بھی تیرا چاہیے
تیرے ہونٹوں میں ہے سانسوں کی ہوا — تیری جان و تن کے تابع ہے سدا
مدح و پیغام بنتی ہے کبھی — ہجو یا دشنام بنتی ہے کبھی
حال ہے یوں ہی ہواؤں کا سبھی — فہمِ کُل ہے جزو سے دانا کو ہی
حق ہوا کو گر بہاری کردیا — جاڑے کو اس لطف عاری کیا
آندھی و طوفاں برائے قومِ عاد — ہود کے حق میں ہے عنبر بیز باد
یہ ہوا زہریلی بنتی ہے وہ لو — کرتی ہے فرحت ساماں صبح کو
سانس کو تیرے تصرف میں دیا — تا ہو اس سے علم تجھ کو باد کا
دم نہیں بنتا سخن بے لطف و قہر — اک گروہ کو شہد ہے دیگر کو زہر

پنکھے کا ہلنا ہے اک انعام اسے
قہر مجھ پر اور مکھی کے لیے

پنکھا ہے تقدیرِ ربانی کا جو
کیوں بلا و امتحاں سے پُر نہ ہو

جزوی یہ سانس اور پنکھے کی ہوا
نیک یا بد ہے ضرور اس کا صلہ

مغربی ہو یا شمالی یا صبا
نعمتوں سے کب رہی خالی ہوا

ایک مٹھی گیہوں دیکھ انبار سے
اتنی ہی مقدار بس ہے جانچنے

کل ہوا اس آسمانی برج سے
ہانکنے والا نہ ہو تو کیوں چلے

غلّہ بھرتے وقت خرمن کے لیے
مانگتے ہیں ہم ہوا اللہ سے

تا کریں گندم سے بھوسے کو جدا
جائے کھتے میں تو خرمن دیں لگا

ہو ہوا کے چلنے میں تاخیر اگر
پیشِ حق پاؤگے سب لابہ گر

دردِ زہ میں گر نہ آئے گی ہوا
درد سے چیخیں گے مانگیں گے دعا

گر نہ مانیں ہے چلانے والا بھی
زاری پیشِ باد ہے کس کام کی

اہلِ کشتی ہیں یونہی خواہانِ باد
ملتجی در حضرتِ رب العباد

دودِ دنداں سے خلاصی کو جو ہم
ہے ہوا وہ بھی جو کرواتے ہیں دم

کرتے ہیں حق کی خوشامد لشکری
کہ خدایا بھیج بادِ فتح بھی

مانگ کر تعویذ کی چٹھی کو نیز
دردِ زہ کے وقت لیتے ہیں عزیز

ہر کوئی یہ جانتا ہے بالیقیں
بھیجتا ہے باد رب العالمیں

جو بھی ہے ذی عقل وہ آگاہ ہے
ہلنے والے کو ہلانے والا ہے

وہ نظر آتا نہیں تجھ کو اگر
فہم کر اس کے اثر کو دیکھ کر

جاں سے تن حرکت کرے جاں ہے نہاں
جنبش تن کرتی ہے جاں کو عیاں

بولا گر ہوں ابلہ در بابِ ادب
رکھتا ہوں ذوقِ وفا صدقِ طلب

جو ادب تیرا تھا ظاہر ہوگیا
اُس دگر نے خود کو لُد ثابت کیا

خود ادب ظاہر، دگر مخفی رہا
اس سے بھی بدتر وہ پایا جائے گا

کوزہ میں جو ہے سو ٹپکے گا وہی
اور اسی صورت رہے گا تن سبھی

اس صوفی کا قصہ جو گھر پر آیا اور اس نے بیوی کو ایک اجنبی کے ساتھ دیکھا

آیا صوفی گھر کو گھر اک در کا تھا
ساتھ زن کے موچی اک پایا گیا
یار کے ہمراہ ہم بستر تھی زن
اور اس اک حجرے میں مشغولِ بدن
کھٹکھٹایا در کو صوفی چاشت گا
دونوں اندر تھے نہ تھی حیلوں کو جا
وقت وہ معمول آنے کا نہ تھا
وقت سے پہلے دکاں سے آ گیا
وقتِ ناخوش کن وہ قصداً آ گیا
راستہ گھر کا کسی دُھن میں لیا
تھا بھروسہ زن کو ایسے وقت پر
کام سے ہرگز نہیں آئے گا گھر
یہ قیاس اس کا غلط ثابت ہوا
دیتا ہے ستّار خود آخر سزا
ڈر بدی جب، نڈر بن کر نہ رہ
بیج و نشو و نما کو ہے خدا
پردہ پوشی کرتا ہے کئی بارتا
تا پشیمانی سے پیدا ہو حیا

مثالاً حکایت

جب عمرؓ نے چور کو بہرِ سزا
کردیا تحولِ جلّاد و سپاہ
دی صدا مجرم نے میرِ مملکت
جرمِ اول ہے یہ کیجیے مرحمت
شاہ نے فرمایا اللہ کی پناہ
قہر اول مرتبہ کی ہے جزا
پردہ پوشی بارہا کرتا ہے پر
وہ اتر آتا ہے آخر عدل پر
پشیانیں اپنی دونوں ظاہر میں لانا
دے بشارت اک سے دیگر سے ڈرائے
یہ بدی خود بارہا اس نے کی
سہل جب گزری تو آساں جان لی
یہ نہ جانا نہر سے ہردم یونہی
ٹھلیا آئے گی نہیں سالم یونہی
تنگ اسے آخر قضا نے یوں کیا
مرگ ناگہ جوں منافق کا صلہ
بے اماں ایسا نہ ہمراہی نہ راہ
تا بجاں ہے ہاتھ عزرائیل کا
ڈھونڈے زن حجرے میں جوں چھپنے جگہ
یار بے آب و گرفتارِ بلا

بولا دل ہی دل میں صوفی کافرو   صبر سے لوں گا میں بدلہ دیکھ لو
اب میں انجانا بنے رہ جاؤں گا   تا نہ ہو اغیار کو اس کا پتہ
لے ہی لے گا تم سے بدلہ مستحق   تھوڑا تھوڑا کرکے جوں آزارِ دق
گھلتا ہے مدقوق گرچہ ہر نفس   پر سمجھتا ہے کہ میں بہتر ہوں بس
جس طرح بجّو پکڑتے ہیں جسے   کہتے ہیں ''بجّو نہیں دکھتا مجھے''
بجّو اس بِل میں نہیں ہے اے چچا   سن کے یہ دھوکے میں وہ آجائے گا
کہہ کے یوں وہ باندھ لیتے ہیں اسے   وہ خوش او بےغم کہ وہ غافل رہے
زن کے چھپنے کو نہ تھی کوئی جگہ   ڈیوڑھی، تہ خانہ نہ بالا راستہ
نہ کوئی باورچی خانہ تا چھپے   اور نہ تھیلا تا سرا پردہ کیے
جس طرح میدان محشر کا کھلا   آڑ کو ٹیلا نہ چھپنے کو گڑھا
حشر کی بابت خدا نے جو کہا   کچھ غلط اس میں نہ ہرگز پائے گا

تلبیس اور بہانہ اور مکر کے لیے معشوق کو چادر کے نیچے چھپانا
کیوں کہ بیشک تمھارا مکر بڑا ہے

جلد چادر اپنی اس پر ڈال کر   مرد کو جوں زن بنائی، کھولی در
مرد رسوا زیرِ چادر تھا نہاں   اونٹ جوں سیڑھی چڑھا تھا صاف عیاں
بولا صوفی اے عجب یہ سب ہے کیا   میں نے دیکھا ہی نہیں وہ کون تھا
بولی بیگم ہے رئیسِ شہر کی   مال بھی رکھتی ہے با اقبال بھی
بند رکھا در کہ بیگانہ کوئی   گھر میں در آئے نہ انجانا یونہی
صوفی پوچھا ہے کوئی خدمت بتا   بے غرض تا اس کو میں لاؤں بجا
ہے غرض اس کی لگاوٹ، دوستی   کون ہے جانے خدا عورت بھلی
شہر سے باہر اک اس کا پسر   خوبرو چالاک قائم کسب پر
چاہا اس نے دیکھے لڑکی کو چھپے   لڑکی ہے مکتب کے اندر کیا کرے

پھر کہا آٹا سہی بھوسا سہی — میں بنالوں اس کو دلہن باخوشی
بولا صوفی ہم فقیر اور مال کم — بیوی والے مالدار و محتشم
ان کے ہمسر کب ہے یہ لڑکی بھلا — چوب کا یہ در، وہ ہاتھی دانت کا
ہاں نکاح کو ہمسری درکار ہے — ورنہ اک کلفت وجہِ عار ہے
شان شوکت، فقر ہیں یکساں نہیں؟ — رتبۂ یاقوت مرمر کو نہیں
جامہ آدھا اطلس اور آدھا پلاس — عیب ہے ہر جاننے والے کے پاس
کب کبوتر باز کا ہے ہم نفس — ہوں گے کیوں ہمراز عنقا اور مگس

بیوی کا کہنا کہ وہ جہیز کی فکر میں نہیں ہے اس کا مقصد پردہ پوشی و نیکی ہے
اور صوفی کا اس پوشیدہ راز کا جواب دینا

بولا میں نے عذر کھل کر کہہ دیا — بولی ساماں میں نے کب چاہا بھلا
مال و زر ہے ہم کو آزارِ شکم — حرص سے دولت کی ہیں آزاد ہم
پاکی نیکی پردہ پوشی چاہیے — دو جہاں میں عافیت کے واسطے
عذر تنگی پھر سے نے کیا — کہہ دیا پھر تا نہ رکھے کچھ چھپا
بولی زن میں نے بھی دوبارہ کہا — بے سرو سامانی واضح کردیا
اس کا تکیہ کوہ سے مضبوط تر — تنگ حالی کا نہیں کچھ اس کو ڈر
وہ بھی کہتی ہے کہ عفت چاہیے — تم سے سچائی و ہمت چاہیے
بولا صوفی دیکھتی ہو جو ہے مال — تجھ سے کچھ پوشیدہ کہاں ہے اپنا حال
تنگ گھر اک آدمی رہنے کو جا — سوئی کو چھپنے نہیں کوئی جگہ
پردہ ، پاکی، زہد، نیکی کچھ سہی — ہم سے بڑھ کر ان سے واقف ہے وہی
کیا ہے ستر اس سے ہے واقف خوب تر — جانتی ہے آگا پیچھا پیر سر
اپنی ناداری عیاں جوں آفتاب — جانتی ہے کیا ہے نیکی کیا حجاب
لڑکی وہ خادم سہی مفلس سہی — جانتی ہے پردہ و نیکی سبھی

کیا ضروری باپ سے شرحِ حجاب روشن اس لڑکی پہ ہے جوں آفتاب
یہ حکایت میں نے کہہ ڈالی کہ تا لاف بیجا ہو جو کھل جائے خطا
مارنے میں ڈینگ تو بھی کم نہیں یہ ہے تجھ کو اجتہاد اور یہ یقیں
جوں زنِ صوفی تو خائن ہوگیا دھوکے سے پھیلایا پھندا مکر کا
شوخی درباب بدی، بس کس قدر؟ شرم رکھتا ہے، خدا سے شرم کر

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کو بصیر اور سمیع کہنے کا مقصد کیا ہے

اس لیے کہتا ہے حق خود کو بصیر دیکھنا اس کا بنے تاکہ نذیر
اس لیے بولا سمیع اپنے لیے تاکہ بد گفتار سے بچ کر رہے
اس لیے خود کو علیم اس نے کہا خوف سے اس کے نہ سوچے تو برا
یہ نہیں نامِ خدا پہچان کو نامِ حبشی جس طرح کافور ہو
متبع ہیں اسماء اوصافِ قدیم علتِ اولیٰ سے ربط ان کا سقیم
ورنہ اطلاق اس کا طنز و ناسزا سامع جوں بہرے کو اندھے کو ضیا
نام اک بے شرم کا ہو باحیا کالے بدصورت کو بولیں مہ لقا
جیسے نوپیدا کو حاجی کا لقب یا لقب غازی کا از روئے نسب
گر ز روئے مدح دیں گے یہ لقب وصف جب ویسے نہ ہوں زیبا ہے کب
یہ تمسخر، طنز ہے یا ہے جنوں پاک حق عَمَّ یَقُولُ الظَّالِمُوْنَ
جان لی تھی تجھ کو میں قبل از وصال خوبصورت ہے مگر تو بد خصال
جانتی تھی تجھ کو میں قبل از لقا اپنی ہٹ سے تو ہے بدقسمت بڑا
لال ہیں آنکھیں مری آزار سے گو نہ دیکھیں درد بتلائے مجھے
برّہ لگتا ہوں میں چوپاں کے بنا تو سمجھتا ہے نہیں نگرا مرا
عاشقوں کا درد اور رونا یہی کی نظر بازی جو بے موقع رہی
سمجھا وہ بے پاسباں ہرنی ملی مفت میں لونڈی اسے ہاتھ آگئی

چھد گیا پیکانِ غیرت سے جگر — میں محافظ ہوں نہ ڈال اس پر نظر
بھیڑ، بکری بچہ سے میں کم نہیں — ہے محافظ پشت پر میری یہیں
وہ محافظ، سلطنت زیبا اسے — جانے وہ جو بھی ہوا مجھ پر چلے
سرد ہے یا گرم ہے اُس کو خبر — غائب و غافل نہیں لمحہ بھر
نفسِ شہوانی نہ جانے نورِ جاں — میرے دل پر تیری کوری ہے عیاں
حق سے غافل نفسِ شہوانی ترا — تیری کوری جانتا ہے دل مرا
اس لیے پوچھا نہ تجھ کو آٹھ سال — پُر جہالت سے تو کج مج تیرا حال
اس سے کیا پوچھوں جو ہو چولھے میں یوں — خیریت ہے؟ کیسا ہے اے سرنگوں

اس کی مثال کہ دنیا بھٹی اور تقویٰ حمام اور مالدار اپلے ڈالنے والے ہیں

شہوتِ دنیا ہے بھٹّی کی مثال — اس سے حمامِ تقویٰ خوش جمال
متقی کا حصہ اس میں ہے صفا — کیوں کہ ہے حمام پاکی کی جگہ
اُپلے اس میں ڈالتے ہیں اغنیا — کام انھیں حمام کو گرمانے کا
حرص سے حق نے نوازا ہے انھیں — تا کہ حمام ان سے با رونق رہیں
چھوڑ دے بھٹّی سوئے حمام آ — چھوڑنا بھٹی ہے خود کارِ صفا
جو بھی بھٹیارا ہے وہ خادم رہا — جو بھی صابر ہے وہی عازم رہا
جو بھی ہے حمام میں اس کا نشاں — چہرۂ روشن سے اس کے ہے عیاں
بھٹی والوں کے نشاں ہیں آشکار — سب دھوئیں سے اٹ کے کپڑے پرغبار
گر نہ دیکھے چہرہ بس بو ہی تو لے — بو عصا ہوتی ہے اندھے کے لیے
گر نہ پائے بو تو بات اس سے کھرا — ان نئی باتوں سے کہنہ راز پا
صاحبِ زر بولے کتنے ٹوکرے — رات ڈھوئے میں نے گوبر سے بھرے
حرص تیری جیسے آگ اندر جہاں — شعلہ ہر اک اس کا کھولے سود ہاں
یوں تو گوبر عقل کو بھاتا نہیں — ہے اگرچہ اس میں تابِ آتشیں

دیکھے سورج، اور انگارا بنے — گیلے گوبر کو بھی وہ ایندھن کرے
کرتا ہے خورشید پتھر کو بھی زر — حرص کی بھٹی میں بھرتا ہے شرر
جو بھی بولے اس کے ہاں ہے مال زر — جمع اس کے ہاں سے گوبر اس قدر
گرچہ ہے یہ بات رسوائی فزا — اہلِ دنیا کو ہے فخر اس پر بڑا
تا بہ شب حاصل تجھے چھ ٹوکرے — بے مشقت بیس حاصل ہیں مجھے
پالا بھٹّی کا نہ دیکھا جو صفا — بوئے مشک اس کو سبب آزار کا
تجھ کو بھٹّی سے جو قربت چاہیے — تو نہ دیکھے نفع نقصاں میں رہے

اس کھال رنگنے والے کا قصہ جو عطر فروشوں کے بازار میں عطر کی بو سے بے ہوش ہو گیا

وہ کوئی دبّاغ منڈی کو چلا — تا خریدے جو اسے درکار تھا
جھک گیا، بیہوش ہوکر گر پڑا — جب وہ عطاروں کے کوچہ میں گیا
جھونکا عطاروں سے خوشبو کا چلا — اس کا سر چکرا گیا، سو گر پڑا
جیسے اک مردہ پڑا تھا بے خبر — دو پہر تک درمیانِ رہ گزر
لوگ اکٹھے ہوگئے فوراً وہاں — پڑھتے تھے لاحول سب درماں کناں
ہاتھ پھیرا اس کے سینے پر کوئی — عرقِ گُل اس پر چھڑکتا تھا کوئی
ہاں چراگہ میں یونہی اک مرتبہ — عرقِ گل سے حال ایسا ہی ہوا
ہاتھ سے سر اس کا کوئی ملنے لگا — لے کے کیچڑ دوسرا وہ آ گیا
دھونی کی تیاری اک کرنے لگا — وہ دگر کپڑوں کو کم کرنے لگا
جانچتا تھا کوئی جھک کر سانس کو — اور اس نے سونگھی اس کے منھ کی بو
امتحانِ نبض اک کرنے لگا — ڈھنگ دیکھا نبض کی رفتار کا
بھنگ پی ہے یا کہ مے یہ دیکھنے — لوگ عاجز اس کی بیہوشی سے تھے
پس خبر خویشوں کو پہنچائی شتاب — کہ فلاں اس جا ہے بیہوش و خراب
بے خبر سب، ہوش کھوکر کیوں گرا — آخر ایسا کس لیے رسوا ہوا

موٹا تازہ بھائی اک دبّاغ کا
تھا بڑا چالاک فوراً آ گیا

آستیں میں فضلہ کتّے کا لیے
آیا انبوہ چیرتے روتے ہوئے

بولا واقف ہوں ہوا ہے کیا اسے
پائیں علت تو علاج آساں رہے

گر نہ ہو علمِ سبب مشکل رہے
وقت آزار و دوا میں آ پڑے

علمِ علت سے مداوا سہل ہے
علم علت کیا ہے دفعِ جہل ہے

سوچا سر میں اس کی رگ رگ میں سبھی
گندگیِ سب کی بدبو ہے بھری

عرق بدبو میں سدا اور تا بشب
اور دبّاغی سے وہ روزی طلب

گندگی میں شغل اس کا سال و ماہ
عطر کی بو اس کی کردے گی تباہ

ہے یہی تجویز جالینوس کی
جس کی خو بیمار کو ہو دو وہی

ہے خلاف عادت کے جو رنج اس کا وہ
پس علاج اس کا وہی عادت ہو جو

شغلِ گوبر سے تھا گبرنڈا بنا
پس گلاب اس کو سبب بیہوشی کا

فضلہ کتّے کا دوا اس کے لیے
ہے اسی اک شی کی جو عادت اسے

"الخبیثات للخبیثین" پڑھ ذرا
دیکھ اس کے ظاہر و باطن ہیں کیا

ناصحاں دیتے ہیں عنبر یا گلاب
ہے دوا ان کی برائے فتحِ باب

کب بروں کو بھاتی ہیں باتیں بھلی
معتمد لائق نہیں ان کے کبھی

ہوگئے جب وحی کی خوشبو سے گم
تھی فغاں لب پر تطیرنا بکم

ایک بیماری ہمیں یہ قیل و قال
پند یہ ہم کو نہیں ہے نیک فال

گر کروگے تم نصیحت آشکار
ہم تبھی کردیں گے تم کو سنگسار

ہم کو کھیل اور کود وجہِ فربہی
پند سے ہم کو نہیں وابستگی

جھوٹ شیخی وجہِ قوت اے عجب
اور ہمیں تبلیغ متلی کا سبب

رنج صد تو اور بڑھائے اور بھی
عقل کی دارو ہمیں افیون ہوئی

گند بے حد ان کے کفر و شرک کی
ہاں چلو دبّاغ ہے بیہوش ابھی

کتے کے پاخانے کی بو سے پوشیدہ طور پر چمڑا رنگنے والے بھائی کا چمڑا رنگنے والے کا علاج کرنا

اس جواں نے سب کو دور اس سے کیا — اس کا درماں تا کرے سب سے چھپا
راز گوساں کان سر تک لے گیا — ناک پر بھائی کی فضلہ مل دیا
فضلہ کتّے کا تھا مل کر ہاتھ پر — گندوں کی دارو سے تھا وہ باخبر
سونگھی اس نے جوں ہی اس فضلہ کی بو — راس بدبو آئی گندے مغز کو
مردہ تھوڑی دیر سے ہلنے لگا — لوگ بولے خوب یہ منتر رہا
کوئی افسوں پڑھ کے اس نے دم کیا — مردہ منتر کے اثر سے جی اٹھا
مفسدوں کی رغبت اس رخ ہے سدا — ناز و غمزہ و زنا ہو جس جگہ
مشک کی بو ہے جسے بے فائدہ — لا جرم عادی ہے وہ بد باس کا
مشرکوں کو خود نجس بولا خدا — کیوں کہ مشرک ہے نجاست کا پلا
کِرم وہ گوبر میں جو پیدا ہوا — خوئے دیگر کو وہ کیوں اپنائے گا
نور کے چھڑکاؤ سے محروم ہے — وہ ہے جملہ جسم دل معدوم ہے
کچھ جو رشِّ نور سے وہ پائے گر — مرغ گوبر زاد بھی آئیں نظر
نہ کہ وہ مرغِ کمینہ خانگی — بلکہ مرغِ دانش و فرزنگی
نور سے اس جیسا ہے تو بھی تہی — کیوں کہ تیری ناک پر ہے گندگی
ہجر میں تو ناتواں و زرد رو — پتا پیلا ہے تو کچا پھل ہے تو
دیگ کالی آگ سے اور دود فام — گوشت سخت اور رہ گیا ویسے ہی خام
ہجر میں دیتا رہا جوش آٹھ سال — تیری خامی کیسے گھٹتی ہے محال
خام ہے تو اور نہ چاہے پختگی — جوش گر ہم دیں گر ہزاروں سال بھی
تیرے خام انگور سب پتھرا گئے — اور منقّیٰ بن گئے باقی جو تھے

مکاری اور تلبیس سے عاشق کا خطا کی عذر خواہی کرنا اور معشوقہ کا اس کو بھی سمجھ جانا

بخشئے یہ جان لینا تھا مجھے ‏ وہ عوامی ہے کہ مستورات سے
یوں تو واقف بغیرِ امتحاں ‏ پر خبر کیوں ہوگی مانندِ عیاں
تو ہے سورج تیرا شہرہ ہر جگہ ‏ آزما کر میں نے کیا نقصاں کیا
تو ہی میں، کرتا ہوں خود کا امتحاں ‏ تا کروں اندازۂ سود و زیاں
انبیا کا امتحاں دشمن کیے ‏ اور ظاہر معجزے ان سے ہوئے
اپنی آنکھیں میں نے جانچیں نور سے ‏ چشمِ بد سے حق بچا رکھے تجھے
یہ جہاں ویرانہ اور تو گنجِ زر ‏ میں اگر کھودوں تو رنج اس کا نہ کر
ایسی شیخی میں نے نادانی سے کی ‏ تا کہ اعدا میں بڑھے عزت تری
آئے لب پر نام تیرا جب کبھی ‏ دے گواہی آنکھ دیکھی بات کی
ڈاکہ ڈالا ہے تری عزت پہ گر ‏ ساتھ ہیں تیغ و کفن لے قتل کر
مار مجھ کو اپنی ہی تلوار سے ‏ پھر نہ کرکے دور مجھ کو مار دے
قطع اپنے ہاتھ سے کر پاؤسر ‏ میں ہوں تیرا کب ہوں مملوکِ دگر
ہجر کا یہ ذکر کیوں بارِ دگر ‏ جو بھی چاہے کرو لیکن یہ نہ کر
بات کرنے کے لیے اب راہ ہے ‏ پر نہیں موقع کہ دم بے گاہ ہے
چھال اتارا مغز باقی ہی رہا ‏ چھوڑیں گر یونہی یونہی رہ جائے گا
گر خطا کی ہم نے در بابِ وجود ‏ عفو کی ہے تجھ سے امید اے ودود
امتحاں کرکے ہوا معذور دار ‏ چوں کہ اپنے کیے سے شرمسار

معشوق کا عاشق کے عذر اور مکر کو رد کر دینا

کھولے مہرو نے جواباً اپنے لب ‏ جو ہمیں ہے روز وہ تجھ کو ہے شب
جھوٹے حیلے اور وقت انصاف کا ‏ پیش ہیں کے آگے کیوں لائے بھلا

جو رموز و مکر تجھ میں ہیں نہاں — روزِ روشن سے وہ ہم پر عیاں
پردہ پوشی جب شفقت مری — کیوں ہوئی حد سے سوا غفلت تری
سیکھ باپ آدمؑ سے بعد از گناہ — پائے گاہ میں لی خوشی سے جگہ
دیکھے جوں ہی عالمِ اسرار کو — ہوگئے استادہ استغفار کو
راکھ پر غم کی بناکر مستقر — ڈالی ڈالی پر جھپٹنا چھوڑ کر
رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا لب پہ تھا — پیش و پس سے نور یوں کو دیکھنا
اور فرشتے جیسے جاں نہاں — ان کے نیزے چھو رہے تھے آسماں
چیونٹی بن جاؤ سلیمانؑ کے لیے — باخبر بھالا نہ تم کو پھاڑ دے
راستی پر چاہیے تیرا قیام — آنکھ کے ہمسر نہیں کوئی غلام
کور کی دھلوائیں بھی گر گندگی — گندگی سے ہوگا آلودہ تبھی
اے نبی آدمؑ نہیں تو بے بصر — پردہ پڑتا ہے قضا سے آنکھ پر
مدتوں کے بعد اک بینا کوئی — گرتا ہے چہ میں قضا جب آگئی
ہوتی ہے اندھے کی ہمراہی قضا — گرنا اٹھنا اس کی عادت سدا
گندگی میں گر کے پہچانا نہیں — بو ہے خود کی یا پلیدی ہے کہیں
مشک اگر کوئی کرے اس پر نثار — اپنی بو سمجھے نہ جانے لطفِ یار
پس دو آنکھیں اپنی اے صاحب نظر — سیکڑوں ماں باپ سے ہیں خوب تر
خاص کر وہ چشمِ روشن قلب کی — جس سے روشن ہیں دو آنکھیں ظاہری
حیف وہ بیٹھے ہوئے ہیں رہزناں — اس لیے خاموش ہے میری زباں
ہو اگر پابستہ گھوڑا کیوں چلے — بیڑی ہے مضبوط مجھ کو چھوڑ دے
گفتگو بے جوڑ، ٹوٹا سلسلہ — کہ گہر ہے بات، غیرت آسیا
موتی پرزہ پرزہ اور ٹوٹا ہوا — پھر بھی سرمہ ہے وہ بیمار آنکھ کا
سر نہ پیٹ آشکستگی پر اے گہر — روشنی ہوجائے گا تو ٹوٹ کر
جوڑ کر ٹوٹے کو کہتا ہے یہی — ٹھیک اسے کردے گا حق وہ ہے غنی

گیہوں پس کر ریزہ ریزہ ہوچکا جب دکاں پر آیا روٹی ہوگیا
تو بھی عاشق جرم ہو جب آشکار چکنی چپڑی چھوڑ ہوجا شرمسار
جو بھی فرزندانِ خاص آدم کے ہیں وہ دمِ اِنَّا ظَلَمْنَا بھرتے ہیں
چاہیے کیا بول حجت چھوڑ دے رہ نہ جا ابلیس سا سرکش بنے
سرکشی پردہ تھی اس کے عیب پر تو بھی سرکش بن لڑائی ان سے کر
بوجہل نے بھی رسول اللہؐ سے جیسے فاتح تُرک مانگے معجزے
مانگے بوجہلِ لعیں نے ظلم سے شاہِ اعظم مصطفیٰؐ سے معجزے
چاہا کتا بوجہل جو معجزہ کچھ نہ پایا دیکھ کر شک کے سوا
مانگا پر صدیقؓ نے کب معجزہ بولے پاس ان کے ہے کیا سچ کے سوا
حق تجھ ایسے کو نہ پہنچے گا کبھی آزمائش کو ہم ایسے دوست کی

ایک یہودی کا حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا کہ اگر آپ کو اللہ کی حفاظت پر بھروسہ ہے تو اس اونچے قلعہ پر سے اپنے آپ کو گرا دیجیے اور اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دینا

مرتضیٰؓ سے ایک سرکش نے کہا جو نہ تھا آگاہِ تعظیمِ خدا
حفظ حق ہے ہر کہیں اے ہوشمند ہو کوئی ایوان یا بامِ بلند
بولا ہاں وہ ہے محافظ اور غنی طفل ہم تھے یا تھے در شکلِ منی
بولا پھر خود کو گرادے بام سے اعتماد اللہ پر کرتے ہوئے
تا یقیں کرلوں ترے ایمان کا اعتقاد اور آپ کی برہان کا
راہ لے، خاموش فرمائے علیؓ پھنسی جان جرأت سے تری
حق کہاں پہنچا بندے کے لیے تا خدا کا امتحاں کرنے چلے
ایک بندے کو کہاں ہے یہ مجال تا کرے وہ امتحانِ ذوالجلال
امتحاں بندوں کا اپنے ہر گھڑی حق پہنچتا ہے مگر خالق کو ہی

تا دکھائے ہم کو خود کر کے عیاں
وہ عقیدہ ہم جو رکھتے ہیں نہاں

کیا کسی انساں نے حق سے یہ کہا
آزمانا تھا ترے جرم و خطا

دیکھوں تیرے حلم کی تا انتہا
پس محال اس کی کسی میں ہے بتا

عقل تیری ہے بہت بیہودہ جاہ
عذرِ برتر ہے گنہ سے بھی ترا

وہ کہ چھایا جس نے اونچا آسماں
اس کا جانے کیوں کرے گا امتحاں

تو نہ جانے کوئی شر و خیر کو
جانچ پہلے خود کو پھر سے غیر کو

کرلیا جب تونے اپنا امتحاں
پھر نہ چاہے امتحانِ دیگراں

پا لیا خود کو جو شکر دانہ ہے
پس سمجھ لے زائل شکر خانہ ہے

جان لے بے امتحاں وہ بادشاہ
تجھ کو کیوں بے گہ شکر دینے لگا

جان یہ بھی آزمائے بن وہ شہ
وہ نہ جانے تجھے تا پائے گاہ

جوہرِ قابل کو دانشور کوئی
پھینک سکتا ہے غلاظت میں کبھی؟

گیہوں کو کوئی حکیمِ باخبر
ڈالتا ہے بھوسے کے انبار پر

شیخ جو ہوتا از خود راہبر
آزمائے گر مرید اس کو وہ خر

راہِ دیں میں گر کرے گا امتحاں
ہوگا وہ دراصل تیرا امتحاں

جہلِ ، گستاخی تری ہوگی عیاں
ننگا وہ تفتیش سے ہوگا کہاں

ذرہ جائے تو لیے کہسار اگر
ذرّہ ذرّہ ہوگی میزاں ٹوٹ کر

اپنے اندازے سے وہ میزاں بنائے
مردِ حق کو اس کے پلڑے پر چڑھائے

عقل کی میزان جب موزوں نہ ہو
توڑ کر رکھ دے گا خود میزان کو

جانچ اس کی ہے تصرف کی مثال
ہے تصرف ایسے شاہوں پر محال

کیا تصرف ہوسکے گا نقش کا
نقش گر پر اپنے بہرِ ابتلا

جانچ اس میں صلاحیت ہے گر
کیا نہیں وہ خود عطائے نقش گر

قدر کیا اس شکل کی جو اس نے کی
ان کے آگے جو ہیں زیبِ علم ابھی

جب بھی آئے امتحاں کا وسوسہ
تیری بدبختی کی ہے وہ ابتدا

وسوسوں کی ابتدا دیکھے تو زود　　　پیشِ حق رکھ دے جبیں بہرِ سجود
سجدہ گر کو تر بتر کر اشک سے　　　بول یارب تو بچا شک سے مجھے
امتحاں جس دم تجھے مطلوب ہو　　　مسجد تیری پُر خُرّوب ہو
آزمائش کی ہو رغبت جب کبھی　　　لوٹ آ اور رو بحق ہوجا تبھی
تا نگہبان ہو ترا وہ ممتحن　　　از گمان و امتحانِ انس و جن
اے ضیاء الحق حسام الدین آ　　　قصہ داؤدؑ اور بنا کا اب سنا

مسجد اقصیٰ اور خروب اگنے کا بیان اور حضرت داؤد علیہ السلام کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے اس مسجد کو تعمیر کرنے کا قصد اور اس کا رک جانا

عزمِ داؤدی جو پکّا ہوگیا　　　کہ کرے پتھر سے اقصیٰ کی بنا
حق سے وحی آئی کہ چھوڑو یہ خیال　　　تم سے ہے تعمیر اس گھر کی محال
ہم نے ٹھہرایا نہیں تقدیر سے　　　یہ کہ تجھ سے مسجد اقصیٰ بنے
پوچھا کیا ہے جرم اے راز آشنا　　　میں جو اس تعمیر سے روکا گیا
بے خطا تونے بہت سے خوں کیے　　　خون مظلوموں کے گردن پر لیے
خوں بہایا تونے خوش آواز سے　　　لوگ کتنے سن کے جان قرباں کیے
خوں بہایا کتنا تیرے لحن نے　　　تیری خوشخوانی پہ جاں کتنے دیے
بولے تیرے عشق میں میں مست تھا　　　خود ترے ہاتھوں تھا میں جکڑا ہوا
کیا نہیں مرحوم مغلوب خدا ؟　　　کالعدم ہوتا نہیں مغلوب کیا ؟
بولا اے مغلوب تو کب مٹ گیا　　　جز بہ نسبت ، یہ عدم کیوں ہے بھلا؟
ایسا جو معدوم ہو خود سے جدا　　　وہ تو موجودات میں افضل رہا
ہے صفاتِ حق کی نسبت سے فنا　　　یہ فنا در اصل ہے اس کی بقا
جملہ رو میں اس کے زیرِ اہتمام　　　اور ابدان اس کی قدرت میں تمام
زیرِ لطفِ حق ہے جو مغلوب ہے　　　اختیار اس کا ہے جو محبوب ہے

خود یہی ہے انتہائے اختیار
جس قدر بھی ہے گنوادے اختیار
گر نہ تھی قدرت کی کچھ اس میں خوشی
کیوں مٹاتا ، اپنی وہ سہتی کبھی
لقمہ ہو یا گھونٹ دنیا کا کوئی
ترکِ لذت سے ہے وہ لذت بندھی
ذوق اسے لذاتِ دنیا سے نہ تھا
ذوق تھا لذت سے اس نے پالیا
واصلِ رحمت تھا جو مغلوب تھا
بحرِ رحمت میں وہ خود کو کھودیا
یوں نہیں معدوم کہ اہلِ وجود
اس پہ حاوی ہوسکیں ہنگام جود
بلکہ والی تھا وہ موجودات کا
بے گماں و بے نفاق و بے ریا
''بے مثال، وبے مکان و بے نشاں
بے زماں و بے چنیں وہ بے چناں''
کوئی مشکل نے سوال و نے جواب
بند لب، واللہ اعلم بالصواب

اس کی شرح کہ مومنین بھائی بھائی ہیں اور علما ایک جان کی طرح ہیں خصوصاً حضرت

داؤد علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام اور بقیہ انبیا کا اتحاد ان پر سلام ہو کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو تیرا کسی نبی پر ایمان درست نہ ہوگا اور یہ اتحاد کی علامت ہے اگر ہزار گھروں میں سے تو ایک کو ویران کرے گا تو سب کے سب ویران ہو جائیں گے اور ایک دیوار بھی قائم نہ رہے گی کیونکہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ہیں۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے اور یہ اشارہ سے بڑھ گیا ہے

آئی پھر داؤدؑ کو وحیِ خدا
اے نبیِ منتخب، اے خوش لقا
فکر میں اس بات سے تو پڑ نہ جا
رنج وغم کو اپنے دل میں دے نہ جا
گو نہ ہوگی تیری جدو جہد سے
تیرا ہی بیٹا بنائے گا اسے
جہد سے تیری نہ ہوگا یہ مقام
پر کرے گا تیرا لڑکا ہی یہ کام
اس کا کرنا بھی ہے کرنا تیرا ہی
مومنوں میں ہے جو ربطِ باہمی
ہیں بہت سے مومن اور ایماں ہے ایک
ہیں کئی اجسام لیکن جاں ہے ایک

فہم سے عاری ہے جاِ گاؤ و خر   ہے دگر جانِ بشر، عقلِ بشر
عقل و جانِ آدمی سے بھی جدا   وہ ہے جانِ اولیا و انبیا
جانِ حیواں میں نہیں ہے اتحاد   تو نہ دیکھے اتحادِ روح و باد
وہ نہ ہوگا سیر گر کھائے یہ ناں   اس کا بوجھ اس کو نہیں لگتا گراں
وہ منائے موج، موت آئے اسے   دیکھ کر سامان اس کا وہ جلے
بھیڑیوں کتّوں کی جاں ہر اک جُدا   متحد ہے جانِ شیرانِ خدا
بولا ان کی جانوں کے لیے   جان ایک اور ربط سو اجسام سے
جیسے خورشیدِ فلک ہے ایک ہی   گھر کی نسبت سے ہیں یہ سورج کئی
ان سبھوں کی روشنی ہے ایک ہی   گر اٹھادے آڑ تو دیواروں کی
جب نہیں بنیاد جانوں کی جدا   مومنوں کی جاں ہے نفسِ واحدہ
اختلاف اس میں از روئے مقال   یہ نہیں ہے مثل بلکہ ہے مثال
شکل انساں سی نہیں ہے شکلِ شیر   شیر کہلاتا ہے انسانِ دلیر
جب بھی جاتا ہے دلیری پر خیال   شیر کی انساں کی دیتے ہیں مثال
تھا مثالِ شیر وہ مردِ دلیر   گو نہ ہر بات میں وہ مثلِ شیر
صورتِ مخلوق ہے ہر اک جدا   تا دکھاؤں مثل خود ہوتی ہے کیا
پیش کرنا ہے مجھے ناقص مثال   عقل کو حیرت سے تا لاؤں نکال
شب کو ہر گھر میں جلاتے ہیں چراغ   تا اندھیروں سے میسر ہو فراغ
جسم ہے وہ شمع نور اس کا ہے جاں   نور وہ محتاج بتّی کا کہاں
بتّی کے خادم ہیں اس کے پنج حواس   سونے کھانے پینے پر ان کی اساس
خواب و خور بن جینا مشکل آدھ پل   خواب وخور ہوں بھی تو چھوڑے کب اجل
تیل بتّی چاہیے مہرِ بقا   تیل بتّی ہوں بھی وہ ہے بے وفا
نور بیمار اس کا ہے خواہانِ مرگ   روز روشن اس کو ہے سامانِ مرگ
جملہ حس ہائے بشر ہیں بے بقا   کیوں کہ پیشِ روزِ محشر ہیں ولا

نور حس اور اپنی جاں بے منتہا ... گھاس کے مانند کب ہوتی ہے لا
اس طرح ستارہ و مہتاب ... محو ہوجاتے ہیں پیش آفتاب
جس طرح پسّو کا کاٹا کوئی مرد ... سانپ گھس آنے سے بھولے سوز و درد
جیسے ننگا جست پانی میں لگائے ... تا کہ زنبوروں سے چھٹکارا پائے
اوپر اوپر کرتی رہتی ہیں طواف ... سر ابھارے تو نہیں کرتیں معاف
آب کیا ہے، ذکر حق ہے اس زماں ... یادِ زنبور، یہ فلاں اور وہ فلاں
باندھ لے دم، ذکرِ حق میں صبر کر ... تا کہ تو وسواس سے پائے مفر
پائے پھر پانی کی خود طبع صفا ... سر سے پاؤں تک وہی ہوجائے گا
ویسے ہی پانی سے جوں زنبورِ شر ... بھاگ جائے اور کرے تجھ سے حذر
پھر جو جا ہے خود کو پانی سے نکال ... ہوچکا طبعًا تو پانی کی مثال
کتنے لوگ آئے جہاں میں چل بسے ... باقی وہ غرقِ صفات حق ہوئے
در صفاتِ حق صفات ان کے نہاں ... تارے جوں سورج کے آگے بے نشاں
گر دلالت چاہیے قرآں سے دوں ... پڑھ جَمِیْعٌ هُمْ لَدَیْنَا مُحْضَرُون
محضروں معدوم ہوسکتا نہیں ... ہے بقائے روح کا تجھ کو یقیں
روح محجوبوں کی باقی در عذاب ... روحِ واصل باقی بیرونِ حجاب
حِسِّ حیواں کے دیے سے المراد ... کہہ دیا رکھنا نہ میلِ اتحاد
روح خود وابستہ کرلے اے فلاں ... جلد با ارواحِ پاکِ لا مکاں
سو دیے گل ہوں کر وہ روشن رہیں ... ہیں جدا ہم ایک انھیں کیوں کر کہیں
اس لیے یاروں میں عالم جنگ کا ... ہے کہیں اخبارِ جنگِ انبیا ؟
انبیا کا نور مہر ضو فشاں ... نورِ حس ہے شمع اور اس کا دھواں
ایک گُل اور ایک باقی تا بروز ... ٹمٹماتا ایک دیگر با فروز
جانِ حیوانی غذا کھائے جیے ... ساتھ ہر اک نیک و بد کے مرحلے
شمع یہ بجھ کر دھواں ہوجائے گر ... کیوں اندھیرا ہوگا ہمسائے کا گھر

جب بغیر اس کے بھی روشن ہے وہ گھر
پس چراغ حس ہے ہر گھر دگر

یہ مثالِ جانِ حیوانی یقیں
یہ مثالِ جان ربانی نہیں

چاند نے ظلمت میں ضو پاشی جو کی
چھن کے ہر روزن سے آئی روشنی

سو گھر کا نور وہ ہے ایک ہی
ہے وہی نور اور نہیں دیگر کوئی

جب تلک سورج ہے روشن چرخ پر
ہوگا اس کے نور کا گھر گھر گزر

جوں ہی یہ خورشیدِ جاں آ فل ہوا
نور سب جانوں کا گُل ہوجائے گا

مثل مت لے اس مثالِ نور کو
یہ تجھے ہادی عدو بہر عدو

اپنی دُھن میں ایک مکڑی کی مثال
گندہ جالے بُن رہا ہے بدخصال

نور پر پردہ جو تانا تھوک کا
دیدۂ ادراکِ خود اندھا کیا

گھوڑے تھپکی جو دے ہوگا سوا
پاؤں جو بھی پکڑ وہ کھائے گا مار

چلبلے گھوڑے پہ مت چڑھ بے لگام
عقل و دیں کو پیشوا کر والسلام

سہل یا کمتر نہیں ہے یہ مقام
صبر خواہ ہے جان جوکھوں یہ کام

لوٹ چل اور قصۂ مسجد سنا
با سلیمانِ نبیؑ خوش ادا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا بقیہ قصہ

جس گھڑی ڈالی سلیماں نے بِنا
پاک جوں کعبہ مبارک جوں منٰی

تھی مرمت اس کی باصد کرّوفر
نے فسردہ جوں بنا ہانے دگر

ٹوٹتا تھا جو بھی پتھر گہ سے وہ
فاش کہتا تھا کہ مجھ کو لے چلو

جس طرح آب و گِل آدم صفیؑ
پتھروں سے روشنی پیدا ہوئی

سنگ بے حمّال خود چلنے لگے
اور در و دیوار زندہ ہوگئے

حق بھی کہتا ہے کہ دیوارِ بہشت
جیسی دیواریں نہیں یہ جان و زشت

ہو اگر دیوارِ تن میں آگہی
زندہ وہ گھر اُس میں ہے شاہنشہی

میٹھا پانی، جھاڑ ہی پھل ہی سہی
جنتی سے کرتے ہیں باتیں سبھی

کہ نہیں بنتی بہشت اوزار سے — بنتی ہے وہ نیکیِ کردار سے
یہ بنا ہے آب و خاک مردہ سے — وہ بنا ہے بندگیِ زندہ سے
اپنی اصلیت سے یہ ہے پُر خلل — وہ با صلیّت ہے سب علم و عمل
جامہ بھی تاج و سریر و قصر بھی — پوچھ کچھ میں اہلِ جنت سے سبھی
فرش بے فراش لپٹا جائے گا — خانہ بے جاروب کش پائے صفا
تخت بے حمّال کے چلتا ہوا — حلقے دروازوں کے بھی نغمہ سرا
خانۂ دل غم میں ہے الجھا ہوا — بھنگی بن توبہ نے صاف اس کو کیا
دل کے اندر ہے بہشتی زندگی — پر بیاں سے ہے زباں قاصر مری
مسجدِ اقصیٰ ہوئی بن کر تمام — زیرِ تدبیرِ سلیمانؑ والسلام
بہرِ ارشاد آتے تھے ہر صبح کو — جانبِ مسجد سلیمانؑ نیک خو
پند دیتے کبھی با لحن و ساز — اور کبھی جھک کر رکوع میں با نیاز
بندِ عملی ہوتی ہے مرغوب تر — موہ لیتی ہے دل باگوش و کر
ان میں احساس امیری گھٹ گیا — اور اثر محکوموں پر کاری رہا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا کا قصہ اوران کا خطبہ اس بیان میں کہ عامل اپنے عمل سے نصیحت کرنے والا زبانی بات کے ذریعہ نصیحت کرنے والے سے بہتر ہے

جب پڑا بارِ خلافت آپ پر — آگئے منبر پہ عثماں زود تر
منبر سردار جو سہ پایہ تھا — بیٹھے دوّم پایہ پر صدیق جا
اور بغرضِ حرمت ملت عمرؓ — بیٹھتے تھے چڑھ سوم پایہ پر
دورِ عثمانی پھر بالائے تخت — بیٹھتے تھے چڑھ کے سوم زینہ پر
پوچھا ان سے کوئی مردِ بوالفصول — دو خلیفوں نے نہ لی جائے رسولؐ
تم نے کیوں جتلائی ان پر برتری — جب کہ ہے ظاہر تمھاری کمتری
بولے سوم پایہ پر بیٹھوں اگر — شبہ ہوگا میں ہوں مانندِ عمرؓ

پایہ دوم پہ گر بیٹھا رہوں
لوگ بولیں گے کہ میں صدیقؓ ہوں

یہ ہے اونچی جا مقامِ مصطفیؐ
شبہ مجھ پر کس کو ہوگا مثل کا

بعد ازاں وہ مہرباں خطبہ کی جا
تھے خموش اور عصر کا وقت آ گیا

کس کی ہمت جو کہے کچھ بولیے
یا کہ مسجد سے نکل کر جائیے

اک بڑی ہیبت تھی خاص و عام پر
نور حق سے تھے منور بام و در

آنکھ والے دیکھتے تھے ان کا نور
گرمی جس سے کرتا تھا محسوس کور

تاب سے یوں فہم کرلیتا تھا کور
کھل کے سورج آ گیا ہے بے فتور

آنکھ کھل جاتی ہے لیکن تاب سے
تا سنی آنکھوں سے اپنی دیکھ لے

اس کی گرمی سے ہے گرچہ بے کلی
اس سے حاصل دل کو ہے آرام بھی

نورِ دیرینہ سے گرم اتنا ہوا
کور خوش، بولا کہ میں بینا ہوا

اے بھلے اس پر ہی تو خوش ہوگیا
بینائی کو ہے ابھی کچھ فاصلہ

کور ہے سورج سے اتنا فیض یاب
ایسے سو واللہ اعلم بالصواب

نور سے محسوس جو بینا کرے
شرح اس کی کیسے بوسینا کرے

گر ہو سو گنا قوی کیا ہے زباں
کیا ہٹائے پردہ کرنے کو عیاں

وائے وہ جیسے بھی راز افشا کیا
تیغِ حق ہاتھ اس کا کردے گی جدا

ہاتھ کیا ہے کاٹ دے گی اس کا سر
سر وہ جس کے جہل سے ظاہر ہو شر

میں نے فرضی بات بتلائی تجھے
ورنہ وہ کیا ہاتھ کیا اس کے لیے

خالہ خالو ہوتی ہوتا خصیہ گر
بات یہ فرضی ہے، یعنی ہوتا گر

ہے زباں سے آنکھ تک کا فاصلہ
گر کہوں لاکھوں برس بھی کم ہوا

تو نہ ہو مایوس نورِ آسماں
گر خدا چاہے، ہو دم بھر میں یہاں

ہیں ستاروں کے اثر کانوں میں بھی
ان کو پہنچاتی ہے قدرت ہر گھڑی

دافع ظلمت وہ ان کی روشنی
ہے صفاتِ حق کا اختر بھی قوی

فاصلے ہے پانچ سو سالہ مگر
ہے زمیں پر چرخ کا ظاہر اثر

تا زحل ہے سال ساڑھے تین ہزار — پر مؤثر اس سے سارے کاروبار
وہ جہاں بھی آیا سایہ مٹ گیا — آگے سورج کے ہے طولِ سایہ کیا
مثلِ انجم پاک لوگوں کی کمک — پھیلتی ہے انجمِ افلاک تک
اپنے ظاہر پر ستاروں کا اثر — اپنے باطن کا اثر افلاک پر

اس بیان پر حکمائے فلسفہ کہتے کہ آدمی عالم صغیر ہے اور خدائی حکما کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے کیونکہ ان حکما کا علم آدمی کی صورت پر منحصر تھا اور ان کا علم آدمی کے باطن سے وابستہ ہے

ہے بصورت عالمِ صغریٰ تو ہی — ہے بمعنی عالمِ کبریٰ تو ہی
شاخ اصلِ میوہ ہے گو ظاہراً — شاخ میوہ کے لیے ہے باطناً
خواہشِ میوہ نہیں ہوتی اگر — کیا لگاتا باغباں کوئی شجر
درحقیقت پھل سے پیدا ہے شجر — گو بظاہر جھاڑ سے نکلا ثمر
یوں ہی آدم و انبیا بولے نبیؐ — ہیں خلف میرے و میرے مقتدی
ہیں یہی معنی جو فرمائے رسولؐ — آفرینش اوّل و آخر نزول
گو بظاہر میں تو آدمؑ زادہ ہوں — درحقیقت سب کا میں پردادا ہوں
تھے مری خاطر وہ مسجود مَلک — میری خاطر پہنچے بر ہفتم فلک
مجھ سے ہی پیدا ہوا میرا پدر — یعنی میوہ زاد ہے اصلی شجر
فکر اول ہوتی ہے آخر عمل — فکر جو ہے خاص کر وصفِ ازل
مختصر یہ آسماں سے ہر زماں — آتے جاتے ہیں ادھر تک کارواں
راہ کب اس کارواں پر ہے گراں — دشت کب بھاری ہے بہر کامراں
دل چلا ہے تا بہ کعبہ ہر گھڑی — دل سا لطفِ حق سے ہوگا جسم بھی
تن کی نسبت سے درازی کو تہی — ہے جہاں اللہ کہاں یہ سبھی
تن کو جب تبدیل کر ڈالے خدا — سیر کو پھر فاصلوں کی فکر کیا

سو امیدیں ہیں قدم بڑھا عاشقانہ چل نہ اب باتیں سنا
صرف پلکیں اپنی جھپکاتا ہوا جارہا ہے ناؤ میں سوتا ہوا

اس حدیث کی تفسیر کہ میری امت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس سے وابستہ ہوا وہ بچا اور جو اس سے بچھڑا وہ ڈوبا

اس لیے بولے حبیبِ دوجہاںؐ میں سفینہ ہوں بہ طوفانِ زماں
ہیں مرے اصحاب جوں کشتیٔ نوحؑ جو سہارا اس کا لے پائے فتوح
شیخ کے ہمراہ تو ہے جملہ خیر روز و شب کشتی تو محوِ سفر
تو پنہ میں ہے حبیب اللہ کی نیند میں تو سیر میں کشتی تری
عہد کے پیغمبر سے رشتہ کو نہ توڑ غرّہ اپنے فن کا خود داری کو چھوڑ
شیر بھی ہوگا نہ جا بے راہبر لومڑی گمراہ سا کیوں در بدر
اڑنا ہو تو لے پروں شیخ سے شیخ کے بشر ہوں تا حامی ترے
اس کی موج لطف جوں پر ہے تجھے قہر اس کا تیری حمالی کرے
قہر اس کا ضد نہیں ہے مہر کی ہیں یہ دونوں بھی اثر میں ایک ہی
خاک دم بھر میں بنے اس سے ہری لحظۂ دیگر میں بخشے برتری
جسمِ عارف کو کرے مثلِ جماد تا اُگیں اس پر گل و نسرین شاد
دیکھنے والا ہے تجھ کو بس وہی خلد دے گا اپنی بو پاکوں کو ہی
ذہن سے دھو یار کے انکار کو تا کہ سونگھے بوئے باغِ یار تو
تا کہ پہنچے یار سے جنت کی بو جوں یمن سے بو رسول اللہؐ کو
ساتھ معراجیوں کے ہو اگر جب براقِ نیستی پھیلائے پر
یہ نہیں جانا زمیں سے تا قمر یہ تو ہے معراج نے سے تا شکر
یہ نہیں تپ کا پہنچا تا سماء یہ ہے معراجِ جنیں تا انتہا
کتنا اچھا ہے بُراقِ نیستی لائے ہستی میں ہے گر تو نیست بھی

کوہ و دریا کرتے ہیں مس اس کے سُم — آخرش حسی جہاں ہوتا ہے گم
رکھ قدم کشتی میں اور ہوجا رواں — جوں سوئے معشوق جائے جانِ جاں
ابتدا کی سمت چل بے دست و پا — روح کی تھی جب عدم میں ابتدا
بات ہوجاتی عیاں تقریر سے — سننے والے گر نہ ہوتے اونگھتے
اے فلک موتی لٹا تقریر پر — اے جہاں تو اُس جہاں پر شرم کر
جو گہر برسائے چھ گنا بڑھیں — تیر بے جاں ناطق و بینا بنیں
ہوگا یہ ایثار خود تیرے لیے — ایک ایک دے گا تو سوسو کے لیے
ہدیۂ بلقیس سا ہوجائے گا — جو سلیمانؑ کے لیے بھیجا گیا

بلقیس کا شہر سبا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدیہ بھیجنے کا قصہ۔ ان پر اور ہمارے نبی پر سلام ہو

ہدیۂ بلقیس چالیس اونٹ تھا — ہر شُتر سونے کی اینٹوں سے لدا
جب قدم ملکِ سلیمانؑ میں پڑا — فرش خالص زر کا پایا قافلہ
زر پہ ہی چالیس منزل تک چلے — یعنی کچھ قیمت نہ تھی زر کے لیے
بولے ہردم سونا واپس لے چلیں — کس لیے بیکار دھندے میں پڑیں
جس جگہ سونا زمیں پر ہو بچھا — تحفۂ زر ابلہی ہے اس جگہ
ہدیہ حق کو دینے والے عقل کا — عقل کم تر خاکِ رہ سے اُس جگہ
ہدیہ کی دیکھی جو یوں بے وقعتی — الٹے پاؤں لے چلی شرمندگی
پھر کہا ہو کم بہایا بے بہا — ہم فقط بندے ہیں ہم کو اس سے کیا
خاک یا سونا ہے لے جانا ہمیں — حکم صاحب ہے بجالانا ہمیں
گر کہے وہ اس کو واپس لے چلو — لے چلو تحفہ کو جب فرماں سنو
ہے بجا لانا فقط فرماں ہمیں — ہدیہ پہنچانا ہے ان کے ہاں ہمیں
چل دیے تحفہ کو لے کر شادماں — تا بہ کرسیِ سلیمانِ جہاں
دیکھا جب ہنس کر سلیمانؑ نے کہا — تم سے یہ سب کب طلب میں نے کیا

کب کہا میں نے ہدیہ دو مجھے   خود تم ہی لائق بنو سوغات کے
غیب سے تحفے عجب پاتا ہوں میں   چاہ سے بھی جن کی سب محروم ہیں
پوجتے ہو اخترِ زر ساز کو   تھام لو دامانِ اختر ساز کو
تم پرستارانِ خورشیدِ جہاں   اور تمھیں ناچیز ہے انمول جاں
ہم کو باورچی جو سورج سا دیا   ابلہی ہے گر کہیں اس کو خدا
جب کہ سورج کو گہن لگ جائے گا   داغ اس کا دور کیوں کر پائے گا
کیا تو دکھڑا حق کے آگے گائے گا   دھو اندھیرے کو اجالے دے خدا
قتل تیرا نیم شب ہوگا اگر   داد کو سورج ترا ہوگا کدھر
حادثے ہوتے ہیں اکثر وقتِ شب   وہ ترا معبود گُم رہتا ہے تب
حق کے آگے راست جب خم ہوگا تو   سب سے چھوٹے اُس کا محرم ہوگا تو
ہوگا جب محرم تو میں کھولوں گا لب   تا ہو سورج تیرے آگے نیم شب
مشرق اس کو ہے فقط اک جانِ پاک   فرق روز و شب کا پھر کیا ہوگا خاک
روز تب ہے وہ طلوع ہوتا ہے جب   اس کی ضو پاشی سے مٹ جاتی ہے شب
جس طرح اک ذرّہ پیشِ آفتاب   کرتی ہے سورج کو اس کی آب وتاب
چمکے سورج جب نظر کے سامنے   آنکھ اندھا اور حیراں بنے
عرش کے انوارِ بیحد مکیں اسے   ایک ذرّے کے برابر پاؤ گے
پاؤ گے مسکیں، و خوار و بے قرار   آنکھ کو قوت جو بخشے کردگار
کیمیا ایسا، اثر جس پر پڑا   ہو دھواں بھی تو وہ تارا بن گیا
اک عجب اکسیر جس کی نیم تاب   لائے ظلمت کی تہوں سے آفتاب
کیمیا گر کی ہے یہ شانِ عمل   کتنی تاثیروں پہ قادر ہے زُحل
اور سب تارے بھی اور جاں کے گہر   کر قیاس ان کا سبھی اس طرح پر
سامنے سورج کے خیرہ ہے نظر   دیدۂ ربّانی جالے ڈھونڈ کر
وہ نظر نوری رہی اور یہ ہے نار   نار پیشِ نور ہوجاتی ہے تار

شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ کا نور اور کرامات

بولے عبداللہ شیخِ مغربی — سٹھ برس دیکھا نہ تاریکی کبھی
میں اندھیرا ہی نہ دیکھا ساٹھ سال — ایک تھے دن رات وجہِ اعتدال
صوفیا بولے کہ ان کی سچ ہے بات — پیچھے ان کے چل دیے ہم ایک رات
دشت کانٹوں سے بھر ہر سو گڑھے — ماہِ کامل کی طرح وہ سامنے
دو براہ و رات بھر کہتے چلے — آیا کھڈ بائیں طرف مڑ جایئے
بعد پھر کہتے کہ دائیں کو مڑو — سامنے کانٹے ہیں ہشیاری کرو
دن جو نکلا ہوگئے پابوس ہم — دیکھا مٹی سے تھے پاک ان کے قدم
پاؤں پر کیچڑ نہ کچھ گرد وغبار — نہ کوئی زخم و خراش سنگ و خار
مغربی کو مشرقی حق نے کیا — اور مغرب کو بنایا نور زائے
سورجوں سے تیز تر اس کی ضیا — وہ نگہباں روزِ خاص و عام کا
نورِ اعظم کیوں نہ ہوگا پاسباں — ہیں ہزاروں آفتاب اس سے عیاں
تو بھی چل ہمراہ ان کے باااماں — بچھوؤں اور اژدہوں کے درمیاں
آگے آگے جارہا ہے نورِ پاک — کرتا ہے وہ رہزنوں کو چاک چاک
حشر میں حالانکہ بڑھ جائے گا — تو خدا سے مانگ اسے بھی اس جگہ
ابر کہرے پر بھی ہے اس کی فضا — جانے بہتر دین کو اپنی خدا

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع ان ہدیوں کے جو لائے تھے واپس کردینا بلقیس کی جانب اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو ایمان لانے اور سورج پرستی کے چھوڑنے کی دعوت دینا

لوٹ جاؤ اے پشیماں قاصدو! — زر کو رکھ لو، دل ہمارے ہاتھ دو
میرا یہ زر سر پہ اُس کے رکھو — تن کی کوری خچروں پر وار دو

چاہیے خچر کو ہی زر کے کڑے
رخ کی زردی زر ہے عاشق کے لیے

کیوں کہ ہے اللہ کی اس پر نظر
اور سورج کے لیے خوش کانِ زر

ہے کہاں خورشید تاباں کی نگاہ
عقل والوں کی نظر ہے کس جگہ

جان کو اپنی سپر کرلو ابھی
ہو اگرچہ تم حراست میں مری

مرغ دانہ گو کہ ہے بالائے بام
پر کھلے ہوتے بھی ہیں بر جستہ دام

دل خوشی سے نذرِ دانہ کردیا
بن پھنسائے جال میں ہے خود پھنسا

جو نظر دانہ میں ہے اٹکی ہوئی
گانٹھ بن کر اس کے پاؤں میں پڑی

دانہ بولے گر چرائے تو نظر
لوٹ لوں گا میں قرار صبر ادھر

دل نے پھیری ہے ادھر تیری نظر
میں بھی کچھ خود سے نہیں غافل ادھر

ہے نظر تیری تعاقب میں مرے
تجھ سے میں غافل نہیں یہ جان لے

اس عطار کا قصہ کہ جس کی ترازو کا باٹ ملتانی مٹی کا تھا اور شکر تولنے کے وقت مٹی کھانے والے خریدار کا اس مٹی میں سے چوری کرنا اور عطار کا اس کو دیکھنا اوران دیکھا کر دینا

آیا اک گِل خوار پاس عطّار کے
اُس سے تا عمدہ شکر کچھ مول لے

پس تھا شاطر دو دلا
باٹ اسے مٹی کا اک ڈھیلا رہا

بولا عطار اے جواں میری شکر
کہہ نہیں سکتا ہے شیریں کس قدر

بٹ ہے مٹی کا ترازو کے لیے
مولنے کی ہے اگر خواہش تجھے

ہے کوئی حاجت جو ہوں میں قند جو
کچھ بھی ہوگا بٹ ترا وہ چھوڑ تو

بولا دل ہی دل میں وہ گِل خوار بھی
سنگ کیا شکر سے بہتر خاک ہی

جیسے وہ دلالہ بولے اے پسر
اک نئی دلہن ملی با حسن و فر

خوبرو اچھی ہے یہ اک بات بھی
پردہ دار اور بیٹی ہے حلوائی کی

بولا گر یوں ہے تو ہوگا خوب ہی
اس پہ لڑکی اس کی فربہ اور میٹھی بڑی

گر نہیں پتھر، جو بٹ مٹی کا ہے
خوب، مٹی میرے دل کا میوہ ہے

اعتماد آیا، ترازو کو لیا ۔۔۔ بٹ کی جا پر ڈھیلا مٹی کا رکھا
دوسرے پلڑے پہ رکھنے کے لیے ۔۔۔ توڑنا چاہا شکر کو ہاتھ سے
لگ گئی اُس میں تیشہ نہ تھا ۔۔۔ انتظاری میں جو گاہک کو رکھا
دیکھا گل خور رخ جو دیگر سمت تھا ۔۔۔ مٹی ڈھیلے سے چرانے لگ گیا
خوف اسے کہ آ نہ جائے ناگہاں ۔۔۔ اور نہ لے نظروں سے اس کا امتحاں
دیکھ کر عطار نے چپ سادھ لی ۔۔۔ تاکہ وہ مٹی چرائے اور بھی
میری مٹی گر چراکر کھائے گا ۔۔۔ گھاٹا اس میں خود ترا ہے کھائے جا
مجھ سے ڈر تجھ کو گدھے پن سے ترے ۔۔۔ اور تیری کم خوری کا ڈر مجھے
گو ہوں مشغول اتنا بھی احمق نہیں ۔۔۔ کہ نہ لے جائے شکر افزوں کہیں
گر شکر کو آزما کر دیکھ لے ۔۔۔ کون ہے احمق تو پالے گا اسے
ہے نگاہ مرغ دانے میں مگن ۔۔۔ دور سے دانہ ہے اس کا راہزن
گر زنائے چشم میں ہے کامیاب ۔۔۔ اپنے ہی پہلو کے کھائے تو کباب
یہ نظر بازی ہے تیرے حق میں سم ۔۔۔ شوق ہوتا ہے زیادہ صبر کم
مال دنیا کا ضعیفوں کا ہے دام ۔۔۔ ملک عقبیٰ کا شریفوں کا دام
جال گہرے ہیں بہت اس دہر کے ۔۔۔ پھانس لیتے ہیں پرند اچھے بڑے
میں سلیماں ملک کیوں چاہوں ترا ۔۔۔ تجھ کو کرنا ہے ہلاکت سے رہا
فی زمانہ تم ہو بندے ملک کے ۔۔۔ وہ ہے مالک جو ہلاکت سے بچے
تونے الٹا کر اے دنیا کے غلام ۔۔۔ کرلیا اپنا امیرِ دہر نام
تو غلامِ دہر اور قیدی ہے جاں ۔۔۔ کب تلک کہلائے آقائے جہاں

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا اور نوازنا اوران کے دل سے تکلیف اور وحشت کو دور کرنا۔ ہدیہ قبول نہ کرنے کا عذر اور اس کی ان سے تشریح کرنا

قاصدو بھیجوں گا میں بھی نامہ بر ۔۔۔ ہے قبولیت سے یہ رد خوب تر

دیکھے جو نادر کہو بلقیس سے
سونے کے جنگل کے سارے واقعے

سونے پر چالیس منزل تم چلے
کس قدر شرمندہ تم اس سے ہوئے

ہاں کہو ہم کو نہیں ہے طمعِ زر
خالقِ زر نے دیا زر کس قدر

وہ اگر چاہے سبھی خاکِ زمیں
ہوگی سونا سونا اور دُرِّ ثمیں

اس لیے اے زر پسند در یومِ دیں
حق کرے گا اِس کو چاندی کی زمیں

با ہنر ہیں ہم حریصِ زر نہیں
ہم سے زریں ہوں گے سب اہلِ زمیں

بھیک زر کی تم سے ہم لیں گے نہیں
کیمیا گر ہم بنادیں گے تمھیں

چھوڑ دو ملکِ سبا ہی وہ سہی
ہیں برونِ آب و گِل اور بھی

تخت جوں پاؤں میں کندہ کاٹھ کا
صدر کا ہے کا تو در پر ہے پڑا

اختیار اپنی ہی داڑھی پر نہیں
نیک و بد کا ہوگا تو حاکم کہیں

ہوگی بن چاہے تری داڑھی سفید
بہرِ عبرت بس یہی اے کج امید

سر جھکائے تو اگر پیشِ خدا
سو جہاں دے گا جہانِ خاک کیا

سجدہ پُر ذوق اک پیشِ خدا
تجھ کو ساری دولتوں سے ہے سوا

بٹ کے ملکوں سے کرے گا التجا
ملک سجدہ کر مقدر اے خدا

بدرگی سے بادشاہوں نے کبھی
سونگھ کر دیکھی نہ بوئے بندگی

ہوتے ورنہ جوں ادھم بیزار و دنگ
چھوڑ دیتے سلطنت کو بے درنگ

پر ثباتِ دہر کی خاطر خدا
ان کے چشم ولب پہ دیں مہریں لگا

تا انھیں اچھے لگیں یہ تخت و تاج
اور جہانداروں سے پائیں وہ خراج

ریت سا بھی جمع زر گر تو کرے
چھوڑ جانا ہے بالآخر سب تجھے

جاں کے ہمراہی نہ ہوں گے مال وزر
دے کے زر لے سرمہ تو بہرِ نظر

تنگیِ چاہِ جہاں تجھ پر کھلے
جیسے یوسفؑ تھامے رسّی ہاتھ سے

چہ سے آئے بام پر تو جاں کہے
اے خوشا لڑکے کی خوشخبری مجھے

چاہ کے اندر جو ہیں عکسِ نظر
فیض سے ان کے لگے پتھر بھی زر

کھیل میں بچوں کو وجہِ اختلال لگتے ہیں ٹکڑے خذف کے زر و مال
آخر عارف کیمیا گر ہوگئے کانِ زر کو بے حقیقت کردیے

ایک درویش کا بزرگوں کے گروہ کو خواب میں دیکھنا اور ان سے بغیر کمائی کی مشغولیت کے حلال روزی کی درخواست کرنا کہ میں عبادت کرنے سے رہ جاتا ہوں اور ان کی اس کو کڑوے اور کھٹے پہاڑی پھلوں کی جانب رہنمائی کرنا اور ان بزرگوں کی رہنمائی سے اس کے لیے ان پھلوں کا شیریں بن جانا

بولا اک درویش در بزمِ صحاب دیکھا کچھ ابدال کو دورانِ خواب
اِن سے پوچھا ہے کہاں رزقِ حلال؟ جس کے پانے میں نہ ہو کوئی وبال
وہ مجھے سوئے کہستاں لے چلے جھاڑے پھل کچھ جھاڑوں سے اس دشت کے
بولے کھا اللہ انھیں شیریں کرے ہے ہماری یہ دعا تیرے لیے
ہے حلال و پاک کھا تو بے حساب کچھ نہیں چڑھنا اترنا یا عذاب
میں نے پائی وہ زباں اس رزق سے ذوقِ گویائی سے سب حیران تھے
بولا یہ بھی فتنہ ہے ربِ جہاں اور کچھ دے جو کہ ہو سب سے نہاں
بات کھوکر پایا قلبِ پُر قرار پھٹ پڑا پھر ذوق سے مثلِ انار
بولا گر جنت میں حاصل ہو یہی جو طبیعت کو میسّر ہے خوشی
چاہوں کیا نعمت میں اس کو چھوڑ کر کاہے کو اخروٹ اور یہ نیش کر
تھے کمائی کے جو باقی دو ٹکے آستیں میں جبہ کے ہی رہ گئے

اس کا سوچنا کہ یہ سونا میں اس لکڑ ہارے کو دے دوں جب کہ میں نے بزرگوں کی کرامات سے حلال روزی پالی ہے اور اس لکڑ ہارے کا اس کے دل کی بات اور نیت سے رنجیدہ ہونا

لکڑیوں کو لے کے درویشِ دگر آیا ہے جنگل سے تھک کر ہار کر
بولا روزی سے فراغت ہوگئی رزق کی بابت نہیں اب کوئی

تلخ پھل مجھ کو جو عمدہ ہوگئے — رزق خاص اک مل تن کے لیے
چوں کہ اب فارغ ہوں اپنے پیٹ سے — نقد جو ہے کیوں نہ دے دوں میں اسے
زر یہ محنت کش کو دے دوں میں ابھی — فکر اک دو دن نہ ہوگی رزق کی
بات میرے دل کی اس نے جان لی — تھی جو اس میں نور حق کی روشنی
اس کے آگے رازِ ہر اندیشہ تھا — جوں چراغ اک اندرون شیشہ تھا
راز کس کے دل کا تھا اس سے نہاں — سب کے باطن کے مضامیں تھے عیاں
طیش میں کچھ بڑبڑایا زیرِ لب — سوچ کا میری جواب اے بوالعجب
باب میں شاہوں کے اندیشہ نہ کر — کیا کھلائے گا نہ دے وہ رزق اگر
بات اس کی میں نہ سمجھا صاف پر — اس کا غصہ کر گیا دل پر اثر
ڈال کر ایندھن کا بوجھا خاک پر — آیا مثلِ شیر مجھ پر پھاند کر
حال بوجھا پھینکنے کا دیکھ کر — لرزہ طاری ہوگیا سب جسم پر
بولا گر زندہ ہیں خاصاں اے خدا — ہے مبارک ان کا رہنا اور دعا
چاہتا ہوں کیمیائے لطف سے — بوجھا ایندھن کا زرِ خالص بنے
بوجھا سونا بن گیا اس کا تبھی — آگ سی اس میں چمک بھی آگئی
دیر تک بے ہوش اس اثنا رہا — بعدِ حیرت ہوش میں جب آگیا
بولا یارب گر ترے بندے کبار — ہیں غیور اور ان پہ شہرت ہے جو بار
پھر بنادے بوجھا ایندھن کا اسے — جیسا تھا پہلے یہ ویسا ہی بنے
بن گئیں ایندھن و زر کی ڈالیاں — عقل کو مستی فزا تھا وہ سماں
پھر اٹھایا بوجھا ہیزم کا جلا — شہر کو آگے سے میرے تیز پا
چاہا تا اس شاہ کے پیچھے چلوں — پوچھوں اس کی مشکلیں تا میں سنوں
باندھ رکھا اس کی ہیبت نے مجھے — سب کو رستہ کب ہے خاصوں تک بھلا
راستہ جو پائے سر قرباں کرے — کہ ہے یہ ممکن انہی کے لطف سے
پس غنیمت جان اس توفیق کو — ایک نعمت صحبتِ صدیق کو

نہ کہ یوں جوں ابلہ پائے قربِ شاہ اور بے زحمت بنے گم کردہ راہ
حصہ قربانی کا جب افزوں ملے ران گائے کی ملی شاید مجھے
یہ نہیں گائے کی ران اے مفتری ران وہ تیرے لیے وجہِ خری
یعنی بے رشوت ہے یہ فیضِ شہی بخشش و رحمت ہے بس اللہ کی

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو ایمان لانے کے لیے بلقیس کی ہجرت میں جلدی کرنے کی ترغیب دینا

جیسے رن میں شہ سلیمانؑ نے کیا جذبِ سے جیشِ سبا سر کرلیا
آؤ آؤ اے عزیزو زود زود آگیا ہے جوش میں دریائے جود
پھینکتا ہے سوئے ساحل بے خطر ہر گھڑی موجوں کے ہاتھوں صد گہر
طالبانِ راستی آؤ اِدھر کھولے ہیں رضواں نے جنت کے در
پھر سلیماں بولے جاؤ قاصدو دیں کی بلقیس کو ترغیب دو
بولو جاکر بالکل آجائیں تمام دعوتِ حق ہے سوئے امن وسلام
طالبِ دولت چلے آؤ شتاب بخششوں کا وقت ہے کھلتے ہیں باب
اے کہ تو طالب نہیں ہے تو بھی آ آ ز یارِ باوفا مطلوب پا
چھوڑ ادہمؒ کی طرح ملک اپنا زود آکہ تا حاصل کر ملک خلود

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ہجرت کا سبب اور خراسان کی سلطنت کو چھوڑ دینا

شہ تھے اک شب تخت پر سوئے ہوئے اور نگراں تھے سپاہی بام سے
پہرے سے مطلوبِ شہ یہ بھی نہ تھا چور، رند آنے نہ پائیں اس جگہ
تھا یقیں ان کو بھی شب کے عدل کا حادثوں کا ان کے دل میں ڈر نہ تھا
تھا مرادوں کا محافظ عدلِ شاہ باپ پر نقارچی بھی تو نہ تھا
تھا مگر مقصودِ آوازِ رباب تاکہ مشتاقوں کو یاد آئے خطاب

کوس کی آواز شہنائی کا شور — جس طرح روزِ قیامت بانگ صور
پس کہا حکما نے جو بھی سُر سنے — گردشِ افلاک سے ہم نے لیے
گردشِ افلاک سے ہے ہر صدا — نغمہ ہو یا غلغلہ طنبور کا
کہتے ہیں مومن کہ جنت کے نشاں — دلنشیں کرتے ہیں آوازِ گراں
ہم رہِ آدمؑ تھے ہم اجز بنے — نغمے یہ سب ہم نے جنت میں سنے
گرچہ آب و گل سے ہم شک میں پڑے — اب بھی کچھ پرتو ہیں باقی یاد کے
خاکِ غم میں چوں کہ ہیں آلودہ ہم — کیا مزہ دیں گے ہمیں وہ زیر و بم
گندگی پیشاب سے آلودہ آب — ہے ملاوٹ سے مزہ کتنا خراب
بول میں موجود ہے تھوڑا جو آب — آگ گل کرنے میں ہے وہ کامیاب
ہے نجس ہوکر بھی اس میں خوئے آب — آتشِ غم کو بجھاتا ہے شتاب
پس غذائے جانِ عاشق ہے سماع — کیوں کہ ہے اس میں خیالِ اجتماع
محکم اس سے ہوں خیالاتِ ضمیر — نغمگی میں ہوتے ہیں صورت پذیر
ہوتی ہے آگ عشق کی نغمہ سے تیز — جس طرح افزوں سرورِ جوز ریز

اس پیاسے کی حکایت جو اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گراتا تھا جو پانی گڑھے میں تھا اور وہ پانی تک پہنچ نہیں سکتا تھا تا کہ اخروٹ کے گرنے سے پانی کی آواز سن لے اور اس کو پانی کی آواز سننا مستی میں لاتا تھا

جھاڑ پر پیاسا تو پانی گہرا تھا — جھاڑ سے اخروٹ ٹپکا تھا رہا
جوں ہی اک اخروٹ پانی میں گرا — بلبلے اٹھنے لگے آئی صدا
بولا اک عاقل نے رہنے دے اسے — تشنہ تر خود جوز کردیں گے تجھے
گر پڑے پانی میں بہتیرے ثمر — پانی ہے پستی میں تجھ سے دور تر
دیکھا پانی میں وہ اکثر گر پڑے — لے گیا پانی، ملا بھی کچھ تجھے
جب تو بالائی سے نیچے آئے گا — گم انھیں پانی کے اندر پائے گا

جھاڑنے سے پھل نہیں مقصد مرا　　غور سے دیکھ اس کو ظاہر پر نہ جا
چاہتا ہوں تا سنوں آوازِ آب　　سطح پر پانی کی دیکھوں تا حباب
اور کیا ہے کا پیاسے کے لیے　　حوض کے اطراف پھرنا جاوداں
پھیرے حوض اور پانی کے، آوازِ آب　　طوف کعبہ سے ہے حاجی باریاب
ہے یونہی مرکز برائے مثنوی　　اے ضیاء الحق حسام الدین توہی
ہے توہی بنیاد، تجھ سے ابتدا　ق　تیری خاطر اور تجھی پر انتہا
التجا تجھ سے تری امداد سے　　تیری شفقت پر بھروسہ ہے مجھے
مثنوی کی یہ جڑیں اور ڈالیاں　　تیرے ہی پرچم کے سایے میں رواں
مثنوی کا یہ عروج، اس کا زوال　　منحصر ہے تجھ پہ، اور ہے تیرا مال
تو قبولے تو یہ پائے عزّ و جاہ　　تو ہے حاکم جاں کا، دل کا بادشاہ
جو بھی شاہاں میں قبولیں نیک و بد　　وہ قبولیں تو نہ ہوگا کچھ بھی رد
جب لگایا پودا پانی دے اسے　　جب کشائش دی گرہ بھی کھول دے
لفظ میں اظہار تیرے راز کا　　اختلاط اس میں تری آواز کا
ہے تری آواز، آوازِ خدا　　عاشق و معشوق کب ہوں گے جدا
ہے ورائے عقل و بیرونِ قیاس　　اتصال جانِ ناس و ربِّ ناس
میں نے بن مانس نہیں انساں کہا　　کون انساں مردِ عارف کے سوا
''ناس'' انساں ہے مگر انساں کہاں　　تونے دیکھا ہی نہیں انساں یہاں
مَارَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ پڑھ لیا　　پر تو اک پیکر ہے شک میں مبتلا
جس طرح بلقیس ملک تن غبی　　ترک کر بہرِ سلیمانؑ نبی
کیوں پڑھوں لاحول اپنی بات پر　　پڑھتا ہوں بدظن کے میں شبہات پر
بنتا ہے اس کے لیے میرا سخن　　باعثِ انکار و وجہِ شبہ و ظن
جبر کا لاحول سے ہے اعتراف　　سوچ تیرے دل میں ہے میرے خلاف
بات اٹکتی ہے گلے میں گر مری　　چپ ہوا میں بولتے جالب توہی

اس نے نواز کے بیان میں جس کے مقعد سے گوز نکلا اس نے بانسری زمین پر رکھ دی کہ اگر تو مجھ سے بہتر بجانا جانتی ہے تو لے

بانسری اچھی بجاتا تھا کوئی — ناگہاں اس سے ہوا خارج ہوئی
نیچے رکھ کر بانسری اس نے کہا — مجھ سے بہتر گر بجاتی ہے بجا

بے ادب کی برداشت اور نرمی اور خاطر تواضع کی راہ اختیار کرنے کا بیان

ہے ادب کیا اے مسلماں در طلب — جز کہ تاب صبر باہر بے ادب
جو بھی کرتا ہے شکایت غیر کی — کہ سرشت اچھی فلاں کی خوبری
خود جو بدخو وہ کرتا ہے گلہ — کیوں کہ وہ بدخو کو کہتا ہے برا
نیک وہ جو عزلت میں بھی — نہ کہے بد کوئی بد خوہی سہی
شیخ کا شکوہ ہے پر امر خدا — نہ ہی غصہ نے عداوت یا ہوا
یہ نہیں شکوہ، یہ ہے اصلاحِ جاں — جس طرح وہ شکوۂ پیغمبراں
امرِ حق ہے وہ گرفتِ انبیاء — ورنہ ہے برداشت کا یارا بڑا
ظلم سہ لیتے ہیں از خود حلم سے — اور گرفت ان کی ہے اللہ کے لیے
اے سلیمانؑ بیچ زاغ اور باز کے — حلمِ حق سے پیش آنا چاہیے
بلبل پر گو کے تو نوچے نہ پر — اور چکور اور باز کو براہم نہ کر
صبر تجھ سا دوسو بلقیس کدھر — رہ دکھاہے قوم میری بے خبر

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کی جانب دھمکی بھیجنا کہ شرک پر اصرار نہ کر اور ایمان لانے کے لیے وطن چھوڑنے میں تاخیر نہ کر

ڈر برے دن سے تو اے بلقیس آ — فوج عدو ہے تیری، مرقد بن جا
در اکھیڑے گا ترا خود پردہ دار — ہوگا دشمن جاں کا تیری تیرا بار

''جملہ ذرّاتِ زمین و آسماں'' — لشکرِ حق ہوں گے وقتِ امتحاں
باز کو دیکھا کیا کیا عاد سے — اور طوفاں سے کیا کیا آب نے
قہر کیا فرعون پر دریا کا تھا — اور قاروں سے زمیں نے کیا کیا
جو ابابیلوں نے ہاتھی سے کیا — کیا ہوا مچھر سے سر نمرود کا
سنگ اک داؤدؑ کا پھینکا ہوا — ہوکے پرزے مات لشکر کو کیا
سنگ برسے دشمنانِ لوطؑ پر — وہ مرے آبِ سیہ میں ڈوب کر
کیا بتاؤں یہ جماداتِ جہاں — کرتے ہیں کیوں یاریٔ پیغمبراں
مثنوی چالیس اونٹوں پر لدے — بوجھ اٹھانے سے سب عاجز آئیں گے
ہاتھ خود ہوگا گوا کفار پر — لشکرِ حق بن کے خود رکھ دے گا سر
اے خلافِ حق ترے اقوال و کار — اس کے لشکر میں گھرا ہے ہوشیار
لشکر حق ہیں سبھی اجزا ترے — گرچہ ہیں پابند تیرے حکم کے
آنکھ کو گر وہ کہے کر تنگ اسے — سو بلائیں دیکھے دردِ چشم سے
دانت سے تکلیف دینے گر کہے — اپنے دانتوں سے سزا تجھ کو ملے
کھول طب، پڑھ باب تو آزار کا — غور اعمالِ بدن پر کر ذرا
جانِ جاں ہر شے کا چوں کہ ہے وہی — جانِ جاں کب ہے آساں دشمنی
کررہا خود لشکرِ دیو و پری — کر رہا ہوں پیچ جاں کے صفدری
ترک کر بلقیس اپنے ملک کو — سب ترا ہے گر مجھے پاجائے تو
جان لے گی جب مرے پاس آئے گی — خود بس اک تصویر تھی حمام کی
نقش سلطاں ہو کہ ہو نقشِ غنی — نقش ہے محرومِ ذوق زندگی
صرف زینت از برائے دیگراں — خواہ مخواہ کھولے ہوئے چشم ودہاں
اے کہ تو ہر لمحہ جنگ و جدال — غیر ہوں کچھ بھی نہیں ان کا خیال
تو ہو جیسا بھی سمجھتا ہے یہی — تو نہیں، جو ہوں قسم اللہ کی
اک گھڑی تنہا جو خود کو پائے گا — فکر وغم میں حلق تک دھنس جائے گا

تو بس اتنا ایک یکتا ہے وہی — حسن و خوبی جملہ سرمست خودی
مرغ اپنا، صید اپنا، اپنا دام — صدر اپنا، فرش اپنا، اپنا بام
جوڑ خود قائم ہے جوہر ہے وہی — ہے عرض دراصل اس کی شاخ ہی
بیٹھ جوں آدمؑ بنی آدم ہے گر — دیکھ خود میں آئے گا سب کچھ نظر
کیا ہے خُم میں جو نہیں ہے نہر میں — کیا ہے گھر میں جو نہیں ہے شہر میں
یہ جہاں ٹھلیا ہے دل جوں نہرِ آب — یہ جہاں خانہ دل شہرِ عُجاب

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر واضح کرنا کہ تیرے ایمان کے بارے میں کوشش خالصتاً اللہ کے حکم سے ہے میری ایک ذرہ غرض نہیں ہے نہ تیرے نقش ونگار میں نہ تیرے حسن میں اور نہ تیری سلطنت میں جب تیری روح کی آنکھ اللہ کے نور سے کھلے گی تو خود جان لے گی کہ سب بے غرضی سے ہے

آ ادھر میں ہوں رسولِ دعوتی — میں ہوں شہوت کُش نہیں ہوں شہوتی
گر ہے شہوت میں ہوں قادر اس پہ بھی — حسن کا قیدی نہ شہوت کا کبھی
کام بت شکنی مرے اجداد کا — جو خلیل اللہ و جملہ انبیاء
میں اگر جاؤں کبھی درِ بتکدہ — بت مجھے سجدہ کرے در معبدہ
احمدؐ و بوجہل پہنچے بت کدے — فرق ہے دونوں کے جانے میں بڑا
یہ جو آئے سر جھکائے بت سبھی — سر جھکایا آ کے وہ جوں امّتی
یہ جہانِ شہوتی ہے بتکدہ — انبیا و کافروں کا گھونسلہ
پاک لوگوں کے لیے شہوت غلام — آگ سے کیا ہے زرِ خالص کو کام
قلب کافر اور پاکاں جیسے زر — اک کٹھالی میں ہیں یہ دونوں نفر
کھوٹا جوں داخل ہوا کالا پڑا — اور جو آیا زر چمکنے لگ گیا
جب زرِ خالص کٹھالی میں پڑا — جیسے سورج آگ پر ہنسنے لگا
جسم گویا ہم کو پردہ ہے یہاں — جیسے دریا زیرِ خس ہم ہیں نہاں

دین کا سلطان مٹّی کا نہیں — یہ سمجھ سے کارِ ابلیسِ لعیں
ڈھانپ سکتی ہے کہیں خورشید کو — ایک مٹھی خاک آخر بول تو
ڈالے مٹی راکھ جتنی چاہے پر — نور باہر اپنا لے آئے گا سر
تنکا پردہ ہوگا کیوں کر بہرِ آب — کون مٹی جو چھپائے آفتاب
جوں ادہمؒ بلقیس تو شاہانہ آ — دہر فانی کو دھواں کرکے اڑا
آ تو ابراہیمؒ کے احوال بول — سلطنت کو چھوڑنے کا حال بول

حضرت شاہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ کا بقیہ خدا ان کی روح کو تازہ کر

رات تھے شہ تخت پر سوئے ہوئے — آئیں کھٹ کھٹ کی صدائیں بام سے
چھت پہ قدموں کے پٹخنے کی صدا — بولا یہ ہمت ہوئی کس کو بھلا
کون ہے؟ کھڑکی سے دی اس نے صدا — ہوگا کوئی بھوت انساں کیوں بھلا
اجنبی لوگوں نے یوں جھک کر کہا — یوں ہی شب بھر ڈھونڈتے رہنا ہوا
ڈھونڈتے ہو کیا؟ بتائے اشتراں — بولے چھت پر اونٹ ڈھونڈو گے یہاں؟
بولے پھر تو تخت پر با عزّ و جاہ — چاہتا ہے کیوں ملاقاتِ الٰہ
اس کے بعد ان کو نہ دیکھا پھر کوئی — چھپ گئے انسانوں سے جیسے پری
باطن ان کا تھا نہاں وہ پیشِ خلق — دیکھتے ہیں لوگ کیا جز ریش دلق
خود سے اور لوگوں سے بھی جب دور تھے — مثلِ عنقا دہر میں مشہور تھے
آئی جاں سیمرغ کی جب سوئے قاب — سارا عالم تھا پُر از لاف و گزاف
پہنچا جب ملکِ سبا میں نورِ شرق — ہوگئی بلقیس میں مشغول خلق
مردہ روحیں پرکشا نکلیں ادھر — گورِ تن سے مردے باہر لائے سر
مژدہ ہر اک کی زباں پر تھا وہاں — دیکھو آتی ہے ندائے آسماں
اس ندا دیں کو سب محکم کیے — دل خوشی سے تازہ و تر ہوگئے
تھی سلیمانؑ کی صدا جوں بانگ صور — پھاڑ کر نکلے گڑے مردے قبور
نیک بختی تیرا حصہ بعد ازیں — غم گیا اللہ اعلم بالیقیں

سباوالوں کے قصہ کا بقیہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نصیحت اور رہنمائی بلقیس کی رعایا کو ہر ایک کو اس کے اور اس کے دل اور دین کی مشکلات کے مناسب اور ہر شخص کے دل کے پرند کی جنس کو اس کی جنس کے پرندوں کی آواز اور خوراک سے شکار کرنا

سن یہ مشتاقانہ ہے ذکر سبا   آئی بدلہ زار میں جس دم سبا
ہوگئے تن متصل ہنگامِ وصل   اور چلی اولاد واپس سوئے اصل
عاشقوں کی قوم گم اقوام میں   جود جیسے ہو گھرے اسقام میں
روح کی اجسام سے ذلت ہوئی   روح سے اجسام کی عزت ہوئی
عاشقو تم کو ہے سیرابی عضا   تم ہو باقی اور تمھارا حق بقا
تم اے بے فکر اٹھو عاشق بنو   بوئے یوسف آرہی ہے سونگھ لو
منطق الطیر سلیمانی تو آ   بولی ہر اک مرغ کی ہم کو سنا
جب پرندوں پر کیا فرماں روا   بولیاں ان کی سبھی سکھلادیا
مرغِ جبری کو بتا نقصانِ جبر   طائرِ بے پر کو دے تلقینِ صبر
مرغِ صابر کو تو خوش کر اور معاف   مرغ عنقا کو بتا اوصافِ قاف
کہہ کبوتر کو بچے تا باز سے   حلم وتقویٰ کا سبق بازوں کو دے
اور چمگادڑ کہ خود ہیں بے نوا   روزِ روشن سے کر ان کو آشنا
دے چکوروں کو پیامِ آشتی   کرا مرغوں کو پہچانت سحر کی
چل یونہی ہُد ہُد سے لے کر تا عقاب   رہ دکھا واللہ اعلم بالصواب

بلقیس کا ملک سے آزاد ہوجانا اور ایمان کے شوق سے اس کا مست ہوجانا اور ہجرت کے وقت تمام ملک سے بجز تخت کے اس کی باطنی توجہ کا منقطع ہوجانا

دی سلیمانؑ نے بس اک سیٹی بجا   سب پرندوں کو ہم آہنگ کرلیا
مرغ سب جز مردہ و معذورِ پر   یا کہ جیسی مچھلیاں گونگے و کر

یہ نہیں، کر بھی توجہ گر کرے
اس کو بھی وحیِ خدا شنوائی دے

شوق سے بلقیس خود آمادہ تھی
کہ تھی ماضی سے اسے شرمندگی

ترک مال و ملک یوں اس نے کیا
عاشقاں جوں ترک نام وننگ کا

سب کنیزاں، بندگاں پروردہ ناز
جن کی نظروں میں ہے سب گندہ پیاز

باغ و ایواں اور یہ آبِ رواں
عشق کی نظروں میں گویا بھٹیاں

جنگ میں ہو یا غضب میں عشق جب
عمدہ اشیاء بھی بری لگتی ہیں تب

وہ زمردہ کو بتائے گندنا
عشق کی غیرت کو ہے ہر چیز لا

لا الٰہ الاّ ہو ہے کیا یہی
یعنی کالی دیگ سا ہے چاند بھی

مال اسباب اور خزانوں سے اسے
کچھ نہیں بھایا بجز اک تخت کے

ہوگئے اس سے سلیمانؑ باخبر
دل سے دل تک ہوگئی جو رہ گزر

جو سمجھ سکتے تھے چیونٹی کی زباں
ان پہ کیوں مخفی ہوں اسرارِ جہاں

جو تھے واقف چیونٹی کے اقوال سے
اُن پہ تھے اسرار ظاہر چرخ کے

تھا رضا جو کا نہاں ان پر عیاں
ترک کرنا تخت تھا اس پر گراں

گر سبب بولوں تو قصہ ہو دراز
تخت سے کیوں عشق اتنا کیسی آز

جنسِ کاتب گو نہیں اس کا قلم
اس کا ہمدم ہے، وہ رہتے ہیں بہم

ہیں یوں ہی مانوسِ آلہ پیشہ ور
دوست پس بے جان کا ہے جانور

ہیں یوں ہی ہر پیشہ کے اوزار بھی
جاں کو بے جاں سے محبت ہے یوں ہی

میں سبب اس کا بتا دیتا تجھے
ہے تجھے یارا سمجھنے کے لیے ؟

حد سے بڑھ کر تھی جسامت تخت کی
ساتھ لانے کی کوئی صورت نہ تھی

ریزہ کاری سے کھلائی تھی کٹھن
جوں بہم پیوستہ اجزائے بدن

پس سلیمانؑ نے یہ فرمایا اخیر
ختم ہوگی وقعتِ تاج و سریر

جب فنا سے ہوگی سر افراز جان
جاں کے ہمسر کیسے ہوگی تن کی شان

قعرِ دریا سے نکل آیا گہر
خار و خس پر اب نہ جائے گی نظر

آفتاب آتا ہے جس دم بام پر
دُمِ عقرب پر نہ ٹھہرے گی نظر

ان سبھی کٹھنائیوں کے باوجود
تخت لو بلقیس کے لانا ہے زود

تا نہ ہو وہ خستہ دل وقتِ لقا
اس کی یہ طفلانہ حاجت ہو روا

ہم کو یہ آسان ہے دشوار اسے
دیو بھی ہو خوان پر اک حوروں کے

وجہِ عبرت ہوگا اس کو تخت ہی
جوں ایازی کو ہے چپل گودڑی

جان لے تا کس میں ہے وہ مبتلا
وہ کہاں سے آیا پہنچا تا کجا

خاک کو نطفہ کو مضغہ کو خدا
سامنے جیسے ہمارے رکھ دیا

دیکھ اپنی اصل خود اے بد نظر
تیرا سر جھک جائے جس کو دیکھ کر

اس زمانے میں تو عاشق اس پہ تھا
تب رہا منکر تو ان افضال کا

یہ کرم دافع ترے انکار کا
خاک ہوتے تو نے جو پہلے کیا

ہے دلیل انکار کی ہونا ترا
کرتی ہے بیمار کو بدتر دوا

خاک اور منصوبۂ کردار کیا
نطفہ کی تکرار کیا، انکار کیا

اس زماں تو بے دل و بے سر جو تھا
فکر اور انکار کا منکر جو تھا

تو جو مٹی تھا کیا انکار ہی
ہے اسی انکار پر اب حشر بھی

خواجہ کو جیسے کوئی آواز دے
وہ نہیں ہے گھر پہ خود خواجہ کہے

نہ سے مطلب ہے کالے گا داعی وہ
نہ اٹھائے حلقہ سے وہ ہاتھ کو

پس یہ ظاہر ہے ترے انکار سے
خاک سے وے حشر سو طرح کرے

اک ترا انکار اور انجام کیا!
یعنی لا شے سے تو کیا کچھ ہوگیا

منحرف انکار کے وہ خاک و آب
کیا نہیں تم کو خبر آئے خطاب؟

میں کروں توضیح گو سو طرح سے
ڈر ہے باریکی سے لغزش کا مجھے

پس اسی پر ختم کرنا ہے مجھے
تخت لانا ہے سبا کے ملک سے

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تدبیر کرنا بلقیس کے تخت کو حاضر کرنے کے لیے بلقیس کے آنے سے پہلے

پس سلیمانؑ نے یہ لشکر سے کہا تخت ابھی لائے کوئی بلقیس کا
پس کہا عفریت نے تخت اس جگہ ختمِ مجلس سے بھی پہلے لاؤں گا
بولا آصف اسم اعظم سے مگر لمحہ بھر میں اس کو لاؤں گا اِدھر
گرچہ ماہر سحر کا عفریت تھا پھونک سے آصف کی وہ حاضر ہوا
تختِ بلقیس یوں جو ظاہر ہوگیا کارِ آصف تھا، نہ تھا عفریت کا
شکرِ حق کرکے سلیمانؑ نے کہا ایسی صدہا نعمتیں پاتا رہا
پس سلیمانؑ اک نظر دیکھے اسے بولے کتنے ابلہ پھندے میں ترے
لکڑی پتھر کو منقش دیکھ کر کتنے احمق سجدے میں رکھتے ہیں سر
ساجد و مسجود روح سے بے خبر کوئی حرکت دیکھی یا دیکھا اثر؟
دیکھ کر جس وقت حیرت میں پڑے بات کی بت نے، اشارے کچھ کیے؟
بازی بے ہنگام خدمت کی بدی شیرِ سنگی اس کو تھا شیرِ شقی
مہربانی تھی حقیقی شیر کی پیش سگ ہڈی جو فوراً ڈال دی

حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جب کہ دودھ چھڑانے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گم کردیا تھا اور لڑنا اور بتوں کو سجدہ کرنا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی بڑائی پر گواہی دینا

قصہ کرتا ہوں حلیمہؓ کا بیاں تا مٹائے غم ترا یہ داستاں
جب چھڑایا دودھ اس نے آپؐ کا جوں گل و ریحاں ہتھیلی پر رکھا
نیک و بد سے دور رکھی ہر زماں تاکہ پہنچائے انھیں دادا کے ہاں
ڈرتے ڈرتے ساتھ لے آئیں انھیں اور جب پہنچی حطیمِ کعبہ میں

اک صدا گونجی ہوا میں اے حطیم — تجھ پہ رخشاں ہوگیا سورج عظیم
اے حطیم آئیں گے تجھ پر آج زود — نور لاکھوں ہمرہ خورشیدِ جود
اے حطیم آتا ہے تیرے ہاں درخت — وشہنشہ پیش رو ہے جس کی بخت
اصفیا کے جتھے جتھے ، جوق جوق — ہر طرف سے آئیں گے سب مست شوق
وجہ حیرت بن گئی ان کو صدا — پیش و پس کوئی نظر آتا نہ تھا
شش صورت بنا صرف اک ندا — جان اس آواز پر پیہم خدا
گود سے اپنی اتارا آپؐ کو — تا کرے اس بانگِ خوش کی جستجو
پھیرتی تھیں وہ نظر کو چار سو — تا کہ دیکھے کون ہے اسرار گو
دائیں بائیں ہے بلند ایک ہی صدا — آرہی کون ہے بانگی خدا
کچھ نہ پائیں ہوگئیں وہ نا امید — جسم میں لرزش تھی مثلِ شاخِ بید
آئیں بچہ کی طرف جب لوٹ کر — مصطفیٰ اس جا نہیں آئے نظر
وقفِ حیرت ہوگئیں وہ سر بسر — چھاگئیں تاریکیاں ماحول پر
پھر گھروں کی سمت دوڑی چیختی — کس نے لوٹا میرا موتی لٹ گئی
اہلِ مکہ بولے ہم کو کیا خبر — ہم نہ جانے یہ بھی بچہ ہے اُدھر
اشک کے دھارے چلے فریاد کی — اشک ریزی سننے والوں نے بھی کی
پیٹ کر سینے کو یوں گریاں ہوئی — رو پڑے خود دیکھنے والے سبھی

اس بوڑھے عرب کی حکایت جس نے حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بتوں سے مدد مانگنے کی طرف رہنمائی کی

بوڑھا اک پہنچا وہاں لے کر عصا — پوچھا تجھ کو اے حلیمہ کیا ہوا
دل سے بھڑکائی جو آتش اس قدر — تیرے غم میں جل اٹھے سب کے جگر
میں کہ ہوں احمدؐ کی دایہ معتمد — آپ کو لائی کہ پہنچاؤں بجدّ
میں حطیمِ کعبہ میں لائی اسے — اک صدا پیہم سنائی دے مجھے

جب سنی موج سے وہ صدا   نکلی بچہ کو بٹھاکر اس جگہ
جان لوں تا کہ صدا یہ کس نے دی   تھی لطافت اس میں اور زور شبھی
کوئی بھی انساں نظر آتا نہ تھا   اور نہ رکتی تھی کسی دم وہ صدا
دل کی حیرت سے چھٹکارا ملا   ہائے بچے کو نہ پائی اس جگہ
بولا پیر اس طفل کا تو غم نہ کھا   آ بتا دوں میں پتہ اک شاہ کا
وہ بتائے تجھ کو ہے کیا حالِ طفل   ہے کہاں اور کیا ہے تازہ حالِ طفل
پس حلیمہ نے کہا یہ جاں فدا   تجھ پہ میرے پیرِ خوب و خوشنوا
ہاں بتاؤ مجھ کو وہ صاحب نظر   میرے بچے کی جو رکھتا ہے خبر
پیش عزّیٰ لاکے بولا اے صنم   غیب دانی میں یہ بت ہے مغتنم
گم شدہ لاکھوں کی دی اس نے خبر   پاس اس کے ہم جو پہنچے دوڑ کر
بوڑھے نے سجدہ بجا لا کہا   اے خداوندِ عرب بحرِ سخا
بولا عزّیٰ ہیں بہت تیرے کرم   کتنے پھندوں سے رہے ہیں بچ کے ہم
ہیں ممنون ترے اکرام کے   فرض ہے ہوں سب عرب بندے ترے
یہ حلیمہ سعیدہ امید سے   آئی ہے سایہ میں تیری بید کے
اس نے اک چھوٹا سا بچہ کھودیا   ہے محمد نامِ پاک اس طفل کا
جوں ہی نام اس نے محمد کا لیا   بہرِ سجدہ سب بتوں کا سر جھکا
بولے بوڑھے ڈھونڈتا ہے کس جا   ہم کو معزول اس محمد نے کیا
اس کے باعث ہم ہیں اوندھے سنگسار   اس سے بے رونق ہوئے اور کم عیار
جو عجوبے ہم سنے سب دیکھا کیے   دو نبی کے درمیانی دور کے
ہوں گے شب مفقود جب وہ آئے گا   آب ہو تو ہو تیمّم نا روا
دور ہو بوڑھے تو فتنہ مت مچا   ہم کو رشکِ احمدی سے مت جلا
بوڑھے ہم سے دور ہو بہرِ خدا   آتش تقدیر سے جا مت جلا
اژدہے کی دم کھندلنے کو نہ جا   ہے خبر انجام ہوگا اس کا کیا

اس خبر سے خستہ دلِ دریا و کاں / ہوں گے لرزاں اس خبر سے آسماں
پتھروں نے جب سنایا یہ سخن / بے عصا خود ہوگیا پیرِ کہن
جسم لرزاں خوف سے آواز کے / دانت بھی اس پیر کے بجنے لگے
جس طرح سرما میں اک ننگے کا حال / کانپتا جسم اور ہلاکت کا خیال
دیکھا جب اس میں اس پیرکو / بھول بیٹھی زن وہ ہر تدبیر کو
بولی صاحب مجھ پہ یہ آفت پڑی / پر ہے حیرانی پہ یہ حیرت بڑی
وعظ کرتی ہیں ہوائیں گر کبھی / اور سکھاتے ہیں ادب پتھر کبھی
بات لفظوں میں کرتا ہے ہوا / سنگ و کہ بتلاتے ہیں ہے پاس کیا
لے گئے بچے کو گاہے غیبیاں / گاہے غیبی سبز پوشِ آسماں
ہو گلہ کس کا دہائی کس کو دوں / ہے پریشانی بڑی سودائی ہوں
شرح سے غیرت نے اس کی چپ کیا / بس یہی کہتی ہوں بچہ کھوگیا
حال یہ ہے کہ اگر کچھ بھی کہوں / لوگ بولیں گے کہ ہوں صیدِ جنوں
بولا بوڑھا اے حلیمہؓ کر خوشی / شکر حق کر، بند کر زاری تری
تو نہ کر غم وہ کہاں کھوجائے گا / بلکہ اس میں گم جہاں ہوجائے گا
رشک سے غیرت سے گھیرے ہر زماں / ہیں سپاہی لاکھوں اس کے پاسباں
کیا نہ دیکھا وہ بتانِ ذو فنوں / ہوگئے کیوں نام سن کر سرنگوں
ہے عجب یہ قرن برائے زمیں / عمر گزری پر نہ دیکھا یہ کبھی
اس نبیؐ سے سنگ ہیں نالہ سرا / مجرموں پر کیا نہ گزرے گی بھلا
ہے خدا بننے میں پتھر بے قصور / بندہ ہونے تو چلا اس کے حضور
جب کہ ہے مجبور ترساں اس قدر / بندشیں مجرم پہ ہوں گی کس قدر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سعدیہ کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گم کردینے کی خبر ملنا اوران کا شہر کے چاروں طرف ڈھونڈنا اور کعبہ کے دروازے پر رونا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا اور کعبہ کے اندر سے آواز کا سننا اوران کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پالینا

جب ہوئے آگاہ جدِّ مصطفیٰؐ
کہ حلیمہؓ ہے فغاں میں مبتلا
اتنی آوازِ بلندِ ہو و ہا
گونجتی تھی میل تک جس کی صدا
زود عبد مطلب نے پالیا
سینہ پیٹا اور کی آہ و بکا
آئے نالاں آستانِ کعبہ پر
بولے تو ہر راز سے ہے باخبر
ہے بھلا مجھ میں ہنر ایسا کہاں
تا تجھ ایسے کا بنوں میں رازداں
یا نگوں ساری مری قسمت بنے
یا مرے اشکوں سے قسمت جاگ اٹھے
ماتھے پر رکھتا ہے وہ درِّ یتیم
سب ترے آثارِ رحمت اے کریم
وہ نہیں ہم جیسا، ہم سے ہے بجا
ہم سبھی تانبا ہیں وہ ہیں کیمیا
جو عجائب اس میں دیکھے ہیں کہیں
دوست دشمن میں نظر آتے نہیں
فضل جو طفلی میں ہے اس پر ترا
سو برس کوشش پہ بھی کس کو ملا
ہے یقیں لطف اس پہ تیرا دیکھ کر
وہ ترے دریا کا ہے نادر گہر
اس کو لایا ہوں وسیلے کے لیے
حال اس کا حال داں بتلا مجھے
کعبہ کے اندر سے زود آئی صدا
ٹھہر وہ خود تیرے آگے آئے گا
اپنے ہاں اقبال سے محفوظ ہے
نوریوں میں گھر کے وہ محفوظ ہے
ہوگا ظاہر اس کا مشہورِ جہاں
اس کے باطن کو رکھیں گے ہم نہاں
آب و گِل زر، کام اپنا زرگری
ہم سے ہی پازیب یا انگشتری
ہم اسے تلوار کا تسمہ کریں
شیر کی گردن کا پٹہ گہ کریں
گاہے اس سے تختِ شاہی کو سجائیں
گہ اسے تاجِ سرِ شاہاں بنائیں

پیار ہے اس خاک سے ہم کو بڑا کہ ہے معرض اس کا تسلیم و رضا
گاہ اس سے ایسا شہ پیدا کریں کہ اسے بھی شاہ پر شیدا کریں
عاشق و معشوق اس سے صد ہزار جستجو میں اس کی نالاں زار زار
بے خبر وہ کام ہم کرتے رہے ذوق کیا اس کو ہمارے کام سے
یہ فضیلت خاک کو دی اس لیے رکھی نعمت مفلسوں کے سامنے
ہے غبار آلودہ صورت خاک کی پر ہے اندر اس کے جوہر انوری
ظاہر و باطن مخالف سر بسر سنگ ظاہر میں ہے باطن میں گہر
کہتا ہے ظاہر کہ ہم ایسے ہیں بس بولے باطن دیکھ اچھا پیش و پس
بولے ظاہر ہم سے باطن کب ہے غیر بولے باطن تجھ کو بتلاتے ہیں ٹھیر
جنگ میں ہیں ظاہر و باطن سدا ہے نتیجہ فتح آخر صبر کا
خاک بد رو سے بنائیں صورتیں خندہ پنہاں کو تا ظاہر کریں
دیکھنے میں خاک ہے غم کا شکار اس کے باطن میں ہیں خوشیاں بے شمار
کاشفِ اسرار ہم اپنے یہ کار کرتے ہیں مجوبوں کو ہم آشکار
جس حقیقت کو چھپائے دزد سے کرتا ہے کوتوالی ظاہر جبر سے
مٹیوں نے ہیں چھپائیں بخششیں ہم اگلوائیں گے بالآخر انھیں
کیسے کیسے اس کے ہوتے ہیں پسر ہے فضیلت میں محمد سا کدھر
شاد و خنداں ہیں بہت ارض و سما شاہ ایسا ہم سے جو پیدا ہوا
تھی زمیں جوں آسماں وجہِ خوشی خاک آزادی سے جوں سوسن بنی
ظاہر و باطن میں مٹی کے سدا کشمکش ایسی کہ عالم جنگ کا
جس کے باطن میں برائے حق ہے جنگ تا ہو معنی میں نہ کوئی بو نہ رنگ
اس کی ظلمت نور سے محوِ قتال مہر جاں اس کا نہ دیکھے گا زوال
جو ہماری راہ میں دے امتحاں اس کے زیرِ پا رکھے پشت آسماں
تیرگی سے تیرا ظاہر پُر فغاں تیرا باطن گلستاں در گلستاں

مثلِ صوفی بالارادہ تند خو
تا کہ رکھے دور عدوئے نور کو

جیسے ساہی عارفانِ تند خو
عیش میں اوڑھے ردائے عار کو

پھول پنہاں باغ میں کانٹا عیاں
تا نہ پہنچے چور موتی تک وہاں

ساہی کانٹوں کو بنائے ہے تو ڈھال
سر چھپا رکھا ہے صوفی کی مثال

تا کہ مانع کوئی لذت میں نہ آئے
خار خو گلچہرہ پاس آنے نہ پائے

تیرے بچنے سے ہے گو بچپن عیاں
ہے طفیل اس کے وجودِ دوجہاں

اس کی خاطر ہم نے دی دنیا کو جاں
رکھ دیا خدمت کو اس کی آسماں

عبدالمطلب کا آنحضور صلی اللہ علیہ سلم کی جگہ کے بارے میں پتہ معلوم کرنا کہ ان کو میں کہاں پاؤں گا اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا اور پتہ معلوم ہونا

پوچھے عبدالمطلب اب ہے کہاں
واقفِ اسرار دے اس کا نشاں

آئی اک آواز کعبہ سے اسے
ڈھونڈنے والے اے طفلِ نیک کے

غم نہ کھا اس کا تو یاتف نے کہا
لے دکھاتا ہوں نشاں اس شاہ کا

ہے فلاں وادی میں وہ زیرِ درخت
پس چلے فوراً وہ پیرِ نیک بخت

ان کے ہمرہ تھے امیرانِ قریش
کیوں کہ تھے وہ بھی زاعیانِ قریش

تا بہ پشت آدم اسلام آپ کے
رزم ہو یا بزم سب سردار تھے

کیا نسب خود شان ارفع آپ کی
برگزیدہ تر شہنشاہوں سے بھی

وہ بذاتِ خود نسب سے پاک تر
ہمسر اس کا نے زمیں نے چرخ پر

نور حق کی زاد کیسی بود کیا
خلعت حق کو یہ تار و پود کیا

ادنیٰ خلعت وہ جو دے راہِ ثواب
نقش ویسا کیسے لائے آفتاب

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو ایمان کی دعوت دینے کا بقیہ قصہ

ملک یزداں دیکھ آ بلقیس ادھر
آ لبِ دریا سے حاصل کر گہر

تیری نہیں ہے فرازِ چرخ پر
سلطنت زمیں تیری ادھر

بخششیں ہیں تیری بہنوں پر بڑی — نعمتیں دیں شہ نے کیا دیکھی کبھی
اٹھ کے بحرِ جود میں بلقیس آ — سود بے سرمایہ لیتی جا تو آ
تیری بہنیں ہیں بصد عیش و طرب — خوب کیوں تیرے لیے رنج و تعب
نیک بختی کر ادھر حاصل تو آ — چھوڑ گھِن کھا کہ وہ ملک سبا
طبل زن شادی میں مثلِ گدا — کہ ہوں بھٹی کی رئیس و بادشاہ

انسان کے دنیا میں قانع ہونے اور دنیا کی طلب میں اس کی حرص اور روحانیوں کی دولت سے اس کی غفلت کی مثال جو روحانی اس جیسے ہیں اور نعرہ لگا رہے ہیں کہ کاش میری قوم جان لیتی

دیکھا نابینا گدا کو سگ کوئی — اس پہ جھپٹا اور گدڑی پھاڑ دی
کہہ چکے پہلے سنو بارِ دگر — اس کو دہراتے ہیں تاکیداً اِدھر
بولا اندھا اس کو تیرے یار سب — صید گیری میں پہاڑی پر ہیں اب
گورخر کا کر رہے ہیں وہ شکار — اور گلی میں تیرا اک اندھے پر وار
ترک یہ فکر اے شیخِ نفور — درمیاں اندھوں کے تو جوں آبِ شور
یہ مریاں میرے اور میں آبِ شور — مجھ سے پی پی کر وہ ہوجائیں گے کور
فیضِ حق سے کر اسے آب زلال — آبِ بد کا دام اندھوں پر نہ ڈال
شیرِ حق دیکھ اور پکڑ جا گور خر — مکر سے گرتا ہے کیوں تو کور پر
گور کیا جز یار ہیں وہ سب سے دور — جملہ شیر و شیر گیر دستِ نور
صید اور صیّادیِ شہ دیکھیے — چھوڑی صدی عاشقی میں کھوگئے
مرغِ مردہ سا انھیں پھانسا وہ یار — جنس کو ان کی کرے تا وہ شکار
مرغِ مردہ اس کے ہاتھوں مضمحل — وہ کہا دو انگلیوں کے بیچ دل
جس کسی نے دیکھا وہ مردہ شکار — ہوگیا از خود شکارِ شہریار
مرغِ مردہ سے جو کترا کے چلا — ہاتھ چھو پایا نہیں صیاد کا

بولے میرے مرد ہونے پر نہ جا — دیکھ مجھ سے پیار میرے یار کا
شہ کا مارا مردہ ہوتا ہے کہیں — شکل سے ہوں مردہ پر مردہ نہیں
پہلے جنبش کو تھے میرے بال و پر — اب ہلائے مجھ کو دستِ داد گر
جنبشِ فانی ہوئی گم پوست سے — اس نے دے دی جنبش باقی مجھے
جس سے بھی دیکھا غلط حرکت کوئی — مارا اس کو کوئی عنقا ہی سہی
تو جو زندہ ہے نہ کہہ مردے مجھے — بندہ تو ہوں دیکھ کف میں شاہ کے
عیسیٰؑ مردوں کو جو زندہ کرتے ہیں — خالقِ عیسیٰ کے ہاتھوں میں ہوں میں
قبضۂ حق میں ہوں مردہ کیوں ہوا — جب نہیں رکھتے اسے عیسیٰؑ روا
ہوں وہ عیسیٰؑ مجھ سے جو پاتا ہے جاں — پھونک سے میری رہے گا جاوداں
جس کو عیسیٰؑ نے چلایا وہ مرا — جس کو اس عیسیٰؑ نے دی جاں مرحبا
اپنے موسیٰ کے میں ہاتھوں کا عصا — میں عیاں ہوں اور نہاں موسیٰؑ مرا
پل مسلمانوں کو دریا پر جوں ہوں — سامنے فرعون کے اژدر بنوں
لاٹھی یہ اے جانِ من تنہا نہیں — ہے بغیرِ دستِ حق لاٹھی کہیں؟
تھا عصا ہی موجِ طوفانِ بلا — ساحروں کے زور کو جو ڈھادیا
دشمنانِ ہودؑ کو تھا باد عصا — جو دھواں کر ڈالا باقی عاد کا
تھا سرِ نمرود کو مچھر عصا — گرد جس نے مغز کو اس کے کیا
گر گناؤں میں خدا کی لاٹھیاں — چاک ہوگا پردۂ فرعونیا
گھاس یہ میٹھی ہے زہریلی مگر — چھوڑ چرلیں چرتے ہیں کچھ دن اگر
جاہ جو ہوں گے نہ گر فرعون سے — پرورش دوزخ کی کیوں کر ہوسکے
مار انھیں قصاب بعد از فربہی — بھوکے ہیں کتّے جہنم میں سبھی
گر نہ ہوتے خصم و دشمن در جہاں — زندہ رہتا لوگوں میں غصہ کہاں
غصہ دوزخ سے بلا دشمن عیاں — مر رہے دیکھے جو نورِ مومناں
لطف ہی ہوتا جو بے قہر و بدی — کیا مکمل ہوتی پھر شاہی کبھی

منکروں نے خوب اڑائی ہے ہنسی — جب یہ اہلِ کر نے یہ تمثیل دی
تو بھی گر چاہے مذاق اس کا اڑا — کب تلک مردار یہ جینا ترا
عجز میں اے دوستو تم خوش رہو — وا ہے در تمھارے حق میں لو
ہر ضرورت کی ہے اک کیاری دگر — باغ میں موجود ہیں لہسن گبر
اپنی اپنی جنس کے ہمرہ سبھی — سب ہیں نم خواہ بہرِ پختگی
تو ہے جنسِ زعفرانی زعفراں — جا نہ بہر دوستیِ دیگراں
پی کے پانی زعفراں پک جا ذرا — زعفرانی تا کرے حلوا مرا
کیاری میں شلغم گئے منہ نہ ڈال — ہو نہ جائے تاکہ وہ تیری مثال
تیری کیاری ہے دگر اس کی دگر — ہے وسیع کافی زمینِ داد گر
ہے زمیں خاص کر وسعت بڑی — جس میں گم وقت سفر دیو و پری
آہ وہ بحر و بیابان و جبال — بھول جاتے ہیں وہم وخیال
یہ بیاباں ان سبھوں کے روبرو — جیسے بحر و بر کے آگے تارِ مو
پانی ساکت اس کی حرکت ہے نہاں — تازہ تر ہے بہتی ندیوں سے یہاں
اپنے باطن میں وہ جیسے جاں رواں — اس کے سر اور پیر دونوں ہیں نہاں
سننے والے سو گئے کر مختصر — بس خطیب اب نقش پانی پر نہ کر

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کی دعوت کا بقیہ حصہ کہ فرصت غنیمت ہے

اٹھ نکل بلقیس ہے بازار تیز — ان خسیسوں سے تو خود کر لے گریز
تو ابھی مختار ہے بلقیس آ — جانے کیا کب ہوگا غلبہ موت کا
ناز بلقیس اپنے رتبہ پر نہ کر — چاہیے تجھ کو نیاز جائے پر
جا نہ جھگڑے کے لیے تو موت سے — لے چلے گی کان تیرے کھینچتے
موت یوں کھینچے گی تجھ کو کان سے — کان جوں کتوال کھینچے چور کے
اب گدھوں سے نعل کی چوری نہ کر — چور اگر ہے جا چرا لعل و گہر

تیری بہنیں پائیں ملکِ جاوداں ملک تیرا تار اندھوں کا جہاں
مرحبا جاں سلطنت جو چھوڑ دے سلطنت ہوتی ہے ویراں موت سے
اٹھ کے اے بلقیس تو دیکھ آ ابھی حکمرانی یہ شہانِ دین کی
باطناً ہے وہ میانِ گلستاں ظاہراً کانٹا میان دوستاں
گلستاں وہ ساتھ ساتھ اس کے رواں آنکھ سے مخلوق کی لیکن نہاں
پھل ترس کر بولے مجھ کو کھایئے آبِ حیواں بولے پینے آیئے
کر طواف آسماں بے پرو بال جیسے مہر و ماہِ کامل اور ہلال
تو چلے مانند جاں پاؤں بنا بن چبائے کھائے تو صدہا غذا
تیری کشتی کو نہیں خوف نہنگ اور نہ تیرا مردہ ہوگا وجہِ ننگ
گو کہ تو ہے ایک ملکہ بخت ور بخت الگ ہے، وہ بگڑ جائے اگر
تو رہی مثلِ گدایاں بے نواں بن توہی دولت بخود اے مجتبیٰ
اپنی قسمت آپ جب ہے معنوی خود سے قسمت آپ کیوں کھو جائے گی
خود سے گم کیوں ہوگی تو اے خوش خصال کیوں کہ خود ہستی تری ہے ملک مال

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصیٰ کو حکمتوں کی وجہ سے خدا کی تعلیم اور وحی کے ذریعہ تعمیر کرنے کا بقیہ قصہ اور فرشتوں اور جنوں اور پریوں کی مدد

بعد ازاں آئی وہاں آوازِ تخت اور سنے اس کو سلیماںؑ نیک بخت
اے سلیماںؑ مسجدِ اقصیٰ بنا بندگی کو آیا دل بلقیس کا
آپ نے بنیاد مسجد کی رکھی کام جو جن آئے اور انسان بھی
اک گروہ پر شوق بے رغبت دگر بندگی میں جیسے اک جمعیت دگر
خلق دیو اور ان کی بیڑی شہوتیں کھوئے رہتے ہیں سبھی بیوپار میں
ڈر کی بیڑی یا ہے بیڑی عشق کی پس نہیں بیڑی بن ان میں کوئی
خوف ہی ان کو سبھی بند و کمند ہر کسی کے واسطے پوشیدہ بند

کسب و صیادی کرائے یہ اُسے
اور رکھے وابستہ کان و بحر سے

کھینچ کر لے جائے سوئے نیک و بد
بولے حق فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ الْمَسَدْ

ڈالیں ان کی گردنوں میں رسیاں
رسیاں و ان کی بد اخلاقیاں

نیک یا بد کب ہے خلقت میں کوئی
ہے عمل نامہ گلے میں اس کا ہی

آگ ہے تیرے لیے حرص بدی
رنگِ آتش رکھتی ہے چنگاری بھی

آگ میں کوئلہ کی کالک ہے نہاں
ہوگی کالک آگ بجھنے پر عیاں

حرص بجھنے پر ہے انگارا سیاہ
حرص بجھنے پر ہوا کوئلہ تباہ

کوئلہ جس وقت انگارا بنا
کارنامہ تھا وہ نار حرص کا

حرص کر دکھلائے خوب اعمال کو
سب غلط بعد از ہوا پائے گا تو

کچے انگوراں سجائے غول نے
پکّے لگتے ہیں وہ احمق کے لیے

آزمائش سے حقیقت کھل سکے
دانت کھٹے ہوں گے ان کے کھانے سے

دام کو دانہ سمجھایا حرص نے
دام خود تھا حرص کا سایہ تجھے

حرص کارِ دین و نیکی میں بھلی
حرص کی تکمیل پر بھی ہو خوشی

خوب از خوب ہے بےعکسِ غیر
حرص مٹنے پر بھی ہوگی تاب خیر

کارِ دنیا کی ہوس یہ مٹ گئی
رہ گیا کوئلہ جو چنگاری بجھی

حرص بچے کریں بیہودہ کار
ہوتے ہیں وہ شوق میں دامن سوار

حرصِ بد مٹ جاتی ہے بچوں کی جب
دوسرے بچوں پہ خود ہنستے ہیں تب

کیا کیا، مجھ کو نظر آیا یہ کیا
سرکہ مجھ کو شہد کیوں دِکھنے لگا

انبیا کو حرص عمارت کی نہ تھی
رونق ان کی اس لیے بڑھتی چلی

یوں تو شرفا نے بنائیں مسجدیں
مسجدِ اقصیٰ نہیں کہتے انھیں

کعبہ جس کی عزت افزوں روز و شب
ہے براہیمی خلوص اس کے لیے

وجہِ عزت کچھ نہیں یہ خشت و سنگ
کیوں کہ بانی اس کا ہے بےحرص و جنگ

سب کتابوں سے کتاب ان کی دگر
کاروبار ان کے نہ مسجد اور نہ گھر

جانے کیا تہدید، عذاب و اشتعال
کیسی غفلت، کیا قیاس اور کیا مقال
ہیں عطائیں حق سے رتبہ میں انھیں
شوکتیں لاکھوں ہزاروں عزتیں
ہر کسی کی ان میں ہے یک شاں دگر
رکھتے ہیں پر ان کے مرغِ جاں دگر
کر نہیں سکتے بیاں ہم ان کا حال
ان کا ہر اک کام ہے ہم کو مثال
ہیں سنہرے انڈے ان کے مرغ کے
ہے سحر گہ آدھی ان کے لیے
جس قدر تعریف میں ان کی کروں
ہوگئی ناقص، نقص گو بن کر رہوں
مسجدِ اقصیٰ بناؤ اے کرام
آگئے اب پھر سلیمانؑ والسلام
بھوت پریاں گر کریں گے سرکشی
تو سزا پائیں فرشوں سے سبھی
بن سلیمانؑ دیو اور پریاں تجھے
لاکے دیں گے سنگ ایواں کے لیے
تو سلیمانؑ بن ترے دیو و پری
تا کریں تعمیل تیرے حکم کی
ہے انگوٹھی تیرا دل ہی ہوشیار
کر نہ پائے دیوتا اس کا شکار
پھر کرے گا وہ سلیمانی مدام
دیو اور خاتم تو حذر کر والسلام
یہ سلیمانی یونہی جاری رہے
فاش و پنہاں تو سلیمانی کرے
جن سلیمانی کرے بھی گر کہیں
ہر کوئی اطلس بنا سکتا نہیں
ہاتھ دونوں ہی ہلاتے ہیں بجا
فرق ان دونوں میں ہے کتنا بڑا
اس بیاں میں سن حدیثِ معنوی
پیش ہے یہ قصہ اندر مثنوی

شاعر کا قصہ اور شاہ کا اس کو عطیہ دینا اور وزیر حسن نامی شخص کا اس کو دوگنا کر دینا

شعر اک شاعر سنایا پیش شاہ
تھی امیدِ خلعت و اکرام شاہ
شہ نے فرمایا کیے جائیں نثار
خلعت، انعام، اشرفی ساتھ اک ہزار
شہ سے دیواں نے کہا یہ کم ہوئے
دو اسے دس گنا تا وہ بڑھ چلے
وہ ہے شاعر، آپ ہیں بحرِ کرم
دس ہزار انعام بھی ہے اس کو کم
شہ کو سمجھایا، بیاں قصہ کیا
مالِ پس ماندہ، کا اک دسواں کہا

دس ہزار انعام پر خلعت سزا   سر ثنا و شکر کا گھر بن گیا
سوچا بھی کس کی یہ سب کوشش رہی   کیوں کھلی شہ پر یہ اہلیت مری
بولے اس کو وہ گلاں جو ہے وزیر   ہے حسن نام اس کا و صافی ضمیر
پس ثنا میں اک قصیدہ لکھ دیا   اور واپس اپنے گھر چلتا بنا
بے زباں و بخشش شاہ کو سبھی   کر رہی تھیں ساری مدحت شاہ کی

چندسال کے بعد شاعر کا واپس آنا اسی عطیہ کی امید پر اور باشاہ کا اپنی بات کے مطابق ایک ہزار اشرفیوں کا حکم دینا اور دوسرے وزیر کا بادشاہ سے کہنا جو پہلے وزیر کے مرنے کے بعد مقرر کیا گیا تھا اور اس کا نام بھی حسن ہی تھا کہ یہ عطیہ بہت زیادہ ہے اور ہمیں بہت خرچ درپیش ہیں اور خزانہ خالی ہے میں اس کو دسویں حصہ پر راضی کروں گا

بعد کچھ برسوں کے شاعر فقر سے   ہوگیا محتاج کھانے کے لیے
بولا وقتِ تنگدستی ہے مجھے   جستجو جانے ہوئے کی چاہیے
در وہ دیکھے ہیں جہاں جود و سخا   اپنی یہ حاجت وہیں لے جاؤں گا
سیبو یہ بولے کہیں اللہ اسے   وقت حاجت ہم پکاریں گے جسے
وقتِ حاجت ہم چلے تیرے یہاں   جو بھی چاہا ہم نے پایا تیرے ہاں
لاکھوں عاقل درد دکھ میں ہر کبھی   ڈھونڈتے ہیں اس سخی یکتا کو ہی
کرتا ہے بیہودہ دیوانہ کوئی   عاجز اور کنجوس سے گریہ گری
گر نہ دیکھے ہوئے پہلے بار ہا   عاقل اس پر جان کب کرتے فدا
بلکہ دریاؤں کی ساری مچھلیاں   سب پرندے در فضائے آسماں
بلکہ دریاؤں کی ہر موجِ رواں   اپنا ذوق و شوق کرتی ہیں عیاں
شیر، ہاتھی، بھیڑیے اور سب شکار   موٹے موٹے اژدہے اور مور و مار
بلکہ یہ مٹی ہوا، آب و شرار   فیض یاب اس سے خزاں ہو یا بہار

کرتے ہیں اس کی خوشامد آسماں
اک گھڑی مجھ کو نہ چھوڑ اے مہرباں

کام ہے حفظ و حمایت خود تری
لپٹی ہے ہر شے ترے ہاتھوں سے ہی

یہ زمیں بولے مجھے رکھ برقرار
اے کہ پانی پر کیا مجھ کو سوار

ہر نبی نے اس سے لائی ہے برات
مانگو امداد اس سے با صبر و صلوٰۃ

مانگو اس سے غیر کیا دے گا بھلا
بحر ہے پانی کو جوئے خشک کیا

غیر سے مانگیں گے گر دے گا وہی
اس کو دینے کے لیے دے گا وہی

زر سے معرض کو بھی جو قاروں کرے
کیا نہ دے گا تجھ کو گر اس کا بنے

پھر وہی شاعر بامیدِ عطا
شاہِ محسن کی طرف رخ کر چلا

شعر تازہ ہدیہ شاعر کا ہے بس
پیشِ محسن لا کے رکھ دیتا ہے بس

محسناں بہرِ عطا سونا لیے
منتظر رہتے ہیں شعرا کے لیے

ہے انھیں سو گھٹے ریشم سے سوا
شعر اک شعرائے خوش گفتار کا

ہے بشر دیوانہ پہلے نان کا
کیوں کہ روٹی ہے سہارا جان کا

چھین لینے یا کمانے کے لیے
ہے ہتھیلی پر وہ جاں اپنی لیے

اتفاقاً گر نہ ہو فکرِ معاش
ہوتی ہے تعریفِ شعری کی تلاش

تا کریں تعریف اصل و نسل کی
ہو بیاں اس کی ثنا منبر پہ بھی

شان و شوکت، اس کی بخشش کا بیاں
جیسے خوشبو، گفتگو سے ہو عیاں

اپنی صورت پر بنایا ہم کو حق
تا کہ اس کے وصف سے لیں ہم سبق

چوں کہ خالق خود ہے شکر و حمد جو
مدح جوئی آدمی کی بھی ہے خو

ہے خصوصاً فضلِ اہل اللہ بڑا
پھونک سے مشک ان کا ہے پھولا ہوا

اور کوئی نا اہل جھوٹی مدح سے
جوں پھٹا مشکیزہ بھرنے سے رہے

یہ مثل یوں ہی نہیں کہہ دی اے یار
اس کو سطحی تو نہ کر ہرگز شمار

ہے نبیؐ کا قول، کافر جب کہے
پھول کیوں جاتے ہیں احمد مدح سے

بارگاہ میں مدح شاعر لے گیا
شعرِ شکرانہ کہ احساں زندہ تھا

چل بسے محسن پہ احساں رہ گئے	مرحبا جو اس سواری پر چلے
مرگئے ظالم کیا ان کا رہا	حیف ان پر جو کرے مکر و دغا
بولے پیغمبرؐ مبارک شخص وہ	بعد مردن چھوڑے جو کارِ نکو
مرگئے محسن رہے احساں سدا	دیں و احساں ہیں بڑے نزدِ خدا
نام نیک اس کا ہے نیک اعمال سے	مر نہیں سکتا وہ اچھا دیکھ لے
حیف ! وہ مرکر بدی جس کی رہے	بھول جا، پاداش سے جاں کیوں بچے
چھوڑ اب شاعر کو کردے درگزر	وہ رہے مقروض اور محتاج زر
لایا شاعر شعر سوئے شہریار	بخششِ اول کا وہ امیدوار
خوبصورت پُر گہر اشعار سب	پہلی سی بخشش کی امید اور طلب
شاہ پہلے کی طرح بولا ہزار	چوں کہ تھا خوگر اسی کا شہر یار
پر وزیرِ پُر سخا اب وہ کہاں	ہوگیا دنیا سے باشوکت رواں
اس کی جا پر تھا وزیرِ نو رئیس	سخت بے رحم اور اک مردِ خسیس
بولا اے شاہ خرچ ہیں حد سے سوا	ہے سخن ور کو یہ بخشش ناسزا
اس کے اک چالیسویں حصہ پہ ہم	راضی کرلیں گے اسے اے مغتنم
لوگ بولے اس سے پہلے دس ہزار	اس دلاور نے کیے اس پر نثار
نیش کر کے بعد نے کیوں کر چبائے	بھیک کیوں اس کو پسِ اعزاز بھائے
بولا تنگی میں دباؤں گا اسے	انتظاری میں گھلاؤں گا اسے
بعد ازاں مٹی بھی گر دوں گا اسے	لے گا وہ گلبرگ اس کو جان کے
میں ہوں استاد اس میں، مجھ پر چھوڑ دے	وہ تقاضا گر سہی مثلِ آگ کے
گو زمیں سے آسماں تک بھی اڑے	نرم پڑ جائے گا گر دیکھے مجھے
بولا سلطاں تجھ کو ہے فرماں روا	پر اسے خوش کر، ثنا گر ہے مرا
بولا اس کو اور دو سو ایسے گدا	چھوڑ مجھ پر اور تو خوش رہ شہا
اس نے رکھا اس کو اندر انتظار	کٹ گئے جاڑا، خزاں، آئی بہار

کرتا تھا اصرار حاجت سے مگر — وعدے حیلے کرکے ٹالا حیلہ گر
انتظاری میں وہ بوڑھا ہوچلا — اور اپنے دکھ سے عاجز آگیا
بولا زر دیتا نہیں، گالی تو دے — جاں بچے تیری غلامی کے لیے
مر رہا ہوں منتظر، کہہ دے کہ جا — جانِ مسکیں تاکہ ہوجائے رہا
بعد اک چالیسواں حصہ دیا — دکھ بہت سا اس سے شاعر کو ہوا
نقد پہلا کس قدر بسیار تھا — آج کانٹوں کا بس اک دستہ ملا
لوگ بولے وہ وزیرِ پُر سخا — مرگیا اجر اس کا اس کو دے خدا
ہوگئی اس کے سبب دونی عطا — اس نے بخشش میں نہ کی کوئی خطا
وہ گیا اور ساتھ احساں لے گیا — زندہ احساں اس کا وہ جاتا رہا
چل بسا اب وہ وزیر خوش خصال — کھینچنے آیا یہ درویشوں کی کھال
لے لے اس کو شب کی شب تو راہ لے — تاکہ جھگڑالو نہ رستہ روک دے
کتنے حیلے ہم نے بخشش کو کیے — بے خبر اس کی خبر بھی ہے تجھے
مڑ کے اس کی سمت پھر اس نے کہا — یہ سپاہی کس جگہ سے آگیا
اس وزیرِ جامہ کن کا نام کیا؟ — نام اس کا بھی حسن سب نے کہا
اُس کا اِس کا نام اے میرے خدا — ایک ہی افسوس کیوں کر ہوگیا
اس حسن کا جب کہ چلتا تھا قلم — ہستیاں کیا کیا تھیں جویائے کرم
یہ حسن اور اس کی داڑھی بدنما — سو رسن اس سے کوئی دے گا بنا
کان دے کر شاہ کیوں اس کی سنے — سلطنت اور شہ کو جو رسوا کرے

اس کمینہ وزیر کی شاہ کی انسانیت کو برباد کرنے میں فرعون کے وزیر یعنی ہامان کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت قبول کرنے کی افتاد میں مشابہت

ہوگیا فرعون کتنی بار رام — جب سنا موسیٰؑ سے اس نے یہ کلام
سنگ مستی میں بہائے جوئے شیر — اے خوش ان کا وہ کلامِ بے نظیر
مشورہ جب بھی وہ ہاماں سے کیا — اس کا وہ دیوان تھا کینہ بھرا

جب بھی اس نے مشورت ہاماں سے کی — اس کو مانعن ہی رہا ہردم شقی
بولا اب تک آپ شاہِ مصر تھے — بندے گدڑی پوش اب بن گئے
وہ سخن گو پھن کا پتھر ہوگیا — اور شیشے کے محل پر جا لگا
آپ کے سودن کی تاثیرِ خطاب — ایک لحظہ میں وہ کرتا تھا خراب
عقل پر حاوی ہے دستور ہَوا — تجھ میں ہے وہ دشمنِ راہِ خدا
کوئی اہل اللہ نصیحت جب کرے — مکر سے اس پند کو وہ ٹال دے
کہ یہ بر موقع نہیں تو ہٹ نہ جا — ہوش میں آ اس پہ کیوں شیدا ہوا
ہائے شہ ہو وزیر ایسا اگر — ہوگا دونوں کے لیے دوزخ میں گھر
شاد وہ شہ ہوگا جس کا دستگیر — بہرِ کاروبار آصف سا وزیر
شاہِ عادل پاس اس کے ہوگا جب — نام ہو نورٌ علیٰ نور اس کا تب
شاہ سلیمانؑ سا تو آصف سا وزیر — نور پر نور اور عنبر پر عبیر
شاہ جوں فرعون و ہاماں وزیر — بدنصیبی دونوں کو ہے ناگزیر
ظلمتوں پر ظلمتیں بعضے یقیں — عقل حامی ہے نہ دولت یومِ دیں
جز شقاوت کچھ نہیں رکھتے تمام — تو اگر دیکھے سنا میرا سلام
جان جوں شاہ اور جوں دیوان عقل — عقلِ بد جاں کے لیے ہے حکم نقل
وہ فرشتہ عقل ہارونی بنے — دو سو شیطانوں کی استادی کرے
عقلِ جزوی کو وزارت سے ہٹا — عقلِ کُل کو شہ وزیر اپنا بنا
اپنا دیواں تو ہوس کو بھی نہ کر — تا عبادت پر نہ ہو اس کا اثر
ہے حریصِ مال و دولت یہ ہوا — عقل کو اندیشہ روزِ حشر کا
سوچنا ہے عقل کو انجام کار — ہر گُل سہ لیتی ہے وہ رنجِ خار
ہو خزاں بھی تو وہ جھڑنے سے رہے — دور ہی ناکارہ اک اس سے رہے
عقل کو کر یار با عقلِ دگر — مشورت ہر کام میں اس سے تو کر
عقل دو ہوں تو بلاؤں سے بچے — چڑھتے چڑھتے آسمانوں پر چلے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ پر دیو کا بیٹھنا اور اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاموں کی نقل اتارنا اور دیو اور حضرت سلیمان علیہ السلام میں فرق ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد علیہ السلام مقرر کرنا

دیو نام اپنا سلیمانؑ کرلیا / ملک چھینا اور شہی کرنے لگا
نقل بس کارِ سلیماں کی کیا / اس سے رازِ کارِ شیطانی کھلا
لوگ بولے یہ سلیماں بے صفا / فرق ہے دونوں سلیماں میں بڑا
وہ تھی بیداری، یہ عالم بنید کا / دو حسن کے بیچ کتنا فاصلہ
دیو کہتا تھا کہ صورت پر مری / حق نے ڈھالی صورت اک شیطاں کی بھی
حق نے دی شیطان کو صورت مری / تا کہ ڈالے دام پر وہ شقی
دعویٰ کرتے وہ جو آئے زینہار / اس کی صورت کا نہ کرنا اعتبار
مکر سے یوں دیو کہتا تھا مگر / عکس عیاں تھا اس کا قلب صاف پر
دھوکا کیوں کھائیں گے عاقل خاص کر / عقل دے گی غیب کی جن کو خبر
کوئی مکاری سہی جادو سہی / کیا چھپائے گا بھلا ان سے کوئی
بس یہی دے لیتے ہیں خود کو جواب / چال الٹی ہے تری اے کج خطاب
راستہ الٹا لیے گر جائے گا / نچلے دوزخ میں تجھے پہنچائے گا
گرچہ وہ معزول ہیں اور ہیں فقیر / ان کی پیشانی ہے جوں بدرِ منیر
تو نے لی انگشتری شہ کی اڑا / زمہریر ایسا ہے افسردہ پڑا
زیب تجھ کو کرّ و فر، جاہ و حشم / ہم وہاں سر کیا نہ رکھیں گے قدم
گر بہ غفلت جائیں بھی رکھنے جبیں / روک دے گی ہاتھ سے ہم کو زمیں
کیوں جھکے سر اس سر کے لیے / سجدہ اس بدبخت کو تو کیوں کرے
شرح کرتا میں بھی اس کی جانفزا / گر نہ ہوتی غیرت و رشکِ خدا
کر قناعت اس پہ اور بس کر یہاں / وقتِ دیگر تا کروں ان کو بیاں

خود کو کہتا ہے سلیماں اور نبی
منہ چھپا لیتا ہے بچوں سے سبھی
نام اور صورت پہ اس کی تو نہ جا
نام سے معنی کو کیا نسبت بھلا
پوچھ اس کو عادت و افعال سے
درمیانِ کار و عادت جانچ اسے
چپ ہر کس سے نہیں ممکن یہ کام
تا بنائے مسجدِ اقصیٰ تمام
مسجدِ اقصیٰ مکمل ہوگئی
اس کے زائر تھے سلیمانؑ نبی

مکمل ہو جانے کے بعد ہر روز حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسجد میں آنا عبادت کے لیے اور عبادت گزاروں اور اعتکاف کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے اور بوٹیوں کا مسجد میں اگنا اور آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ باتیں کرنا

جب سلیمانِ نبی شاہِ انام
کر چکے تعمیر مسجد کی تمام
صبح ہر دن گھر سے آنا ریت تھی
آ کے مسجد میں چلے جاتے تبھی
نو بنو بوٹوں کو اُگتے دیکھتے
نام خاصیت سے ان کی پوچھتے
نام کیا، کس درد کی ہے تو دوا
نفع کس کو اور زیاں کو بتا
پس بتانا بوٹا بوٹا نام اور کام
اس کو میں جاں، موت کا اس کو پیام
زہر اس کے واسطے اس کو شکر
نقش ہے یہ نام میرا لوح پر
پھر وہ دیتے تھے طبیبوں کو بتا
نفع کیا ہے اور ضرر اس سے ہے کیا
جو طبیبوں نے سلیمانؑ سے سنا
اس سے وہ دانا بنے اور مقتدا
دفترِ علمِ طب کے لکھ کر رکھ دیے
اور چھٹکارا سجھائے رنج سے
ہیں نجوم و طب بھی وحیِ انبیا
ورنہ رہ تالامکاں جس کو کجا
عقلِ خام اور کام استخراج کا
ہوگی کیا جز ماہرِ فن کے سوا
ہے خرد کو ذوق فہم و علم سے
صاحبِ وحی دیتے ہی تعلیم اسے
ابتدا ہر پیشہ کی ہے وحی پر
عقل سے اس کی ترقی ہے مگر
ہے کوئی پیشہ خرد اپنی جسے
سیکھ سکتی ہے بغیر استاد کے

موشگافی میں ہے ماہر بڑی سیکھی بے استاد پیشہ کب کوئی
ہوتی اہلیت اگر ایجاد کی پیشہ پیدا کرتی بے استاد ہی

قابیل کا قبر کھودنے کا طریقہ کوّے سے سیکھنا، اس سے پہلے کہ دنیا میں قبر کھودنے کا علم ہو

کھودنا قبریں بڑا پیشہ نہیں کچھ نتیجۂ فکر و اندیشہ نہیں
فہم ہوتی اس کی گر قابیل کو سر پہ لے پھرتا نہ تھا ہابیل کو
اب بھلا کیسے چھپاؤں کُشتہ کو غرق خاک و خوں میں جسم مردہ کو
کوّا مردہ کوّا اک منہ میں لیے آ گیا تیزی سے اُڑتے سامنے
وہ اتر آیا ہوا سے خاک پر تا دکھائے قبر اس کو کھود کر
کھودی اس نے اپنے پنجہ سے زمیں زاغِ مردہ کو دبا ڈالا وہیں
ڈال کر مٹی میں دفن اس کو کیا زاغ کو یہ علم تھا حق کی عطا
تف کہا قابیل اپنی عقل پر مجھ سے بھی افزوں ہے کوّے کا ہنر
عقلِ کُل کی شان مازاغ البصر بھٹکے ہر سو عقلِ جزوی کی نظر
عقل خاصاں نور ہے مازاغ کا مُردوں کو دفنانا فن ہے زاغ کا
جاں جو پیچھے زاغ کے اڑتی چلے زاغ دکھلائے گا گورستاں اُسے
زاغ جیسے نفس کے پیچھے نہ جا کہ وہ گورستان کو لے جائے گا
گر ہوجانا جا پسِ عقنائے دل سوئے قاف و مسجدِ اقصائے دل
تازہ تازہ گھاس تیرے ذہن کی خود ہے تیری مسجدِ اقصیٰ کی ہی
داد دے اس کی سلیماں کی مثال روندنے اس کو قدم اپنا نہ ڈال
حالِ پنہانِ زمینِ باثبات کرتے ہیں ظاہر یہ انواعِ نبات
کس زمیں میں کیا اُگایا جائے گا اس زمیں کا پودا خود بتلائے گا
ہیں زمینِ دل کے پودے یہ خیال پس خیالوں سے ہے پیدا دل کا حال

ہوں جو صاحب فہم اندر انجمن — میں ہزاروں پھولوں سے بھر دوں چمن
ہوں سخن کش تو خطاب ہے محال — چوروں جیسے بھاگ جاتے ہیں خیال
ہوں نہ گر سامع تو خاموشی بھلی — نکتہ نا اہلوں سے اچھا دور ہی
ہے جدھر جاذب چلا ہر کس وہیں — جذب صادق جذبِ کاذب سا نہیں
تو کبھی گمرہ کبھی ہے راہ پر — ڈور اور جو کھینچے تجھ کو ہے کدھر
دیکھ پاتے اس کو جو کھینچے مہار — دہر گھر دھوکے کا کب ہوتا شمار
دیکھ لیتا گبر سنگ ہے رہنما — دیو بد رو کے ہے پھندے میں پڑا
پھر نہ جاتا اس کے پیچھے جوں اسیر — خود قدم کو روک لیتا طفلِ پیر
جوں مخنث پیچھے پیچھے کیوں چلے — گبر خود پاؤں کو روک لے
جان لو قصاب کو گائے اگر — اس کے پیچھے ہوتی کیوں دکّان پر
بھوسا کیوں کھاتی وہ اس کے ہاتھ سے — دودھ کیوں دیتی محبت سے اُسے
گھاس کھاکر ہضم کرسکتی کہاں — گر کھلانے کا سبب ہوتا عیاں
پس کہ غفلت پر ہے دنیا کی بقا — کیا ہے دولت ٹھاٹھ بھگدڑ کے سوا
بھاگو بھاگو اول آخر لات کھا — مرگِ خر سے بڑھ کے کیا ہے اس جگہ
کر رہا ہے آج کوشش سے جو کام — عیب اب ہیں اس کے پوشیدہ تمام
اس کے باعث آج تو ہے وقفِ کار — کہ عیوب اس کے چھپایا کردگار
تیری ہر اک سوچ کا بھی ہے یہ حال — تجھ سے ہے پوشیدہ ہر نقصِ خیال
تجھ پہ ہوتے گر عیاں وہ عیب وشیں — تجھ میں اس میں ہوتا بُعد المشرقین
حال حاصل جس کا ہے شرمندگی — جانے گر پہلے نہ مولے تو کبھی
ہم سے وہ پہلے چھپا کر رکھ دیا — تا کہ دیں انجام قسمت کا لکھا
لا رکھے جب سامنے کارِ قضا — دیکھے اور ہوگی پشیمانی صلہ
یہ پشیمانی بھی ہے دیگر قضا — چھوڑ اسے جا پیشِ حق کو سر جھکا
تو اگر شرمندگی پر بس کرے — اس سے تو شرمندہ تر ہوکر رہے

عمر آدھی تو پریشانی اٹھائے
نیم دیگر بھی پشیمانی میں جائے
فکر اور شرمندگی تو چھوڑ دے
حال و یار و کار بہتر ڈھونڈ لے
کارِ نیکو تر یہ ہو حاصل اگر
پر گیا کیا؟ شرم ہے کس بات پر
گر تو جانے راہِ نیکو اس پہ جا
ورنہ جانے کیوں کہ بد ہے راستہ
بد نہ جانا، جانے کیوں اچھا ہے کیا
ضد سے ضد جانتے ہیں اے فنا
چھوڑ کر اس فکر کو عاجز ہوا
عجز یوں ہی ہے گنہ سے بھی ترا
چوں کہ تو عاجز تھا کیوں شرمندگی
دیکھو کس کے جذب سے تھی عاجزی
عجز بے قدرت ہے دنیا میں کہاں
کس نے دیکھا اس کو یوں کب ہے یہاں
تیری ہر اک آرزو بھی ہے یوں ہی
عیب سے جوں تو ہے زیرِ پردہ ہی
گر دکھانا وہ برائی چاہ کی
کھوج اس کی چھوڑ دیتی جاں تری
گر دکھانا تجھ کو عیب اس کام کا
کوئی کھینچے اس طرف لاتا بھلا
کارِ دیگر اس سے کیوں نفرت تجھے
اس لیے کہ تو ہے واقف عیب سے
اے خدائے راز دانِ خوش مقال
عیب کارِ بد پہ تو پردہ نہ ڈال
عیب نیک اعمال ہم کو مت دکھا
بن نہ جائیں سست رو اور کم بہا
پس یہی عادت سلیمانؑ کی رہی
جاتے مسجد کو سویرا ہوتے ہی
ہوگیا معمول یہ ہر روز کا
تازہ پودے ڈھونڈنا مسجد میں جا
دیکھ لیتے قلبِ روشن چشم سے
عام لوگوں سے جو پودے ہوں چھپے

اس صوفی کا قصہ جو باغ میں زانو پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں تھا اس کے دوستوں نے کہا کہ سر اٹھا باغ اور پھولوں اور پرندوں کی سیر کر کیوں کہ حکم ہے اللہ کی رحمت کی نشانیوں پر نظر کرو اور صوفی کا دوستوں کو جواب دینا

سر بہ زانو باغ میں صوفی کوئی
تھا مشاہد در پئے دل بستگی
ذات کی گہرائیوں میں غرق تھا
نیند سے اک نغو حیراں ہوگیا

کیسا سونا دیکھ یہ انگور ادھر
دیکھو یہ سبزے کے آثار و شجر

سن یہ حکم اللہ کا اور دیکھ اسے
پھیر رخ آثارِ رحمت دیکھ لے

بولا آثار اس کے دل پہ ہے بوالہوس
یہ ہیں صرف آثار کے آثار بس

سبزہ زار و باغ جاں میں عیاں
اور یہ باہر عکس در آبِ رواں

یہ خیالِ باغ خود ہے اندر آب
پانی کی پاکی سے ہے یہ اضطراب

باغ اور میوے ہیں در دامانِ دل
عکس ان کے لطف بر آب و گِل

گر نہ ہوتا منعکس سرو و سرور
حق نہ فرماتا اُسے دارالغرور

یہ وہی دھوکا ہے ، یعنی وہ خیال
بطنِ اہل اللہ کا عکس جمال

جو ہیں دھوکے میں، ہیں مائل عکس پر
ہے جہاں ان کے لیے جنت کا گھر

اصلی باغوں سے چلے ہیں وہ پرے
اپنے بیہودہ خیالوں میں پھنسے

خوابِ غفلت سے وہ چونکے گا جہاں
راست ہیں ہوں گے یہ درحالِ زماں

جملہ گورستاں میں برپا شورِ آہ
تا قیامت یہ غلط وا حسرتا!

مرحبا مرنے سے پہلے جو مرے
اصل انگورستان کی بو جو سونگھ لے

مسجدِ اقصیٰ کے کنارے پر خروب اگنے کا قصہ اور اس سے سلیمان علیہ السلام کا رنجیدہ ہونا جب کہ اس نے بات کی اور اپنا نام اور خاصیت بتائی

آئے مسجد کو سلیمانؑ با صفا
حسبِ عادت ایک دن جب اے فتیٰ

دیکھے اک کونے میں بوٹی تھی نئی
دانوں سے پُر خوشہ لہراتی ہوئی

دیکھی نادر ایک بوٹی سبز و تر
ماند اس کے رنگ سے نورِ بصر

پس سلام اس گھاس نے ان کو کیا
خوش ہوئے آپ اور جواب اس کا دیا

بولے بتلا سب تیرے نام و نشاں
بولی ہوں خرّوب اے شاہِ جہاں

بولے خاصیت بھی تیری کر بیاں
بولی مجھ سے ہے خرابیِ مکاں

میں ہوں خرّوب اور خرابی کا نشاں
میں ہلا دیتی ہوں بنیادِ مکاں

ہوگئی فوراً سلیمانؑ کو خبر — موت آئی مجھ کو کرنا ہے سفر
جب تلک زندہ ہوں مسجد کو یقیں — چھو نہ پائیں گے آفاتِ زمیں
جب تلک ہوں زندہ میں ہوں ہے یقیں — مسجدِ اقصیٰ تبہ ہوگی نہیں
اپنی مسجد کی خرابی بے گماں — ہوگی تب ہی جب نہ ہوں گے ہم یہاں
اصل مسجد ہے دلِ سجدہ گزار — اور خرّوب اس کا یار نابکار
دل میں اپنے یار بد پائے جو تو — دور ہوجا چھوڑ اس سے گفتگو
جڑ سے باہر کر اسے گر وہ اُگے — تجھ کو اور مسجد تری ویراں کرے
ہے کجی خرّوب، سمت اس کے نہ جا — کیوں کھسکتا ہے تو بیٹھے طفل سا
بن کے ناداں اور مجرم پاس جا — تا نہ درس استاد لے تیرا چرا
بول جاہل ہوں مجھے تعلیم دے — ہے یہی بہتر بڑائی سے تجھے
سیکھ اے خوش بخت اپنے باپ سے — اعترافِ جرم بھی اول کرے
کچھ بہانہ اور نہ مکاری کرے — اور نہ حیلوں سے بھی کوئی کام لے
بحث پھر ابلیس نے آغاز کی — سرخرو تھا تونے دی شرمندگی
رنگ تیرا رنگ ہے صبّاغ تو — باعثِ آفات و جرم و داغ تو
ہاں تو کہ رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِی — تا نہ ہو جبری گھٹے تیری کجی
جھاڑ پر تو جبر کے کب تک سوار — بھول بیٹھا اپنا سارا اختیار
جیسے ابلیس و اس کی ذرّیات کو — جنگ میں ہے حق سے وقتِ گفتگو
جبر کیسا جب کہ ہے اتنی خوشی — کھینچتا ہے دامنِ عصیاں میں تو ہی
دوڑتا ہے جبر میں ایسا کوئی؟ — ناچتا چلتا ہے راہِ گمرہی
بیس مردوں کی سی جنگ ان سے کرے — جو نصیحت کرنے آئے دوسرے
ٹھیک ہے یہ اور یہی ہے راستہ — کون طعنہ دے گا ردّی کے سوا
دعویٰ یوں کرتا ہے کیا مجبور بھی؟ — یوں جھگڑنے جائے گا گمرہ کوئی؟
نفس کی خواہش پہ تیرا اختیار — جو بھی چاہے عقل اس میں اضطرار

جانتے ہیں جاننے والے سبھی
زیرکی شیطانی، الفت آدمی

زیرکی تیراکی ہے اندر بحار
غرق ہونا ہے اسے پایانِ کار

چھوڑ تیراکی تو بس کر کبر و کیں
ہے سمندر، نہر یا جیجوں نہیں

یہ سمندر ہیں عمیق اور بے پناہ
سات دریا کو بہائے مثلِ کاہ

عشق کشتی بہر خاصانِ خدا
آفتیں کم نجات ان کا صلہ

مول حیرت زیرکی کو بیچ کر
زیرکی ظن ہے تو حیرانی نظر

عقل کو کردے فدائے مصطفیؐ
حسبی اللہ بول، بس مجھ کو خدا

ناؤ سے کترا نہ کنعاں کی مثال
نفسِ زیرک کا پڑا تھا اس پہ جال

کوہ کی چوٹی پہ چڑھ جاؤں گا میں
نوحؑ کے احساں میں کیوں آؤں گا میں

ایسے احساں سے تو بے راہ کیوں بچے
ناز برداری جو حق اس کی کرے

کیوں نہ ہوگا ہم پہ احساں آپ کا
مانتا ہے ان کا احساں خود خدا

حاسد و مغرور تجھ کو کیا خبر
اس کا احساں مانتا ہے داد گر

وہ نہ سیکھے ہوتا تیراکی اگر
تکیہ ہوتا اس کا کشتیِ نوحؑ پر

کاش ہوتا طفل سا حیلوں سے دور
ماں کا دامن تھام لیتا وہ ضرور

پُر نہ ہوتا علمِ نقلی سے اگر
تو یقیں کرتا ولی کی وحی پر

آگے ایسے نور کے تیری کتاب
وحی آسا جاں تری خود پر عتاب

جوں تیمّم آگے ہو پانی جہاں
علم ربّی و گفتۂ قطبِ زماں

جیسے ناداں کرتو اس کی پیروی
چھوٹ جائے گی یہ تجھ سے ابلہی

جنتی ہوتے ہیں ابلہ پیشتر
اس لیے فرمائے سلطانِ بشر

زیرکی پیدا کرے تجھ میں غرور
ابلہ بن تا دیں ہو تیرا بے فتور

وہ نہیں ابلہ جو کھِلّی باز ہو
جو شقاوت سے نہ چاہے مال کو

ایسا اک ابلہ جو بدست شوق
یار کی ڈالے ہوئے گردن میں طوق

ابلہ جوں یوسفؑ کی شیدائی زناں
ان کو دیکھے سے تراشیں انگلیاں

عشقِ جاناں پر خرد کو وار دے | عقل بھی پائی اسی کی دین سے
عقلیں غافل نے اُدھر سب بھیج دیں | رہ گئے ابلہ سبھی خالی یہیں
غرقِ حیرت ہو کے کھوئے عقل اگر | بر سرِ مو تیرا پائے عقل و سر
رنج و فکر اس جا نہ دیکھے گا دماغ | کہ دماغ و عقل سے اُگتے ہیں باغ
دشت جائے نکتہ ہائے خوش سنے | باغ جائے تازگی حاصل کرے
اس سفر میں شان شوکت بھول جا | رہنما جب تک نہ ہو آگے نہ جا
جو ہلے بے سر کے دُم ہے سر نہیں | جنبشِ کژدم بنے دیگر نہیں
چال ٹیڑھی، اندھا بد اور زہر خاک | کام اس کا خستہ کرنا جسم پاک
سر کچل دے اس کی فطرت ہے یہی | اور ہمیشہ اس کی عادت ہے یہی
سر کچلنا اس کے حق میں ہے بھلا | شوم تن سے تا ہو اس کی جاں رہا
چھین لے پاگل کے ہاتھوں سے چھری | عدل کو تا کہ میسر ہو خوشی
عقل سے عاری چھری رکھتا ہے ساتھ | کٹ نہ جائے دیکھنا پاگل کا ہاتھ

اس کا بیان کہ علم و مال و رتبہ کا بد اہل کو حاصل ہو جانا اس کی رسوائی ہے اور اس تلوار کی طرح ہے جو ڈاکوؤں کے ہاتھ آ گئی ہو

بد گہر کو یہ حصولِ علم و فن | تیغ کا ہونا بدستِ راہزن
تیغ دید و مست حبشی کو مگر | علم سے عاری ہی اچھا بدگہر
جمعِ علم و مال و منصب بے گماں | باعثِ فتنہ ہے بد اصلوں کے ہاں
ہے جہاد اس رو سے فرضِ مومناں | پاگلوں سے چھین لینا جوں سناں
جان مجنوں جیسے خنجر اس کا تن | چھین لو تلوار یہ ہے بد چلن
جو بھی جاہل کرتے ہیں منصب کے نام | سو درندوں سے نہیں ممکن وہ کام
عیب مخفی مل گیا ہتھیار جب | بِل سے باہر سانپ ہی صحرا میں سب
سانپ بچھو چار سو صحرا سبھی | ہوگی جاہل شہ کی جب ظالم شہی

مال منصب پائے گا نااہل جب — دے گا دعوت اپنی رسوائی کو تب
بخل کرکے یا گھٹائے گا عطا — یا وہ بے موقع دکھائے گا سخا
شاہ کو پیدل کے خانے میں بٹھائے — یوں عطا میں احمقی اپنی دکھائے
جب کوئی گمراہ بنے فرماں روا — چاہ سمجھے جائے گا در قعرِ چاہ
راہ نہ جانے، رہنمائی کو چلے — اپنی زشتی سے جہاں کو پھونک دے
فقر کا کچا اگر پیری کرے — پیرووں کو بدنصیبی گھیر لے
آ کہ تجھ کو چاند میں دکھلاؤں گا — چاند کو خود ہی نہ دیکھا بے ضیا
عکس آبی بھی نہ دیکھا چاند کا — خود نہ دیکھا، کیوں دکھائے گا بھلا؟
احمق آقا ہی سو ان کے خوف سے — عاقل اپنا منہ چھپائے رہ گئے

یَاۤاَیُّهَاالْمُزَّمِّلُ آیت شریفہ کا بیان

بولا مزّمّل نبی کو کردگار — آؤ بیرونِ ردا صاحب فرار
کس لیے کمبل میں ہو روپوش تم — ہے پریشاں کُل جہاں باہوش تم
ہاں نہ چھپنا مدعی کے عار سے — جب کہ شمعِ وحی ہے پاس آپ کے
شمع ہو، راتوں میں جاگو اے ہمام — شمع کا دستور ہے شب بھر قیام
دن بھی شب تیرے اجالے کو بنا — شیر قیدی بن ترے خرگوش کا
اپنی کشتی کے بنو تم ناخدا — نوحؑ کے ثانی ہو تم یا مصطفیٰﷺ
آشنائے راہ عاقل چاہیے — خاص کر بحری سفر کے واسطے
دیکھ آ وہ کارواں جو لٹ گیا — ناخدا شیطان ہے ہر ناؤ کا
سب کو توہی راہبر، تو ناخدا — عیسیٰؑ روح اللہ سا تنہا نہ جا
تم ہو سورج اس جماعت کے لیے — سب سے ملیے اور خلوت چھوڑیے
وقت خلوت کا نہیں جلوت سزا — ہے ہدایت قاف اور تم ہو ہُما
بدر مینۂ چرخ پر شب کو چلے — بھوک سے کتوں کی تو کیوں کرُکے

آسماں پر بدر تیرا دیکھ کر طعنہ زن دشمن ہیں تیری شان پر
بہرِ کتّے کیا سنیں گے انصِتوا سر اٹھا کر بھونکتے ہیں بدر کو
ہاں، شفا رنجور کا بھی دیکھ حال غصہ بہرے کا نہ اندھے پر نکال
نہ کہا؟ جو کور کو دکھلائے راہ سو ثواب و اجر پائے از چاہ
جو پلائے کور کو چالیس گام بخشش و توفیق سے ہو شاد کام
یہ جہاں اندھوں کو ہے ناسازگار نے چل ان کو تو قطار اندر قطار
کارِ ہادی ہے یہی ہادی ہے تو غم میں آخر وقت کے شادی ہے تو
لے چل ان کو اے امام المتقین کر کے ترک اندیشے پائیں یقین
مکر کی رکھے جو دل میں جستجو میں اڑاؤں اس کی گردن چھوڑ تو
کوری کوری پر چڑھاؤں اور بھی میں کھلاؤں زہر سمجھے قند ہی
عقل روشن ان کی میرے نور سے مکر میں پیرو ہیں میرے مکر کے
خیمے کیا ترکی قبائل کے بھلا دے گا ہاتھی ایک ٹھوکر سے گرا
اک دیا اور زد میں صرصر کی چلے ہے کہیں ممکن اے پیغمبرؐ مرے
پھونک دے اٹھ کر تو دہشت ناک صور مردے تا کہ پھاڑ نکلیں قبور
اے سرافیلِ زماں تو اٹھ کے آ حشر قبل از حشر تو کردے بپا
جو بھی پوچھے گا قیامت ہے کہاں بول اسے میں آپ ہوں دیکھ آ یہاں
دیکھ اے بارکش سائل یہاں اس قیامت سے ہیں پیدا سو جہاں
گر کرے اعراض باتوں سے تری پس جوابِ جاہلاں ہے خاموشی
خامشی ہے آسمانوں کا جواب جب دعا ہوتی نہیں ہے مستجاب
ہوگیا ہے وقت خرمن گاہ کا دن ہمارے وقت کا بے گاہ ہوا
وقت ہے تھوڑا دراز اپنا کلام تنگ ہے تکمیل کو عمرِ دوام
نیزہ بازی اور بساطِ قعرِ تنگ نیزہ بازوں کے لیے ہے وجہِ ننگ
وقت ہے تنگ اس پہ یہ فہمِ عوام وقت سے بھی تنگ تر ہے اے غلام

خامشی ہے جب جوابِ احمقاں　　طول کرتا جارہا ہے کیوں بیاں
ہے کمالِ رحمتِ موجِ کرم　　ہے زمیں میں بارشوں کی وجہِ نم

اس کا بیان کہ جواب نہ دینا جواب ہے اس بات کی تائید کرتا ہے کہ احمق کا جواب خاموشی ہے اور ان دونوں قولوں کی شرح اس قصہ میں ہے جو بیان کیا جارہا ہے

شاہ تھا اور کوئی نوکر شاہ کا　　عقل مردہ اور شہوت تھی بجا
چھوٹی خدمت بھی نہ کرتا تھا کبھی　　اس کو ہر خواہی بھی لگتی تھی بھلی
بولا شہ تنخواہ اس کی کم کرو　　گر لڑے نام اس کا خط سے کاٹ دو
عقل کم لیکن تھی حرص اس کی بڑی　　جب گھٹی تنخواہ دکھائی سرکشی
عقل گر ہوتی تو خود میں ڈھونڈتا　　نقص خود میں نا معانی ہو صلہ
سرکشی کرتا ہے جب پابستہ خر　　بند پڑ جاتے ہیں دونوں پاؤں پر
بولے خر اک بند ہی بس ہے مجھے　　بند دو تھے سرکشی کی وجہِ سے
جانتا گر کور بندش کا سبب　　ہاتھ باندھے جاتے جبراً اس کے کب
ہوتا اپنے جرم سے گر باخبر　　بندِ دست و پا کی حاجت تھی کدھر
گر نہ کرتا سرکشی وہ بند پر　　خر نہ ہوتا، وہ تو ہوتا شیرِ نر

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا فرمائے اور ان میں عقل رکھی اور چوپایوں کو پیدا فرمایا اور ان میں شہوت رکھی اور بنی آدم کو پیدا فرمایا ان میں عقل اور شہوت دونوں رکھی تو جب عقل شہوت پر غالب آ گئی تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب آ گئی وہ چوپایوں سے کمتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا

اس طرح آئی حدیثِ مصطفیٰ　　خلق تین اطوار سے پیدا کیا
اک گروہ ہے جملہ علم و عقل و جود　　وہ فرشتے جانتے ہیں بس سجود

وہ رہے بیگانۂ حرص و ہوا   نورِ خالص، عاشقِ ربّ العلیٰ
دوسرا وہ جو ہے دانش سے تہی   ہے غذا سے اس کو حاصل فربہی
انحصار ان کا غذا پر تھان پر   وہ شقاوت اور شرف سے بے خبر
تیسرا وہ آدمی زادہ بشر   نصف اس کا ہے فرشتہ نصف خر
عالمِ سفلی پہ شید نصف خر   عالمِ علوی پہ مائل وہ دگر
دیکھ ان میں کون غالب آئے گا   کون بازی کھیل میں لے جائے گا
عقل کا غلبہ جو ہو رتبہ بڑھے   آدمی کا نور یان چرخ سے
پست اس کو غلبہ، شہوت کرے   رتبہ چوپایوں سے کمتر رہے
اُن دوقوموں کو ہے جنگوں سے اماں   خوار آدم دشمنوں کے درمیاں
اور انساں امتحاں میں پڑ گئے   شکل اک تین امتوں میں بٹ گئے
اک گروہ جو محوِ مطلق ہوچکا   مثلِ عیسیٰؑ وہ فرشوں میں چلا
صورت آدم اور معناً جبرئیل   وہ نہ جانے خشم وحرص و قال و قیل
معرکہ، زہد و ریاضت سے بڑی   جوں نہیں وہ کوئی آدم زاد ہی
اور دگر وابستگانِ قومِ خر   غصہ خال اور شہوت سر بسر
عمدگی جبریل کی ان سے گئی   تنگ گھر میں کیوں سمائی عمدگی
مردہ کہلاتا ہے جاں کھوکر بشر   وصفِ نور و جاں سے خالی ہوگا خر
ساتھ کوّوں کے چلے کوا بنے   جاں نہ ہوتو بس تنِ بے جاں رہے
جاں نہ ہونے سے وہ پستی میں چلا   قول سچا ہے کہ صوفی نے کہا
وہ کھپائے بڑھ کے حیوانوں سے جاں   کام ہیں اس کے بڑے نازک یہاں
مکر جو بھی اس سے ممکن ہو کرے   جو نہ کر پائیں گے حیواں دوسرے
زر کشی کپڑا پہننے کو بنائے   قعرِ دریا سے وہ موتی ڈھونڈ لائے
جانے وہ سب مشکلاتِ ہندسہ   ''یا نجوم و علمِ طب یا فلسفہ''
ہے تعلق جس کا دنیا سے سبھی   پر نہ رشتہ آسمانوں سے کوئی

علم آخر گہ بنانے کا سبھی
اور چوپایوں کا پالن اس میں ہی

زندہ حیوانوں کو رکھتا چند روز
احمقوں کو ہیں یہی راز و رموز

راہِ حق کی اور منازل کی خبر
رکھنے والا دل ہے یا اہلِ نظر

پس یہی ترکیب ہے انسان کی
کردیا پیدا اسے اور عقل دی

ان کو کاالانعام حق نے کہہ دیا
نیند کو بیداری سے نسبت ہے کیا

نیند ہی سے روحِ حیوانی کے پاس
الٹے ہیں اس قوم کے سارے حواس

آئی جب بیدای نیند اس کی گئی
الٹے حِس کی تب خبر اس کو ہوئی

جس طرح حال ایک خواب آلودہ کا
جب ہوا بیدار الٹا پن کھلا

وہ تو نیچوں سے بہت نیچے چلا
چھوڑ، چاہت ڈوبنے والوں سے کیا

اوپر آنے کی جو استعداد تھی
کام میں لاتا نہ کھوتا، کھوگئی

قابلیت چوں کہ حیواں میں نہ تھی
اس کی مجبوری سے ظاہر ہوگئی

رہبری کی اہلیت تھی، کھوگئی
اور غذا پائی قوت الٰہی

گر بھلا واں کھائے وہ افیوں بنے
اس سے بے عقلی و بیہوشی بڑھے

رہ گئی اک قسم کوشش در جہاد
آدھی حیواں آدھی زندہ باد شاد

رات دن اک کشمکش میں مبتلا
جنگ جاری اول آخر میں سدا

عقل کا نفس سے مقابلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مجنوں کا اونٹنی کے ساتھ جھگڑا اور مجنوں کا میلان شریف زادی کی طرف اور اونٹنی کا میلان بچہ کی جانب۔ چنانچہ مجنوں نے کہا کہ میری اونٹنی کا میلان میرے پیچھے اور میرا میلان آگے میں اور وہ دونوں مختلف

جوں لڑائی قیس کی اور ناقہ کی
تھا کبھی غالب شتر، مجنوں کبھی

ایک جوں ناقہ دگر مجنوں بنے
کھینچے اک آگے کو اک پیچھے چلے

آگے لینے لیلیٰ کو مجنوں رواں
پیچھے کُرّے کی طرف ناقہ دواں

اک گھڑی بھی قیس گر غفلت کرے
ناقہ پیچھے لوٹ کر چلنے لگے

عشق میں غالب ہو جب دیوانگی
کیا ہے چارہ اس کا غیر از بے خودی

وہ کہ نگرانی تھی جس کی عقل تھی
عقل لیلیٰ کے جنوں میں کھوگئی

اونٹنی تھی اپنی نگرانی میں چست
اور مہار اس کو دکھائی دی جو سست

غافل و حیراں جو پالیتی اسے
سوئے کُرّہ دوڑتی منھ پھیر کے

ہوش آتے ہی اسے ہوتی خبر
میلوں پیچھے جا چکی ہے لوٹ کر

تین دن رستے میں مجنوں کا یہ حال
پس تردد میں تھا مجنوں چند سال

جب عناں و عشق میں ناسازگار
چاہیے کرلوں میں دوری اختیار

ہم سفر وہ اک دِگر کے راہزن
جاں ہے گمرہ گر نہ چھوڑے گی بدن

عرش سے دوری سے جاں پر فاقہ ہے
دھن میں کیکر کے بدن جوں ناقہ ہے

آسماں چھونی کو جان پھیلائے پر
سخت ہے پکڑ بدن کی خاک پر

تو اے شیدائے جب تک ہے ساتھ
سوئے لیلیٰ جان کیوں لے جائے ہاتھ

عمر گزری یوں ہی آخر سال سال
قید میں جوں امت کے موسیٰ کا حال

دو قدم ہی راستہ تھا تا وصال
تجھ سے راہ چلتا رہا میں ساٹھ سال

دیر اتنی اور تھوڑا فاصلہ
بس سواری سے مرا جی بھر گیا

سر جھکائے اونٹنی سے گر پڑا
بولا غم سے جل گیا میں جل گیا

تنگ اس پر ہوگیا صحرا فراخ
آلیا گِر کر زمینِ سنگلاخ

گر پڑا پستی میں وہ آپ ہی
ٹوٹا بدبختی سے اس کا پاؤں بھی

بولا پاؤں باندھ ہوں گا گیند سا
اس کے بلّے سے لڑھکتا جاؤں گا

اس لیے نفرین بھیجے خوش دہن
ہر وہ راکب جو ترے چھوڑ تن

عشق مولیٰ ہوگا کب لیلیٰ سے کم
کیوں نہ گینداس کے لیے پہنچائیں ہم

گیند بن اور صدق پر پہلو بدل
عشق کے بلّے سے لڑھ لڑھ کے چل

جذبِ حق سے ہوگا پھر طے یہ سفر
ہے سفر تفریح اگر ہو ناقہ پر

اس سفر کی نوعیت ہے اور ہی
جہدِ انس و جن سے یہ کوشش بڑی

جذب ایسا کب ہے مثلِ جذبِ عام — بس بفضلِ مصطفیٰؐ ہے والسلام
قصہ بس کر اور چل سوئے غلام — جس نے لکھا بادشہ کو اک پیام

تنخواہ گھٹنے پر بادشاہ کو اس غلام کی شکایت لکھنے کا قصہ

ایک خط غصہ سے کینہ سے بھرا — شاہِ نازک طبع کو اس نے لکھا
رقعہ خود ہے جسم اس کو دیکھ لے — شہ کے لائق ہو تو آ لے جا اِسے
جاکے اک گوشہ میں پڑھ خط کو ذرا — بہرِ شاہاں دیکھ عبادت بجا
گر نہ ہو شایاں تو اس کو چاک کر — چارہ کر، تحریر کر نامہ دگر
نامۂ تن کھولنا آساں ہے کب — دیکھ لیتے ورنہ در کے بھید سب
خط کو پڑھنا کام اک مردانہ ہے — یہ نہ سمجھو بازی اک طفلانہ ہے
اکتفا فہرست پر ہم نے کیا — کیوں کہ ہیں ہم خوگرِ حرص و ہوا
دام ہے فہرست وہ بہرِ عوام — تاکہ پائیں خط کے اندر کا پیام
کھول کر عنوان پڑھ گردن نہ موڑ — ٹھیک بس اللہ جانے سب کو چھوڑ
وہ نہیں عنواں، ہے اقرارِ زباں — جان اس سے کیا ہے سینہ میں نہاں
دیکھ ہے مانند وہ اقرار کے — کام کیوں جیسے منافق ہو ترے
بوجھ طاقت کے سوا جو لے چلا — کم نہ ہو بھی دیکھ پر اس میں ہے کیا
دیکھ بورے میں بھلا ہے یا برا — گر ہے لے جانے کے قابل لے کے جا
کر تہی بورے کو اپنے سنگ سے — کر رہا خود کو تو دکھ اور سنگ سے
بھر لے بورے میں جو لینا ہے تجھے — حکمرانوں اور شاہوں کے لیے
ریت کیوں بورے میں بھر کر لے چلا — کیا تو یہ ناکارہ شے لے جائے گا
پھر نہیں سکتا اگر لعل و گہر — جنسِ تن اشیا سے خالی خوب تر

اس فقیہ کی حکایت جو بڑی پگڑی والا تھا اور کوئی اس کی پگڑی اچک لے گیا اور فقیہ کا پکارنا اور للکارنا کہ اس کو کھول اور دیکھ کیا کیا لے جا رہا ہے سب لے جا

چن رکھے تھے یک فقیہ نے چیتھڑے — رکھ لیا پگڑی میں ان کو موڑ کے
موٹا ہوکر تا نظر آئے عظیم — جب آئے وہ سوئے بزم حطیم
پگڑی پر پیوند رنگا رنگ کے — دیکھنے کو تا کہ وہ اچھی لگے
پگڑی گویا جنّتی جامہ لگے — جوں منافق گندے اندر چیتھڑے
روئی ٹکڑے پوستین و دلق کے — پگڑی کے اندر یہ سب ٹھونسے ہوئے
مدرسہ کی راہ لی وقتِ سحر — شان سے تا پائے نذرانے اِدھر
تھا اندھیری راہ میں کوئی جامہ کن — منتظر دکھلانے اپنا خاص فن
سر سے دستار اس کی چھینے بھاگتا — اپنے مطلب کے لیے فوراً چلا
دی صدا اس کو فقیہ نے اے پسر — دیکھ لے جانے سے پہلے کھول کر
چار پر سے اس طرح اڑتا چلا — کھول کر بھی دیکھ کیا ہے ذرا
کھول اس کو اور مل کے دیکھ لے — بعد ازاں لے، ہے روا تیرے لیے
بھاگتے میں کھول کر دیکھا اسے — ٹکڑے لاکھوں راستے میں گر پڑے
اس بڑی پگڑی سے آخر کیا بچا — کپڑا اک بوسیدہ سولہ گرہ کا
اس کو دے مارا زمیں پر اور کہا — بیہودہ تونے مجھے روکے رکھا
اف یہ دھوکا، یہ فریب اور یہ دغا — صید کے پھندے میں پھنس کر رہا
شرم ٹکڑوں سے نہیں آتی تجھے — مکر سے پھندے میں لے آیا مجھے
بولا ہاں میں نے تجھے دھوکا دیا — قصہ کھل ساتھ ہی بتلا دیا

زبان حال سے دنیاداروں کو دنیا کی نصیحت اور وفا کی جستجو کرنے والوں کو اپنی بے وفائی دکھانا

گرچہ خندہ خنداں اور ہے خوب — پھر بھی دکھلائے علانیہ عیوب
یہ بتاؤ اور بگاڑ اے ہوش مند — ہے عمارت دھوکا اور تخریب پند

بولے آبادی خجستہ پے ہوں آ
اور خرابی بولے میں لاشے ہوں جاں

اے تو حیراں دیکھ کر حسنِ بہار
سردی، زردیِ خزاں اس کا نکھار

دیکھتا ہے روز تو سورج کو خوب
موت اس کی یاد کر وقتِ غروب

چودھویں کا چاند دیکھا چرخ پر
گھٹتے دم ڈال اس کی حسرت پر نظر

بچہ اپنے حسن سے آقائے خلق
پیری میں سٹھیا کے ہے رسوائے خلق

کل حسینوں نے کیا تجھ کو شکار
وجہ پیری بن گیا اب پنبہ زار

اے غذائے لوٹ کر کھانے والے آ
فضلہ اس کا دیکھ در بیت الخلا

پوچھ اے فضلہ تیری خوبی کہاں
وہ فریب و جاذبیت اب کہاں

ناز اور وہ نرم خوئی کیا ہوئی
کیا ہوئی خوشبو تری اور عمدگی

بولے وہ تھا دانہ ، میں دیکھا تھا
تو ہوا جب صید دانہ کھوگیا

رشکِ استاداں میں گویا انگلیاں
ان میں رعشہ ہوگیا آخر عیاں

مست نرگس جیسی میری آنکھ جاں
وجہِ علت اس سے ہے پانی رواں

صف میں شیروں کی بہادر جو چلا
مات اک چوہے کے ہاتھوں کھا گیا

تیز فہم اور دور بیں ایک پیشہ ور
ہوگیا پیری میں خود سٹھیا کے خر

عقل کی دشمن وہ زلفِ مشکبار
بن گئی پیری دُمِ زشتِ خر

دیکھ اول خوب بناؤ باکشا
دیکھنا پھر اس کی رسوائی فساد

اس نے پوشیدہ نہ رکھا دام کو
کیوں کہ رسوا کر کے چھوڑا خام کو

پس نہ کہہ دنیا نے دھوکا دے دیا
ورنہ غم ہوتا نہ اس کے دام کا

جو گلو بند اور حمائل تھے عیاں
بن گئے گردن میں طوق اور بیڑیاں

ہے یہی حال اس کی ہر اک چیز کا
جانچ کر دیکھ ابتدا و انتہا

دیکھے جو انجام نیک انساں وہی
اور وہ ہے مردود جو دیکھے چری

چاند جیسا دیکھ منھ ہر ایک کا
ابتدا دیکھی ہے دیکھ اب انتہا

تا نہ ہو یک چشم تو ابلیس سا
نصف اک دیکھا، نہ دیکھا دوسرا

دیکھا آدمؑ کو نہ دیکھا اس کا دیں — بس جہاں دیکھا، جہاں میں کونہیں
مرد کی زن پر فضیلت بالیقیں — جائیداد و کسب و قوت سے نہیں
ورنہ ہاتھی شیر انساں سے سوا — قوتِ تن میں ہے افضل اے چچا
حال ہیں زن پر فضیلت مرد کی — عاقبت بینی کی عادت سے رہی
مردِ اندر عاقبت بینی ہے خم — عاقبت بینوں میں وہ زن سے بھی کم
بانگ دو دنیا کی ضدِ یک دگر — دیکھنا ہے یہ تو جانے ہے کدھر
بانگ اک پرہیز گاروں کو جگائے — دوسری جو بدنصیبوں کو بلائے
بانگ سن پھولوں کی بھی اور بانگ خار — کر صدائے خار کو پھر اختیار
پھول کا کانٹا ہوں میں، فخرِ کبار — پھول جھڑ جائے رہوں میں برقرار
غنچہ بولے گل فروش آ دیکھ اِدھر — خار، ہاں پاس آنے کی کوشش نہ کر
اُس کی مانا، دور دیگر سے رہا — ضدِ جاناں کی محبّ نے کب سنا
وہ پکارے دیکھو ہوں حاضر اِدھر — یہ کہے 'ہاں' انتہا پر ہو نظر
شکلِ موجودہ مری مکر و دغا — ابتدا میں دیکھ نقشِ انتہا
دو سے تونے ایک کو جب چن لیا — تو مخالف لائقِ رد ہوگیا
مرحبا جس نے وہی پہلے سنا — جس کوعقل و گوشِ خاصاں نے سنا
گھر کو خالی پاکے قبضہ کرلیا — اب غلط لگتا ہے سب اس کے سوا
کورا کوزہ، چوس لے پیشاب جب — پانی دھوسکتا ہے فضلہ اس سے کب
شے کو شے کھینچے ہے دنیا میں سدا — کفر کافر کو تو مرشد کو ہدا
اک ہے مقناطیس دیگر کہربا — کاہ کو آہن کو پھانسیں وہ صدا
کھینچے مقناطیس اگر لوہا ہے تو — کہربا کھینچے اگر تنکا ہے تو
وہ بھی ہے اک جونہیں نیکوں کا یار — ہوگیا ناچار بدکاروں کا یار
اس نے کی جو صحبتِ خار اختیار — خار کی صحبت میں ہے وہ خوار و زار
پیش قبطی ہستیِ موسیٰ ذمیم — بہر سطی ہستیِ ہاماں رجیم

جانِ ہاماں جاذب قبطی ہوئی
جانِ موسیٰ جاذب سبطی ہوئی

ہے گدھے کا معدہ شائق گھاس کا
گیہوں اور پانی ہے آدم کی غذا

گر نہ تاریکی میں اس کو پا سکے
وہ جو اس کا پیشوا ہے دیکھ اسے

بچہ حیواں کا پسِ مادر چلا
اس کی جنسیت کا تو پائے پتہ

آدمی کو دودھ سینہ سے ملے
اور خر کو نچلے آدھے جسم سے

اس کا بیان کہ خدا کو پہچاننے والے کی غذا اللہ کا نور ہے کیونکہ حدیث ہے میں اپنے خدا کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے بھوک خدائی غذا ہے اس سے زندگی پاتے ہیں۔ صدیقین کے بدن یعنی اللہ کا کھانا بھوک میں پہنچتا ہے

پاٹنا اللہ کا انصاف ہے
ظلم ہے نے جبر سب کچھ صاف ہے

جبر ہو تو کیوں پشیمانی تجھے
ظلم ہو تو کیوں نگہبانی کرے

لو سبق کل ہوگا اب شام آ گئی
دن میں گنجائش کہاں ہے راز کی

آتے جاتے وقت قصہ مختصر
دیکھ خو اللہ جانے خوب تر

دنیا سے دھوکا کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب

اے کہ فاسق پر بھروسہ ہے تجھے
اس کی چکنی چپڑی جھوٹی باتوں سے

بن گیا اس کے لیے قبۂ حباب
خیمہ کسنے کے لیے ناقص طناب

دھوکے کی بجلی کا اک روشن دِیا
راہرو دیکھے نہ جس سے راستہ

دنیا اور لوگ اس کے دونوں خام کار
بے وفائی میں ہیں اک دیگر کے یار

جیسی دنیا، دنیا والے بے وفا
منھ لگے آئے مگر وہ ہے قفا

وہ جہاں نیک اور اس کے لوگ بھی
عہد و پیماں استوار ان کے سبھی

دو نبی آپس میں کیوں لڑنے لگے
چھینے کیوں اک دوسرے کے معجزے
اس جہاں کا پھل نہیں سڑتا کبھی
غم میں بدلے گی نہ عقبیٰ کی خوشی
بے وفا نفس اس لیے وہ کشتنی
وہ کمینہ اس کا قبلہ بھی دنی
لائق ان نفسوں کے ہے یہ انجمن
ہے مناسب مردے کو گور و کفن
نفس گو چالاک ہے اور نکتہ داں
مردہ جان اس کو کہ ہے وقفِ جہاں
وحیِ حق کا جب اسے پانی ملا
زندہ اک اس خاکِ مردہ سے اٹھا
وحی آنے تک ٹھہر دھوکا نہ کھا
دور رہ از خازۂ طال البقا
وہ صدا، وہ ذکر جو باطل نہ ہو
مانگ وہ سورج کہ جو آفل نہ ہو
وہ ہنر جو ہیں لطیف اور قال و قیل
قومِ فرعوں و اجل جوں آبِ نیل
وہ فسوں اور زیب زینت عزو شاں
وہ جو کھینچیں خلق کو گردن کشاں
وہ سبھی کچھ ساحروں کا سحر تھا
مارا ان کو بن کے اژدر وہ عصا
جادوؤں کو ان کے اک لقمہ گیا
صبح نے سب ظلمتوں کو چٹ کیا
نور ظلمت کو مٹا کر کب بڑھا
بلکہ جوں پہلے تھا ویسا ہی رہا
ذات جوں توں پر اثر افزوں ہوا
بڑھتی گھٹتی ذات ہوتی ہے بھلا
خلقتِ عالم سے کیا حق بڑھ گیا؟
جو نہ تھا اول نہیں اب تک بنا
ہوگیا تخلیق سے افزوں نشاں
فرق ہے افزونیوں کے درمیاں
شدتِ آثار سے وہ آشکار
آشکارا ہوں صفات اور اس کے کار
ذات کی افزونی ہے اس کی دلیل
کہ ہے حادث اور علل سے ہے علیل
ہوگیا باریک نکتہ اے رفیق
اب تو سنتا جا مقالاتِ دقیق

پس موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے، ہم نے کہا تو نہ ڈر یقیناً تو اعلیٰ کی تفسیر ہے

بولے موسیٰؑ سحر ہے حیرت کی چیز
حیف لوگوں کو نہیں اس کی تمیز
بولا حق تمیز دوں گا میں ضرور
روشنی پائے گی مجھ سے عقل کور

جب تمھارے معجزے ظاہر کروں — عقل کو دیدار سے فاخر کروں
دوں بصارت عقل بے تمیز کو — اندھا کردوں جاہلِ ناچیز کو
کف ہوان کے منھ میں دریا کی مثال — موسیٰؑ تو غالب ہے دل سے ڈر نکال
سحر تھا اک وقت وجہِ افتخار — سانپ عصا بنتے ہی دیکھی اس نے ہار
ہر کسی کو زعمِ حسن و دل کشی — ہے کسوٹی دل کشی کی موت ہی
سحر باقی ہے نہ اعجازِ کلیمؑ — شہرہ دونوں کا ہے اب تک مستقیم
سحر کی شہرت بجز لعنت نہیں — دین کی شہرت بجز رفعت نہیں
جب کسوٹی مرد و زن سے چھپ گئی — کھوٹے، تو میدان میں آج ابھی
گم کسوٹی، وقت شیخی کا ہے اب — تجھ کو ہاتھوں ہاتھ لے جائیں گے سب
جب بڑھی عزت تو ناز اس پر کیا — کیوں کسوٹی دیکھ کر کالا پڑا
قلب نخوت سے یہ بولے دم بہ دم — اے زرِ خالص میں تجھ سے کب ہوں کم
زر کہے اے میرے ہمدم یوں ہی کہہ — ہاں وہ آتا ہے محک تیار رہ
مرگِ تن تحفہ ہے اہلِ راز کا — قینچی سے نقصان زرِ خالص کو کیا
سوچتا کھوٹا اگر انجام کی — ہوتا شرمندہ خود اول وقت ہی
پہلے ہی بدشکل اپنی دیکھتا — ہوتا کب شرمندہ ہنگامِ لقا
ہوتا طالب کیمیائے فضل کا — غلبہ مکاری پہ ہوتا عقل کا
ہوگا اپنے حال سے رنجیدہ گر — رکھے خستہ جانوں کو پیشِ نظر
دیکھا انجام اور شکستہ دل ہوا — جوڑنے والوں سے فوراً جڑ گیا
مِس کو بھیجا کیمیا کی راہ پر — ہو نہ پایا کیمیا سے بہرہ ور
یہ ملمع اپنا دعویٰ چھوڑ دے — اندھا بن کر کون مولے گا تجھے
نور محشر کا اسے بینا کرے — یہ نظر بندی تجھے رسوا کرے
دیکھ انھیں آخر سے جو ہیں باخبر — حسرتِ جاں اور میں رشکِ بصر
دیکھ انھیں جو مکتفی ہیں حال پر — اصل سے فاسد کو لے لیں کاٹ کر

چھوڑ حالی کو کہ ہے مغلوب شک　　صبح صادق صبح کاذب اس کو اک
صبح کاذب نے جہاں میں اے جواں　　کردیے برباد لاکھوں کارواں
صبحِ صادق کو طلب اے عزیز　　صدق سے اس کے بنے تا باتمیز
نقد کیا وہ جس کا کھوٹا ہی نہیں؟　　وائے گر قینچی کسوٹی بھی نہیں
لوٹ کر پھر لے تو اب راہِ غلام　　جس نے لکھا اپنے شہ کو خوش پیام

جھوٹے مدعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیا و اولیا کی پیروی کا حکم دینا

بو مسلم نے کہا ہوں خود نبی　　الٹوں پلٹوں دین احمدؐ کو خود ہی
بو مسلم سے یہ کہہ اکڑا نہ کر　　دیکھ آخر، ناز بس آغاز پر
خواہشِ زر میں کہاں کی رہبری　　پیروی کرتا کہ پائے روشنی
شمع مقصد کو دکھائے گی عیاں　　بولے پھندا ہے اِدھر دانہ وہاں
تو نہ چاہے بھی رہے گا پا چراغ　　دیکھ لے گا باز یہ ہے اور وہ زاغ
کوّے مکاری بھی گر روشن کریں　　بولی اجلے باز کی بھی سیکھ لیں
بانگ ہدہد کی اگر سیکھے قطا　　رازِ ہدہد ادھر کہا نامہ سبا
اعلیٰ نقلی پر ہیں ان میں فرق کر　　دیکھ ہد ہد ہے اِدھر وہ تاجور
رازِ درویشاں، رموزِ عازماں　　بولتی ہے بے حیاؤں کی زباں
قومی جو بھی ہیں ہلاکت کا نشاں　　عود کا پتھر پہ تھا ان کو گماں
تھی تمیز ان میں بتاتی برملا　　حرص نے پر اندھے بہرے کردیا
رحم کے قابل ہے کوری کور کی　　حرص کی کوری نہ بخشی جائے گی
در رحمت سے نہیں شاہی سزا　　بخششِ حاسد سزا سے نا سزا
دیکھ مچھلی! خوب کانٹا ہے چھپا　　خلقِ بد نے تجھ کو اندھا کردیا
دیکھ دو آنکھوں سے انجام ابتدا　　جس طرح ابلیس کا نا بن نہ جا
کانا وہ جو حال پر ہی بس کیا　　پیش و پس سے بے خبر حیوان سا

گائے کی دو آنکھ کے اتلاف پر ڈنڈ میں بس ایک ہی چشمِ بسر
گر اکھیڑے ایک آنکھ انسان کی آدھی قیمت شرع سے ہے لازمی
آنکھ اکیلی ایک انساں کی اِدھر کام کرتی ہے بے دو چشمِ دگر
ابتدا میں خر نہ دیکھے انتہا کانا ہے دو آنکھ اگر ہو بھی تو کیا
ہے کہاں حد اس سخن کے واسطے پگلا لکھا رقعہ روٹی کے لیے

روزی کی طلب میں غلام کے رقعہ لکھنے کا بقیہ قصہ

قبلِ خط نگرانِ مطبخ سے ملا بولا تو کنجوس اور شہ پُر سخا
شاہ کیسا اور اس کی شان کیا میری روزی پر یہ اس کا دھیان کیا
مصلحت پر ہے وہ فرمانِ شہی بخل کے باعث، نہ مجبوری کوئی
لغو یہ باتیں قسم اللہ کی ہے نظر میں شہ کی مٹی سونا بھی
عذر لائے خانساماں نے کئی حرص سے پر رد کیے اس نے سبھی
پھر بھی کھانا صبح کا کم ہی ملا گو بہت بے سود وہ بکتا رہا
بولا قصداً کرتے ہو تم یہ تمام بولا نہ نہ حکم کے ہم ہیں غلام
شاخ کے کیوں کام ہیں سب اصل کے قوس مطعوں، تیر بازو سے چلے
مَـــا رَمَیْـــتَ اِذْ رَمَیْـــتَ ہے بجا کار حق ہے پس نبی کی کیا خطا؟
پانی خود ہی گدلا ہے اے خیرہ سر دیکھ آخر پہلے آنکھیں کھول کر
پُر غم اور غصہ سے اپنے گھر چلا شاہ کو پُر غصہ اس نے خط لکھا
خوبیاں خط میں گنائیں شاہ کی اور پرویا موتیوں کی اک لڑی
ابر و دریا سے سوا دستِ سخا حاجتیں مانگے تو اے حاجت روا
ابر تو دیتا ہے ، پھر روتے ہوئے خواں تو دیتا ہے ہنستے ہاتھ سے
خط بظاہر مدح سے مملو تھا پر مدح سے پیدا تھا غصہ کا اثر
ہیں ترے کام اس لیے محروم نور کہ تو فطری نور سے رہتا ہے دور

کام ناکاروں کا ہوتا ہے خراب
ان سے سڑ جاتے ہیں تازہ پھل شتاب

کھوٹ لاتی ہے یہ زود تر
ہے وجود اس کا بگڑنے بننے پر

سینے دھلتے ہی نہیں مدح سے
کیوں کہ مدّاح دل میں ہیں کینہ لیے

کینہ و نفرت اے دل پاک ہو
مدح کرتے بعد ازاں چالاک ہو

دل میں کینہ ہو زباں پر ہو ثنا
یہ سراسر مکر یا افسوں ہوا

بولے حق ظاہر پہ کیوں جاؤں گا
جو بھی ہو باطن میں اس کو پاؤں گا

اس تعریف کرنے والے کی حکایت جو آبرو کی خاطر ممدوح کا شکریہ ادا کرتا تھا اور اس کے باطنی رنج وغم کی بو اس کی گدڑی کے پرانے ہونے کی وجہ سے ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ تمام شکریے شیخی اور جھوٹ تھے

آیا گدڑی والا از سمتِ عراق
دوست پوچھے اس سے احوالِ فراق

بولا ہاں یہ ہے جدائی اک سفر
مجھ کو ہے مسعود، لائی خوش خبر

خلعتیں دس شہ نے کیں مجھ کو عطا
بول بالا حق کرے اس کا سدا

شکر کا اندازہ وہ کرنے لگا
تا ہو شکر اندازے کی حد سے سوا

لوگ بولے بس یہ حالِ بد ترا
تیری جھوٹی باتوں پر خود یہ گوا

جسم ننگا، سر بھی ننگا، تو چلا
شکر ہے چوری کا یا سیکھا ہوا

شکرِ آقا کی علامت ہے کدھر
تیرے بے توقیر سر اور پاؤں پر

گو زباں سے شکرِ شہ کرتا ہے تو
ہے شکایت تیرے ہفت اندام کو

یہ سخاوت ہے ترے سلطان کی
جوتا پایا ہے نہ تو شلوار ہی

جو دی اس نے کیا صدقہ سبھی
کی نہ دلجوئی میں شہ نے کچھ کمی

لیں عطائیں شاہ کی میں نے سبھی
دیں یتیموں اور فقیروں کو سبھی

مال دے کر میں نے لی عمرِ دراز
تا بنوں بدلے میں اس کے پاکباز

ہو مبارک مال جو صدقہ کیا
پر دھواں باطن میں، اور کیوں غلغلہ

تیرے باطن میں ہے نفرت مثلِ خار
غم بشارت ہوگا پھر کیوں کر شمار

ہے نشانِ عشق و ایثار و رضا
ہے اگر سچ وہ جو کچھ تو نے کہا

مال بخشا باعثِ بخشش کہاں
سیل گزرا پر کہاں اس کا نشاں

آنکھ تھی تیری سیہ و جانفزا
گر نہ ہو کالی تو پیلی کیوں بھلا؟

پاکبازی ہے کہاں اے ترش رو
چپ، کہ شیخی کی ہمیں آتی ہے بو

سو نشاں باطن میں ہیں ایثار کو
اور علامت سو نیکو کار کو

گر کبھی ایثار میں دولت گئی
پائے باطن اس سے صدہا زندگی

گر تو ارض اللہ میں کھیتی کرے
بیج بوئے، اور حاصل کچھ نہ لے

ایک دانے کے نہ ہوں سو دانے گر
صحنِ ارض اللہ کی وسعت پھر کدھر

اصل ارض اللہ ہے قلبِ عارفاں
وہ ہے بے پست و بلندِ لامکاں

ہُو کے باغوں سے نہ گر خوشہ ملے
واسع ارض اللہ کوئی کیوں کہے

چوں کہ فانی ارض بے حاصل نہیں
کس قدر ہوگی وسیع حق کی زمیں

اس کے حاصل کی ہے کیا حد کیا شمار
سات سو دانہ جو ہو ادنیٰ شمار

حمد کی، کیا ہے ثنا گر کا نشاں
تیرے باطن سے نہ ظاہر سے عیاں

ہے خدا کو ٹھیک عارف کی ثنا
شاہد اس کی حمد کے ہیں دست و پا

اس کا تن چھوٹا چہ تاریک سے
ہے نشانِ حمد اس کے دوش پر

چھوٹ کر دنیائے فانی سے چلا
در کنارِ نہر و بستاں جا بسا

وہ سریرِ سِرّ اعلیٰ کا مقام
پائے رتبے، مجلسی، درجے تمام

سچ کی بیٹھک وہ کہ صدیق جہاں
ہیں سبھی سرسبز و تازہ شادماں

حمد جوں حمدِ چمن وقتِ بہار
سو نشانے اس کے، صدہا گیرودار

بیل بوٹے، چشمے، ہریالی وہاں
سب نگارستاں و باغ و بوستاں

ہر طرف لاکھوں گواہِ یک دِگر
جس طرح اک سیپ پر شاہد گہر

بو تری سانسوں میں لہسن کی اِدھر
رنج و غم رخشاں ترے رخسار پر

ہیں یہاں ماہر کہ پا لیتے ہیں بُو	چھوڑ شیخی باز یہ سب ہائے و ہُو
مشک سے تو مت چھپا بوئے پیاز	تیری سانسوں سے خود ظاہر ہے راز
کیا کہا گلقند کھایا اور بُو	آئے لہسن کی، یہ گپ ہے چھوڑ تو
دل ہے گویا ایک عالیشاں مکاں	خانۂ دل کے پڑوسی ہیں نہاں
کھڑکیوں اور روزنِ دیوار سے	مطلع ہوتے ہیں وہ اسرار سے
روزن ایسے وہم بھی جن کا نہ ہو	صاحبِ خانہ کو بھی خطرہ نہ ہو
ہے عیاں قرآں سے دیو اور اس کی آل	خفیہ پا لیتے ہیں انسانوں کا حال
اس کے رستوں کا بشر کو کیا پتہ	صورت و ادراک سے وہ ماورا
پنیشن ناقد فخر دھوکے پر نہ کر	لاف کیوں کھوئے کسوٹی ہے اِدھر
ہیں محک پر فاش سب کھوٹے کھرے	چشم و دل کی حق نے دی دولت اُسے
باوجودِ گندگی شیطاں اگر	سب ہمارے راز کی رکھے خبر
جانتا ہے راستے پوشیدہ سب	سرنگوں ہم اس کی چوری کے سبب
خبط، نقصاں وہ دکھائے ہر گھڑی	درد دکھ میں اس سے تن بھی جان بھی
خبط نقصاں اس کے باعث ہر کبھی	کھڑکی، سوراخ اس کے قبضے میں سبھی
پس جو روشن دل ہیں وہ کیوں کر ادھر	حالِ پنہاں سے رہیں گے بے خبر
کیا ہے شیطانوں سے کم ان کا اثر	روحیں وہ جن کے ہیں خیمے چرخ پر
سوئے گردوں جب چلے شیطاں چھپے	تو شہاب ان کو ٹھکانے کو چلے
سرنگوں یوں چرخ سے وہ آ رہے	زخم کھا کر جوں شقی رن میں گرے
پیاری روحوں سے حسد کی وجہ سے	اوندھے وہ افلاک سے پھینکے گئے
لنگڑا، لولا، کور بھی ہے تو اگر	پر گماں ایسا بزرگوں پر نہ کر
چھوڑ شیخی، شرم کر، جاں کھو نہ دے	ہیں کئی جاسوس اس تن کے پرے

خدائی طبیبوں کا معلوم کر لینا دل اور دین کی بیماریوں کو مزید اور اجنبی کے چہرے سے اس کی بات کے لہجے اور آنکھوں کی رنگت سے اور اس کے بغیر بھی دل کے راستے سے کیونکہ وہ دل کے جاسوس ہیں اور ان کی ہم نشینی سچائی سے کرو

یہ حکیمانِ بدن دانا بڑے — تجھ سے بہتر جانتے ہیں وہ تجھے
حال تیرا ان کو قارورہ بتائے — ویسا تو اپنا مرض خود بھی نہ پائے
نبض سے رنگت سے تیری سانس سے — لے کے بُو علت کو تیری پائیں گے
جو ہیں حکمائے الٰہی، اس لیے — تیری علت کیوں نہ جنیں بن کہے
نبض تیری، آنکھ تیری تیرا رنگ — علتیں پائیں گے ان سے بے درنگ
چونکہ حکمائے بدن ہیں مبتدی — ہے ضرورت ان سبھی آیات کی
لیک کامل نام تیرا سنتے ہی — تا بہ تار پود پالیں گے سبھی
بلکہ پیدائش سے سالوں پیشتر — ہوتے ہیں حالات سے وہ با خبر
جانتے ہیں حال تیرا مو بہ مو — کیوں کہ ہیں دانندۂ اسرار ہُو

حضرت بایزید قدس سرہٗ کا حضرت ابوحسن خرقانی کی پیدائش کے بارے میں سالوں قبل خوشخبری دینا اور ان کی صورت سیرت کا پوری طرح نشانی دے دینا اور ان کی تصدیق کے لیے تاریخ نویسوں کا اس کو لکھ لینا

داستانِ بایزیدؒ آ سن ذرا — بوالحسنؒ سے قبل جو معلوم تھا
شاہِ تقویٰ کچھ مریدوں کو لیے — دشت اور صحرا کی جانب چل دیے
آئی خوشبو راستے میں ناگہاں — سرحدِ رے میں ز سمت خارقاں
آہِ مشتقانہ کی اٹھی صدا — اور ہوا سے لوٹے خوشبو کا مزا
کھینچی وہ خوشبو بجذبِ عاشقی — اور اٹھائی لذت اس سے بادہ کی
منجمد پانی سے پر جو کوزہ تھا — بوند میں کوزے پر پسینہ سا لگا

جم کے سردی سے تھی پانی وہ ہوا — کوزے میں عالم اسی سردی کا تھا
وہ ہوا خوشبو کی پانی بن گئی — پانی بھی ان کو شرابِ ناب ہی
حال مستی کا ہوا ان پر عیاں — اک مرید ان کا تبھی پہنچا وہاں
پوچھا ان سے آپ کا حالِ طرب — فہم سے بالا ہے کیا ہوگا سبب؟
چہرہ گہ سرخ گاہ زرد و گہ سفید — کیا ہے یہ حالت یہ کیسی ہے نوید
سونگھتے ہو بوئے گُل پر گُل نہیں — یہ مہک ہے باغِ غیبی کی یقیں
اصل حاجت تم ہو حاجتمند کی — پاتے پیغام غیبی ہر گھڑی
سونگھتے ہو ہر گھڑی یعقوبؑ وار — جس طرح یوسفؑ کی بوئے خوشگوار
ایک قطرہ اس سبو کا ہم کو بھی — اُس چمن کا حال تھوڑا ہی سہی
پیارے آقا! یہ نہیں بھاتا ہمیں — آپ پیتے جائیں ہم پیاسے رہیں
اے ہمارے چرخ پیما تیز رو — آپ کی جھوٹی ہمیں اک گھونٹ دو
سیرِ مجلس جب نہیں کوئی دِگر — کون دیکھے ہم کو اے شہ اک نظر
چھپ چھپائے میکشی یوں کیا ضرور — کرتی ہے میکش کو یہ رسوا ضرور
ہاں چھپا سکتے ہیں پی کر مے کی بُو — کیا چھپا سکتے ہیں چشمِ مست کو
یہ نہیں بو چھپ رہے جو خلق میں — اور پردے لاکھوں اس پر ڈال دیں
بُو سے سب دشت و بیاباں بھر گئے — اور وہ پہنچی آسمانوں سے پرے
منھ کو کہگل سے نہ ڈھانکا جائے گا — ننگا یہ پوشش نہیں اس کو سزا
راز کو اے راز داں کر آشکار — باز نے تیرے کیا یہ ہے شکار
بولے آئی ہے مجھے اک طرفہ بُو — جوں یمن سے بو رسول اللہؐ کو
بولے آقاؐ ہمرہِ بادِ صبا — اب یمن سے آتی ہے بوئے خدا
آئی بُو رامین کو از جانِ ویس — نکہتِ رحمٰن بھی آئی از اویس
تھی قرن سے وہ اویسی بُو عجب — کر گئی احمدؐ کو مست و پُر طرب
کھودیے ہستی اویس اپنی جہاں — بن گئی ہے وہ زمیں خود آسماں

گر ہلیلہ قند میں پلنے لگے | خود میں جو تلخی تھی وہ کھو کر رہے
گر ہلیلہ کھو رہے اپنی خودی | مٹ چلے تلخی بچے اک شکل کی
شخص وہ جس نے بھلا ڈالی خودی | خود خودی اپنی مٹا ڈالا وہی
لوٹ آ ہے یہ بیاں بے انتہا | دیکھ اس نے وحی پاکر کیا کہا

شاہ بایزید قدس سرہٗ کا جواب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے ہم معنی کہ میں یمن کی جانب سے خدائی سانس محسوس کرتا ہوں

بولے آتی ہے اِدھر سے بوئے یار | آئے گا اس گاؤں میں اک شہر یار
بعد چند اک سال کے آئے گا شاہ | اور کرے گا آسماں پر شیمہ گاہ
جوں گلِ گلزار حق چہرہ رہے | مجھ سے اونچا اسے رتبہ ملے
پوچھے نام اس کا تو بولے بوالحسن | حلیہ بھی بتلائے ابرو تا ذقن
گال اس کے رنگ بھی اور شکل بھی | بولے زلف و گال کی بات آپ ہی
روح کی حالات بھی بتلا دیے | اور صفات و راہ و جائے بود سے
حلیہ تن کا جیسے تن ہے مستعار | اک گھڑی کا ہے نہیں، اس کا شمار
حلیہ فانی ہے طبیعی روح کا | مانگ وہ جاں جو ہے بالائے سما
روشنی سورج کی گھر میں ہے مگر | ٹکیا اُس سورج کی ہے افلاک پر
پھول نیچے ناک کے پاتے ہو پر | تالو تک خوشبو ہے اندر مغز و سر
خفتہ کو محسوس عدن میں تھا جو ڈر | تر سینے سے کیا اس کا اثر
پیرہن تھا مصر میں رہنِ حریص | چار سو کنعاں میں پائے قمیص
اور تبھی تاریخ اک لکھی گئی | تھی کبابوں سے مزین شیخ بھی
آ گیا وہ وقت اور تاریخ جب | ہوگیا پیدا زمیں پر شاہ تب

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کا شیخ بایزید کی وفات کے بعد اس تاریخ کو پیدا ہونا اللہ تعالیٰ ان کی روح کو راحت پہنچائے

ہو کے پیدا کھیلی بازی ملک کی کی سواری مرکبِ ہستی پہ بھی
آیا ہے وہ شہِ پس مدت مدید بوالحسنؒ بعدِ وفاتِ بایزیدؒ
جو نشاں بتلائے فرق ان میں نہیں ہیں سبھی ویسے ہی شہ نے جوں کہیں
لوحِ حق خود جب ہو اس کی رہنما وہ لکھا محفوظ، محفوظ از خطا
یہ نہیں رمل و نجوم اور خواب وحیِ حق واللہ اعلم بالصواب
تا نہ ہو یہ عام لوگوں پر عیاں وحیِ دل کہتے ہیں اس کو صوفیاں
وحی دل ہاں: دل ہے منظر گاہِ حق بے خطا ہے دل کہ ہے آگاہِ حق
اے تو مومن، دیکھے نوراللہ سے ہے مبرّا وہ خطا اور سہو سے

اس غلام کی روزی کی کمی کی حکایت کی طرف رجوع اور اس کا بیان کہ صوفی کے دل و جان کی روزی خدائی کھانے سے ہوتی ہے

فقر سے غمگیں ہوا صوفی جہاں فقر ہوگا دایہ و روزی رساں
کیوں کہ جنت ہے مشقت کا صلہ رحم حصہ عاجز واشکستہ کا
کبر سے کچلے جو سر مخلوق کا خلق خوش نے موجبِ رحمِ خدا
اس سخن کا حد نہیں ہے وہ جواں ہوگیا قلت سے ناں کی ناتواں
مرحبا صوفی ہو جس کا رزق کم پوتھ اس کا ہوگا موتی اور وہ بم
جو ہے آگاہ قربِ رزقِ خاص سے قرب کے لائق ہے روزی گہ بنے
روح کی روزی میں آئے کمی جاں لرز جائے گی نقصاں سے تبھی
جان لے گا کچھ گنہ سرزد ہوا کھِل نہ پایا جس سے گلزارِ رضا
جیسے وہ کھیتی سے نقصاں دیکھ کر کھیت مالک کو دے خط سے باخبر

حاکم دانا کو خط اس کا ملے — وہ پڑھے خط پر جواب اُس کا نہ دے
بولے ڈرتا ہوں، نہ ہو روزی خراب — جز خموشی کیا ہے احمق کا جواب
ڈر نہیں اس کو فراق و وصل کا — جڑ سے غافل جم کے ڈالی سے رہا
پگلا ہستی اور انا میں مبتلا — جڑ کو چھوڑا ڈالیوں میں کھوگیا
سیب سمجھو یہ زمین و آسماں — نخلِ قدرت سے ہوا ہے جو عیاں
جیسے کیڑا سیب کا تو اس میں گھر — کی دغا مالی سے اور وہ بے خبر
وہ بھی اک کیڑا ہے تجھ سا ہی مگر — وہ بروں اُس کا علم بالائے سر
پھاڑتا ہے وہ عیاناً سیب کو — سیب سہہ سکتا نہیں آسیب کو
لائے جنبش اس کو پردے پھاڑ کر — اژدہا وہ کرم لگتا ہے مگر
اول آہن سے جو نکلے گا شرر — وہ قدر رکھتا ہے باہر ست تر
دایہ اول اس کی روئی انتہا — شعلہ اس کا پہنچے تا اوجِ سماء
کھانے پینے سے بشر کی ابتدا — اور فرشتوں پر تفوق انتہا
روئی اور گندھک میں پاتا ہے اماں — نور چھولیتا ہے اٹھ کر آسماں
عالمِ تاریک کو روشن کرے — گُندہ لوہے کا اکھاڑے سوئی سے
تن سے میلے موصوف اگرچہ آگ بھی — روح ہے نے روح سے نسبت کوئی
جسم عزت سے نہیں پر بہرہ یاب — بحرِ جاں کے آگے تن جوں قطرہ آب
جاں کے باعث جسم کو حاصل نما — جاں نہ ہو تو دیکھ تن ہوتا ہے کیا
ایک دو گز سے بڑھ کے آخر تن کہاں — جان کی جولانیاں تا آسماں
تا سمرقند بلدۂ بغداد سے — جان کو صرف آدھا قدم ہے جان لے
سات ماشے آنکھ کی تیری پرواز — نورِ جاں کی آسماں تک تر کتاز
دیکھے تو آنکھیں بنا ہنگامِ خواب — بے بصارت آنکھ ہوتی ہے خراب
جاں کو داڑھی مونچھ کب درکار ہے — تن اگر بے جان ہو مردار ہے
روحِ حیوانی کا یہ عالم رہا — دیکھ رتبہ روحِ انسانی ہے کیا

چھوڑ انساں اور اس کے قال و قیل
تا لبِ دریائے جانِ جبرئیل

تیری افزونی سے احمدؐ در عجب
پس قدم جبریلؑ بھی ہیبت سے اب

اک کماں بھی گر تری جانب بڑھوں
بولے خاکستر میں دم بھر میں بنوں

اس بیاباں کے نہ پاؤں اور نہ سر
بے جواب خط ہے غمگیں وہ پسر

بادشاہ کی جانب سے رقعہ کا جواب نہ آنے سے اس غلام کا پریشان ہونا

ہوگیا حیراں نہ آیا جب جواب
غم سے گدلا ہوگیا وہ صاف آب

رکھ اب خواب و قرار اس کو جنوں
رات دن تھا فکر میں وہ سرنگوں

اے عجب شہ سے نہ آیا کیوں پیام
یا کہ قاصد نے بگاڑا ہے یہ کام

شہ کو دکھلایا نہ ہوگا خط مرا
وہ منافق، آب زیرِ کاہ تھا

آزمانے دوسرا خط اک لکھوں
انتخاب اب قاصد دیگر کروں

شاہ پر قاصد پر اور نگران پر
جہل سے الزام تھوپا بے خبر

ایسے نیک و بد سے آپ ہی بے خبر
چال ٹیڑھی، پیش بت خم اس کا سر

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تختِ پران کی لغزش کی وجہ سے ہوا کا ٹیڑھا چلنا

کج ہوا تختِ سلیمانؑ پر چلی
بولے بس اے باد چال الٹی تری

باد بولی تم بھی ٹیڑھے مت چلو
گر ہو چلنا ہم پہ غصہ مت کرو

یہ ترازو حق کی قائم کردہ ہے
تاکہ ہو انصاف سے ہر امر طے

تول اگر تم کم کرو، میں کم کروں
تم اُجالا مجھ کو دے میں تم کو دوں

آئی جب تاجِ سلیمانؑ میں کجی
رات روشن دن پہ غالب آگئی

نہ ڈھل جاتا تاج میرے فرق سے تو
نہ کھوجا مہر میرے شرق سے تو

ٹھیک کرتے تاج کو وہ ہاتھ سے
ٹیڑھا ہوجاتا تھا وہ پر بن کیے

سیدھا کرنے پر کج آٹھ بار
بولا مت کر تو کجی کو اختیار

بولا تو سو طرح بھی سیدھا کرے   کج رہوں جب تک کجی تجھ میں رہے
ٹھیک باطن کو سلیماں نے کیا   سرد ان کے دل کا جذبہ پڑ گیا
بعد قصداً ٹیڑھا کرتے تھے اُسے   تاج ہو جاتا تھا سیدھا آپ سے
آٹھ بار اس کو کیے ٹیڑھا مگر   ہوگیا سیدھا وہ ان کے فرق پر
شاہ بولے اے تاج یہ اب کیا ہوا   سیدھا تو میں آزمانے کج کیا
تاج بولا فخر کیجیے اے شہا   خاک جھاڑی پر سے ہوجا پرکشا
حد سے گزروں یہ نہیں رخصت مجھے   چاک کردوں تا کہ پردے غیب کے
بند کردو میرا منھ تم ہاتھ سے   ناسزا باتوں سے تاکہ بچ سکے
ہر کوئی غم تجھ کو جو تکلیف دے   تجھ سے ہے، دیگر پہ تہمت کس لیے
غیر پر ہرگز نہیں کرنا گماں   شہ کے نوکر نے کیا جیسا گماں
گاہے قاصد گاہے نگراں پر خفا   اور نشانہ گاہے شاہِ پُر سخا
چھوڑ کر موسیٰؑ کو چوں فرعون نے   خون بچوں کا بہایا قوم کے
کور دل کے گھر میں دشمن بس گیا   اور ان اطفال کا خوں کردیا
تونے بھی اوروں سے کی کھل کر بدی   باطناً بد نفس سے کی دوستی
خود عدو کو اپنے دیتا ہے شکر   ڈالتا ہے تہمتیں اوروں کے سر
کور دل فرعون سا ہے تو بھی کور   خوش عدو تیرے تو رسوا بے قصور
مارے کب تک بے گنہ فرعون تو   اور نوازے جسمِ پر تعزیر کو
عقلِ شاہاں سے تھی عقل اس میں وفور   حکمِ حق نے کردیا بے عقل و کور
مہر حق کی چشم و گوش و عقل پر   ہوگا حیواں، ہے فلاطوں بھی اگر
لوح پر ہوتا ہے حکمِ حق عیاں   جیسے بسطامیؒ پہ ہوگا وہ نہاں

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے پیدا ہونے اور احوال کی پیدا ہونے سے قبل خبر کو سننا

بوالحسنؒ نے اس کو لوگوں سے سنا   جیسے وہ فرمائے تھے ویسا ہوا

کہ حسن ہوگا مرید و امتی
پائے گا تعلیم مرقد سے مری

پر سحر آکر پڑھے گا وہ سبق
خاک سے میری بنے گا پیر حق

بولے ویسا خواب دیکھا میں نے بھی
اور روحِ شیخ بھی بولی وہی

ہر سحر دوڑے چلا میں بے فتور
بیٹھا ان کی قبر پر بھی باحضور

ہر سحر رخ میرا ہوتا سوئے گور
چاشت تک رہتا کھڑے ان کے حضور

آتی شکل آخر مثالی شیخ کی
اور پگھل جاتی بنا کچھ بولے ہی

آ گیا اک روز جب وہ نیک پئے
قبروں پر وہ عالم میں یخ بستہ ہے

توبہ تو وہ برف کے ٹیلے بڑے
جان پُرغم تودے تودے دیکھ کے

آئی زندہ شیخ والا سے صدا
ہاں بلاتا ہوں تجھے میں پاس آ

ہاں مری آواز کی جانب تو آ
برف سب ہوجائے تو مجھ سے نہ جا

ہوگیا حال ان کا خوب اس روز سے
سب عجوبے دیکھے جو سنتے رہے

چاہیے پھر لوٹنا سوئے غلام
اب بس اس قصہ کو کرنا ہے تمام

جب کہ پہلے رقعہ کا جواب نہ آیا اس غلام کا بادشاہ کو پیش کرنے کے لیے دوسرا رقعہ لکھنا

دوسرا اک خط لکھا وہ بدگماں
اس میں سب فریاد اور شور و فغاں

شہ کو بھیجا تھا سندیسا اک بجا
کچھ پیام اس کا نہ بھیجا چپ رہا

دوسرا خط بھی پڑھا وہ خوش لقا
پر جواب اس کا ندارد چپ رہا

ہورہا اس پر بھی چپ وہ شہر یار
گو کہ لکھے اس کو رقعے پانچ بار

بولا درباں آخر اپنا ہے غلام
ہے مناسب بھیجئے اس کو پیام

کیا شہی میں تیری آئے گی کمی
ہو اگر اس پر نظر اک لطف کی

ہاں بجا لیکن ہے وہ احمق بڑا
زشست ردّ کردہ ہے اللہ کا

بخش دوں گا اس کی ہر لغزش خطا
وہ مرض اس کا مجھے لگ جائے گا

خامشی سے سو کو خارش گھیر لے
خاص کر ناپاک اک بے عقل سے

کھجلی یہ کافر کو بھی لگنے نہ پائے — اس کی بدبختی سے بادل سوکھ جائے
شومی اس کی، ابر برسائے نہ آب — اس کی بدبختی سے آبادی خراب
احمقوں سے نوحؑ کا طوفان بھی — اور تبہ رسوائی سے عالم سبھی

پیغمبر علیہ السلام کا عقلمند کی تعریف کرنا اور احمق کی مذمت

بولے پیغمبرؐ ہے احمق جو کوئی — دشمن اپنا ہے وہی، رہزن وہی
جو بھی عاقل ہے وہ اپنی جان ہے — روح و ریح اس کی ہمیں ریحان ہے
میں ہوں راضی عقل اگر گالی بھی دے — بہرہ ور ہے وہ جو میرے فیض سے
اس کی گالی بھی نہیں بے فائدہ — اس کی مہمانی نہیں بے مائدہ
حلوا بھی احمق اگر منہ میں رکھے — اس کے حلوے سے بخار آنے لگے
گر تو ہے پاک اور روشن کر یقیں — خر کی دم کے بوسہ میں لذت نہیں
گندی مونچھوں کو کرے بے فائدہ — جامہ کالا دیگ سے بے مائدہ
مائدہ ہے عقل نے نان و کباب — جان کو نورِ خرد ہی ہے شراب
کیا ہے غیر از نور آدم کی غذا — ہے اسی سے جان کی نشو و نما
رفتہ رفتہ کھانوں کو تو ترک کر — مالِ خُر وہ، یہ غذا خوراکِ خر
لائق خوراکِ اصلی تا بنے — نوش کرنا پھر یہ لقمے نور کے
نور کا پرتو تھا وہ جاں بن گیا — جان ہے جاں فیض ہے اُس جان کا
کھائے گر اک بار تو خوراکِ نور — نذر مٹّی کو کرے نانِ تنور
چھوڑ بک بک، عقل ہے اس پر فدا — راستہ ہے صاف پھر کیوں خستہ پا
عقل دو ہیں، ایک حاصل کی ہوئی — درس گہ سے پاتے ہیں بچے سبھی
ذکر و فکر و مکتب اور استاد سے — عمدہ عمدہ علم اور معنی نئے
عقل اوروں سے تری ہوگی زیاد — بوجھ بھاری ہے مگر رکھنے کا یاد
لوحِ حافظ اس کو دہراتے بنے — لوحِ محفوظ اس سے گر آگے بڑھے

عقلِ دیگر بخششِ یزداں ہے بس   چشمہ اس کا درمیانِ جاں ہے بس
اُبلے سینہ سے اگر دانش کا آب   ہوگا پیلا نہ پرانا نے خراب
منبع کا منھ بند ہو بھی کیا ہے غم   کھولتا ہے آب اندر دم بدم
عقل کسبی نہر ہے گویا کوئی   جوڑنے تالاب سے گھر تک چلی
راہ میں بندش سے ٹھہری بے نوا   چشمہ کے اندر رکاوٹ ہوگی کیا
اپنے باطن میں طلب کر چشمہ کو   تا رِہا ہوجائے ناکاروں سے تو

ایک شخص کا قصہ جو ایک شخص سے مشورہ کرتا تھا اس نے کہا کہ کسی دوسرے سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں

مشورہ کرتا تھا شخص اک اور سے   توڑے بندش تا تردّد سے بچے
بولا مجھ کو چھوڑ اسے خوش نام جا   کر کسی دیگر سے اب تو مشورہ
میں ترا دشمن ہوں مجھ سے رکھ نہ کار   کون عدو کی رائے سے ہوگا کامیاب
ڈھونڈ اسے جو دوست ہوگا تیرا جا   یار بے شک یار کا ہے خیر خواہ
میں عدو ہوں پائے گا مجھ میں کجی   لا محالہ میں کروں گا دشمنی
بھیڑیے سے پاسبانی طلب   ہو طلب بیجا تو ہے کوئی طلب؟
شک نہیں اس میں ترا دشمن ہوں میں   راہ کب دکھلاؤں گا رہزن ہوں میں
جو بھی ہوگا ہم نشینِ دوستاں   پائے آتش دان میں بھی بوستاں
جو بھی اس جا ہیں عدو کے ہم نشیں   بوستاں میں بھٹی اندر ہیں وہیں
دوست کو دکھ تو تو مَیں مَیں سے نہ دے   دوست خود دشمن نہ تیرا ہوسکے
کر بھلائی خلق میں بہرِ خدا   یا قرارِ جاں کی خاطر کر بھلا
تا کہ یار آئیں نظر ہرسو تجھے   تا نہ آئیں دل میں اندیشے ترے
چونکہ کی ہے دشمنی پرہیز کر   مشورت با یارِ مہر انگیز کر
بولے واقف تجھ سے ہوں اے بوالحسن   تیری میری یہ عداوت ہے کہن

پھر بھی تو ہے عقلمند و معنوی | کجروی سے عقل مانع ہے تری
چاہے دل دشمن سے بدلہ تا کہ لے | عقل باندھے نفس کو زنجیر سے
عقل بڑھ کر منع کرتی ہے تجھے | وہ نگراں نیک و بد کے واسطے
عقلِ ایمانی ہے عادل حکمراں | شہرِ دل کی کوتوال و پاسباں
جس طرح بلّی ہے وہ بیدار ہوش | چور سوراخوں میں پنہاں جیسے موش
ہاتھ اگر چوہے بڑھاتے ہیں کہیں | گر ہو بلّی مار دیتی ہے وہیں
شیرِ شیر افگن ہے وہ گربہ کہاں | عقل ایمانی جو دل میں ہے نہاں
غرّہ اس کا حاکمِ درندگاں | نعرہ اس کا مانعِ چرندگاں
جامہ کن اور چور ہیں ہر سو سنو | شہر میں کوتوال حاضر ہو بہو
عقل تن میں حاکمِ ایمان ہے | اس کے ڈر سے نفس در زندان ہے
عقلِ عقل و جانِ جاں اے جاں تو ہی | عقل و جانِ خلق کا سلطاں تو ہی
تو ہے عقلِ کل کو حیرت کا سبب | زیرِ فرماں جس کو موجودات سب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو لشکر کا سردار بنانا جس میں بوڑھے اور جنگ آزمودہ تھے

بھیجا اک لشکر رسول اللہؐ نے | کافروں کو دفع کرنے کے لیے
اک ہذیلی نوجواں کو چن لیا | اور علمبردارِ لشکر کرلیا
انحصار فوج ہے سالار پر | قوم بے سرور ہے تن محرومِ سر
یہ جو مردہ اور پژمردہ رہا | کیوں کہ رد سالار کو تونے کیا
سستی اور تیری بخیلی و انا | سرکشی کی اور خود سرور بنا
بوجھ سے جس طرح بھاگے کوئی خر | اور کرے کہسار کی جانب سفر
پیچھے دوڑے صاحب اے بیہودہ خر | تاک میں ہیں بھیڑیے ہرسو ادھر
ہوگا غائب تو جو آنکھوں سے مری | گرگ ہوں گے پیٹھ پر ہر سو تری

ہڈیاں تیری چبائے جوں شکر منھ نہ دیکھے زندگی کا بے خبر
بھوکا مرجائے گا تو ایسا نہ کر آگ بجھ جائے نہ ہو ایندھن اگر
میرے قبضے سے نہ ہرگز بھاگ جا بوجھ ڈالا ہے کہ ہوں پیارا ترا
نفس غالب تجھ پہ تو کہلائے خر غلبہ جس کا ہے رہے اس پر نظر
خر نہیں حق نے تجھے گھوڑا کہا اور بلانے کو تعال، آ آ کہا
اور نگراں اصطبل کے مصطفیٰ بہرِ حیوانات نفسِ پر جفا
بولو ''آؤ'' پیار سے حق نے کہا متقی ہوں، تا سکھاؤں اتقا
کرتا تھا مرتاض لوگوں کو جہاں کھائیں ان چوپایوں کی دولتیاں
پس ریاضت کوش ہوتے ہیں جہاں کھانی پڑتی ہی وہاں دو لتیاں
اغلب اس میں امتحانِ انبیا خام لوگوں کو سدھانا ہے بلا
سست رو ہو، تیز رو مجھ سے بنو جہد سے تا مرکبِ شہ بن سکو
بولو آؤ بولو آؤ رب کہے گھوڑے ہو بازی کے کیوں ہو دل بجھے
بولو آؤ بولو آؤ اللہ نے کہا تم ہو گھوڑے رگ فسردہ، خستہ پا
گر نہ آئیں آپؐ غم مت کیجیے وہ دو بے تمکیں ہیں جانے دیجیے
نہ سنے وہ بہرے ''آؤ'' کی صدا ہر کسی گھوڑے کی ہے تھان اک جدا
اور پلٹے بعض سن کر یہ صدا گھوڑے گھوڑے کا طویلہ ہے جدا
بعض کو قصوں نے رنجیدہ کیا کیوں ہر طائر کا پنجرہ ہے جدا
خود ملائک میں نہیں ہے ہمسری چرخ پر اک صف نہیں ان کی کبھی
ایک ہی مکتب میں ہیں بچے مگر ایک سے ہے اک سبق میں تیز تر
مختلف ہیں گو حواسِ غرب و شرق آنکھ کی حِس میں نہیں ہے کوئی فرق
کان لاکھوں ہوں گے صف باندھے ہوئے سب ترستے چشمِ روشن کے لیے
اور کانوں والی صفّوں کے لیے قصّے اور قرآں کی قرأت چاہیے
لاکھ آنکھوں نے نہ پایا وہ مقام اور سماعت سے نہیں آنکھوں کو کام

بس شمار ایک ایک حِس کا یونہی کر
ایک سے ممکن نہیں کارِ دگر
پانچ ظاہر پانچ حِسِ باطنی
صافّوں کے ساتھ صف بستہ سبھی
دین کی صف سے کرے جو سرکشی
صف میں غمگینوں کی جائے گا وہی
کم نہ کرنا تو "تعالوا" بولنا
یہ سخن ہے اک نرالی کیمیا
تانبا گر نفرت کرے اس قول سے
کیمیا کو دور اس سے کر نہ دے
تیرا ساحر نفس بہرا بن گیا
ہوگا آخر اس سے تیرا فائدہ
بول آؤ، بول آؤ، اے غلام!
حق بلاتا ہے تجھے سوئے سلام
بھول جا خواجہ خودی اور پیری
مانگ سرور کو بجائے سروری

ایک معترض کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہذیلی کو لشکر کا سردار بنانے پر اعتراض کرنا

دی ہذیلی کو نبیؐ نے سروری
ایک فاتح لشکرِ اسلام کی
طاقت برداشت حاسد میں نہ تھی
جرأتِ انکار اس نے کر ہی دی
کس قدر ظلمانی ہے لوگوں کا حال
کس قدر مرغوب انھیں مال و منال
سب تکبّر سے تھا ان کا تفرقہ
جاں سے ناواقف جلن سے آشنا
اک عجوبہ یہ کہ زنداں میں ہے جاں
کنجی زنداں کی بھی موجود ان کے ہاں
سربسر گوبر میں ڈوبا وہ جواں
نہر اک دامن سے ٹکراتے بہے
پہلو پہلو وہ ہمیشہ بے قرار
گرچہ پشتارہ تھا ہر جائے قرار
نور پنہاں، جستجو جس کی گواہ
دل نہ چاہے خواہ مخواہ لیکن پناہ
گر نہ تھی دنیا سے بچنے کی جگہ
نہ جنوں ہوتا نہ ہی فکر پنہ
تیری وحشت کی کشش کوتوال سی
راہ سیدھی ڈھونڈ لے گمرہ ابھی
راستہ موجود ہے لیکن نہاں
جستجو تھوڑی سی کردے گی عیاں
ہے نہاں خود پھوٹ کے اندر ملاپ
رونما طالب میں ہے مطلوب آپ
جڑ سے اُگ آئے ہیں مردے باغ کے
تا تو اس جاں بخش کو پہچان لے

قیدیوں کی در پہ کیوں ہوتی نظر
کوئی خوشخبری نہ لاتا ہو اگر

لاکھوں گندے ڈھونڈتے کیوں آب کو
گر کہیں پائی نہ جاتی آب جو

کوئی کروٹ خاک پر راحت نہیں
گھر میں ہو چادر، بچھونا جب یہیں

بے ٹھکانا کیوں ہو کوئی بے قرار
نشہ کیسا گر نہیں ردِ خمار

بولا آقاؐ منتخب مت کیجیے
میرِ لشکر غیرِ شیخِ پیر کے

کوئی جواں، وہ شیر زادہ ہو تو ہو
غیرِ مردِ پیر سر لشکر نہ ہو

آپؐ نے فرمایا، وہ فرماں گوا
پیر لازم، پیر لازم، پیشوا

یا رسول اللہؐ صفوں کو دیکھیے
کتنے بوڑھے ان میں ہیں کتنے بڑے

پیلے پتوں کو نہ ان کے دیکھیے
سیب پختہ ان میں ہیں چن لیجیے

کب ہیں لا حاصل وہ برگ خشک بھی
بس ہے وجہِ پختگی و کاہلی

زرد پتے ان کے اور موئے سپید
پختہ عقلی کی سناتے ہیں نوید

تازہ تازہ پتّیاں یہ سبز فام
ہیں ثبوت اس بات کا یہ پھل ہیں خام

بے نوائی ہے شناسائی پہ دال
زر کی زردی سے مہاجن ہے نہال

سبز خط، گل چہرہ کے معنی یہی
درسگہ میں وہ ہے نو آموز ابھی

ٹیڑھی میڑھی اس کی تحریریں ابھی
عقل کا معذور گوتن ہے قوی

تیز گامی سے ہیں پیر عاجز ولے
عقل کے دو پر ہیں اڑنے کے لیے

دیکھ جعفر کو مثل چاہے اگر
جائے دست و پائے حق نے دو پر

گر ہے اسرارِ سخن سے آگہی
میری یہ باتیں ہیں زرِ جعفری

چھوڑ زر کی بات ہے اندر حجاب
میرا دل جوں پارہ پے پُر اضطراب

دل میں میرے خوشنوا خاموشیاں
دست بر لب یعنی بس کر اب یہاں

خامشی ہے بحر اور باتیں ہیں جو
چھوڑ کر جو کر طلب دریا کو تو

تو اشارۂ بحر سے مت پھیر سر
ٹھیک بنانے بس خدا اب ختم کر

بات یہ دہرا رہا تھا بار بار
بے ادب پیشِ نبیؐ پر اضطرار

تھا سخن خامی مگر وہ بے خبر — کہ خبر بیکار ہے پیش نظر
کم ہے نظارے سے رتبہ میں خبر — کہ خبر بے کار ہے پیش نظر
جو بھی نظروں میں ہے موصول ہے — سامنے اس کے خبر معزول ہے
ہوگیا معشوق کا جب ہم نشیں — دفع دلالوں کو کردے تو وہیں
بڑھ کے طفلی سے جو ہوجائے جواں — حاجت دلال و خط اس کو کہاں
خط کو پڑھتے ہیں سکھانے کے لیے — باتیں کرتے ہیں بتانے کے لیے
ایک ناظر کو خبر دینا خطا — اپنی غفلت اپنا نقصاں اور کیا
پیشِ بینا خامشی نافع تجھے — انصِتوا آیا خطاب اس واسطے
بول اچھی بات کہنے گر کہے — مختصر ہی بول، طول اس کو نہ دے
گر مفصل عرض کا فرمان دے — بات عمدہ بول، ادب لازم رہے
جس طرح میں در بیانِ مثنوی — رکھتا ہوں خاطر حسام الدین کی
جب بخوبی کرتا ہوں میں مختصر — کرتا ہے مجبور مجھ کو بات پر
اے حسام الدین ضیاءِ ذوالجلال — دید کے ہنگام کیوں ذوقِ مقال
کھیل شاید یہ حُبِّ یار کا — لا پلا مَے، بول کہتا ہوں بجا
اس کا ساغر تیرے لب سے ہے لگا — کان بولے میرا حصہ کیا ہوا
مجھ میں گرمی ہے وہ حصہ ترا — وہ کہے مجھ کو ملے اس سے سوا

اس اعتراض کرنے والے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

طبعِ شیریں مصطفیؐ کے سامنے — حد سے بڑھ کر بات کی اس شخص نے
پھر شہِ والنجم و سلطانِ عبس — لب دیا بیہودہ سے بولے کہ بس
ہاتھ رکھے منہ پہ چپ کرنے اسے — پیشِ دانا کب تلک کہتے چلے
پیش بینا سوکھا گوبر لائے گا — بولے گا لے نافہ ہے یہ مُشک کا
ناک کے نیچے رکھ خود مینگنی — کہ کے اُخ اُخ خود شرارت تو نے کی

بیوقوف اب مارتا ہے قہقہے تا کہ سڑیل مال تیرا چل پڑے
مارتا ہے قہقہے اے گندہ سر مینگنی کو مشک خالص بول کر
دھوکا دے گا اس مشامِ پاک کو اُس چرندۂ گلشنِ افلاک کو
بن گئے بھولے وہ اپنے حلم سے خود بھی کیا ہے جان لینا ہے تجھے
دیگ شب بھر بھی جو رہ جائے کھلا چاہیے بلّی کو بھی پاسِ حیا
خود کو گو دکھلاتا ہے سویا ہوا جاگتا ہے، پگڑی لینے کو نہ جا
کب تک اے ناپاک جھگڑالو بتا یہ فسوں شیطانی پیشِ مصطفیٰؐ
بردباری ان کی بے حد و شمار ایک اک ان میں ہے جوں سوکوہسار
گول ان کے حلم سے ہشیار بھی ہوں جو سو آنکھیں رہیں وہ اندھا ہی
حلم ان کا جوں شرابِ خوب و نغز عمدہ عمدہ ڈھونڈتا ہے ان کا مغز
اس کا نشہ ہے نرالا دیکھ اسے مست فرزیں لڑکھڑاتا جوں چلے
زود اثر پی کر پڑا ہے وہ جواں راستے میں گویا پیرِ ناتواں
خاص کر وہ بادۂ خُمِّ نبیؐ کہ نہیں ہے اس کی مستی اک شئی
حال اہلِ کہف کا از روئے نقل تین سو نو سال تک کھو بیٹھے عقل
پی وہ مے جس دم زنانِ مصر نے ٹکڑے اپنی انگلیوں کے کرلیے
ساحروں کو بھی تھا موسیٰؑ کا نشہ دار کو دلدار سا پیارا کیا
جعفرِ طیارؓ اس مے سے تھے مست جس سے وقف بیخودی تھے پا و دست

حضرت بایزید قدس سرہٗ کے سبحانی مااعظم شانی کہنے کا قصہ اور مریدوں کا اعتراض اور ان کو ان کا جواب زبانی گفتگو سے نہیں بلکہ مشاہدہ کے راستہ سے

تھے اکٹھے جس جگہ ان کے مرید آپ خود یزداں ہوں بولے بایزیدؒ
غرقِ مستی نعرہ زن تھے ذو فنوں لا الٰہ الّا انا فاعبدون
صبح ہوش آنے پہ چیلوں نے کہاں ہے غلط نعرہ ترا کل رات کا

بولے ان کے گر کروں ایسی خطا ۔۔۔ گھونپ دو فوراً مرے تن میں چھرا
حق ہے عارف تن سے میں رکھتا ہوں تن ۔۔۔ قتل لازم گر کہوں میں یہ سخن
یوں وصیت کی جب اُس آزاد نے ۔۔۔ کر لیے موجود سب اپنے چھرے
پھر جو استغراق میں مستی چڑھی ۔۔۔ اس وصیت کو بھلا بیٹھے سبھی
عشق آیا عقل آوارہ ہوئی ۔۔۔ صبح آئی، شمع بھی گل ہوگئی
عقل شحنہ ، آگیا سلطان جب ۔۔۔ جا گھسا اک کونے میں کوتوال تب
عقل سایہ حق تھا، حق آفتاب ۔۔۔ پس کہاں سورج کہاں سایے کی تاب
آدمی پر ہوگی غالب جب پری ۔۔۔ مرد کھو بیٹھے گا وصفِ مردمی
جو بھی یہ بولے وہ قولِ پری ۔۔۔ اس طرف ہوتی ہے بات اُس سمت کی
اپنی ہستی کھوئے ہوجائے پری ۔۔۔ ترک عربی بولے بے الہام ہی
ہوش میں جانے نہ وہ اک لفظ بھی ۔۔۔ اس میں تھے تب ذات واوصاف پری
وہ خداوندِ پری و آدمی ۔۔۔ اک پری سے اس میں کیوں آئے کمی
نیم مستی میں کسے ڈر شیر کا ۔۔۔ تو کہے اس نے نہیں میں نے پیا
گر وہ کہہ ڈالے کوئی رازِ کہن ۔۔۔ تو کہے گا بادہ کا ہے یہ سخن
مے میں شور و شر کا یہ عالم ہے گر ۔۔۔ سوچ نورِ حق میں ہوگا کس قدر
تجھ سے تو کو وہ اگر خالی کرے ۔۔۔ تجھ کو پست اور وہ سخن عالی کرے
گو پیمبرؐ سے ہمیں قرآں ملا ۔۔۔ جو نہ سمجھے گفت حق کافر ہوا
جب ہمائے بیخودی اڑنے لگا ۔۔۔ شیخ نے کی پھر سخن کی ابتدا
عقل کو سیلِ تحیّر لے چلا ۔۔۔ تھا بیاں قوت میں اول سے سرا
کچھ نہیں جبّہ میں میرے جز خدا ۔۔۔ کب تلک ڈھونڈے گا بر ارض و سما
سب ارادت مند دیوانے بنے ۔۔۔ اب چھرے ان پر چلانے لگ گئے
جیسے ملحد کوہ کو گھیرے ہوئے ۔۔۔ تن میں ان کے بے دھڑک گھونپے چھرے
چھیدتا تھا شیخ کا تن جو کوئی ۔۔۔ خود پھٹا جاتا تھا اپنے تن کو ہی

جوں کا توں سالم تھا جسمِ ذوفنوں
سب مریدان کے تھے گھائل غرقِ خوں

زخم جس کا حلق پر ان کے لگا
حلق اس کا خود کٹا اور مر پڑا

اور وہ جس کا زخم سینے پر لگا
سینہ خود اس کا پھٹا اور مرگیا

جو کوئی تھا واقفِ صاحبقراں
رک گیا تاکہ نہ دے زخمِ گراں

عقل تھوڑی بھی جسے تھی رُک گیا
زخم تو کھائے پہ جاں سے بچ گیا

دن چڑھا چیلے جو تھے کم ہوگئے
آہ، واویلا کے ہر سو غلغلے

آئے پاس ان کے ہزاروں مرد و زن
بولے اے دونوں جہاں در پیر بن

جسم تھا گر تیرا جسمِ آدمی
پیش خنجر ختم ہوجاتا تبھی

ایک بیخود پر جو با خود ہاتھ اٹھائے
کانٹا خود اپنی ہی آنکھوں میں چبھائے

جو چلائے بیخودوں پر ذوالفقار
اپنے ہی تن پر چلائے ہوشیار

کیونکہ بیخود ہے فنا و در اماں
امن میں ہے پُرسکوں و جاوداں

نقش مٹ کر بن گیا اک آئینہ
کیا ہے اس میں غیر کی صورت بنا

تھو جو کرنا ہے تو اپنے منھ پہ کر
وار کرنا ہے کرے تو آپ پر

دیکھے گر بدشکل، وہ صورت تری
ابنِ مریمؑ بھی جو دیکھے ہے توہی

یہ نہ وہ، بس رہ گیا وہ سادہ رو
لا رکھا ہے تجھ کو تیرے روبرو

سی لیے کب بات جب پہنچی یہاں
آئے بس نوکِ قلم ٹوٹی یہاں

بند کر لب ہے بیاں گرچہ فصیح
بس کہ جانے خوب حق کیا ہے صحیح

ساتھ ے کہ اک جگہ مستِ مدام
یا اتر آ بیٹھ جا تو والسلام

ہر کبھی پاتے ہو خود کو شادکام
جان لو اس دم ہو تم بازوئے بام

وقتِ خوش لازم ہر انسانی تجھے
گنج ہے اس کو چھپانا چاہیے

آ نہ جائے ناگہاں دل پر بلا
ڈرتے ڈرتے چل تو چھپنے کی جگہ

دیکھ وقتِ خوش نہ چھن جائے ترا
کھو نہ جائے بامِ غیبی کی جگہ

حد نہ دیکھے گر تو بام راز کی
دیکھے جاں، محسوس کرتی ہے خوشی

آفتیں جو بھی اچانک آ گئیں — سب کنارِ خرّمی ہی سب چلیں
لوگ کرتے ہیں کنارِ بام سے — قومِ نوحؑ و لوطؑ سے عبرت ملے
ڈھونڈ عبرت تاکہ تو پائے صفا — "از درون انبیا و اولیا"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بیہودہ کے بہت بولنے اور زبان درازی کا سبب

آیا زیرِ سایہ مستِ نبیؐ — ہوگیا آغشتۂ مستی غبی
بات بے حد اس نے کی غرقِ سرور — رکھ کے سب عقل و ادب کو خود سے دور
بے خودی شریر اتر آتی ہے جب — بے ادب تر ہوتا ہے ہر ادب
گر ہو عاقل ہو دوبالا کروفر — زشت خود ہوگا تو ہوگا زشت تر
مغز ہے دانا کے حق میں بے خودی — اور محبت گھٹ چلے گر ہے غبی
مے سے بے خود کا ادب ہوگا تمام — مے سے باخود بے ادب ٹھہرے مدام
ان میں اکثر چوں کہ بدخلق و خام — اس لیے سب کے لیے ہے مے حرام
حکم کثرت پر ہے، ان میں ہے بدی — تیغ دستِ راہزن سے چھن گئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ہذیلی کو امیری اور سرداری کے لیے ماہر تجربہ کار بوڑھوں پر فضیلت دینے اور چن لینے کا سبب بیان کرنا

بولے پیغمبرؐ کہ اے ظاہر نگر — تو اسے دیکھے جوان و بے ہنر
کالی داڑھی والے بوڑھے ہیں کئی — کالے دل اور اجلی داڑھی والے بھی
آزمائی عقل اس کی بارہا — اس جواں نے کام بوڑھوں کا کیا
عقل کی پیری ہے پیری اے پسر — اور نہیں یہ اجلی داڑھی اجلے سر
بڑھ کے شیطاں سے کوئی بوڑھا ہوا — چوں کہ وہ بے عقل ہے لاشئے رہا
طفل ہوتے بھی جو ہے صاحب کمال — پیر اپنے فن سے ہے وہ خوش خصال
طفل جاں اس کو جو ہے عیسیٰ نفس — ہے غرور اس میں نہ ہے کوئی ہوس

بال وہ اُجلے نشانِ پختگی — کور باطن سست رو کے حق میں ہی
وہ مقلد چاہیے اس کو دلیل — ہے علامت میں جویائے سبیل
پس کہا ہم نے یہ ہے تدبیر اگر — جس کو چاہے منتخب اک پیر کر
بوڑھا کوئی عقل والا ایسا ہو — ممتحن اور ممتحن کو جانے جو
جو ہے باہر پردۂ تقلید سے — دیکھے نورِ حق سے وہ دیکھے جسے
ہے دلیل و شرح اس کو نور پاک — پہنچے اندر تک جو کر کے پوست چاک
ایک ہی ظاہر بیوں کو سب کھوٹا کھرا — وہ نہ جانے ٹوکری میں ہوگا کیا
کس قدر سونے پہ کالک دی چڑھا — چوری ہونے سے رکھا اس کو بچا
اے ملمع زر سے تانبا کس قدر! — بیچنے اس کو یہ عقلِ مختصر
رکھتے ہیں بطنِ جہاں پر ہم نظر — دیکھتے ہیں دل کو ظاہر چھوڑ کر
ہوتی ہے ظاہر پہ قاضی کی نظر — حکم ان کے منحصر اشکال پر
دے شہادت دل میں ایماں گو نہ ہو — ان کا فتویٰ ہوگا ہاں مومن ہے وہ
کئی منافق کو یہی ظاہر پنہ — سینکڑوں مومن کا خوں اس سے بہا
جہد کرتا پیرِ عقل و دیں بنے — عقل کُل ہوجائے باطن میں بڑے
عقل زیبا جب عدم سے ہو عیاں — خلعتیں دیں حق نے اور نام و نشاں
کمتریں خوش ناموں سے اک نام بس — یہ کہ وہ اصلاً نہیں محتاجِ کس
عقل صورت لے کے آجائے اگر — اس کے آگے دن لگے تاریک تر
احمقی کی شکل میں گر آگئی — ہوگی روشن اس کے آگے رات بھی
اس کی ظلمت رات سے تاریک تر — اس کا دلدادہ ہے چمگادڑ مگر
وہ ہے عاشق مشکلوں کی ہر جگہ — اس کا دشمن ہر جگہ روشن دیا
ظلمت اور مشکل کو وہ خواہش سدا — تا نظر آئے اسے حاصل سوا
تا تجھے مشغول و مشکل رکھے — بد نہادی سے تجھے غافل رکھے

مکمل عاقل اور آدھے عقلمند اور مکمل انسان اور آدھے انسان کی علامت اور بے وجود مغرور بد بخت کی علامت

مردِ عاقل رکھتا ہے مشعل کو ساتھ — اختیارِ کارواں سب اس کے ساتھ
اپنا پیرو آپ وہ روشن ضمیر — خود کے تابع ہے وہ بے خود راہ گیر
خود پہ ایماں، حق پہ بھی ایماں اُسے — اس کی جاں کو رزق جس کے نور سے
نیم عاقل دوسرا جو شخص تھا — آنکھ اس کو، دیدۂ عاقل ہوا
جیسے اندھا دست بینا تھام لے — راستہ تیزی سے طے کرتے چلے
وہ گدھا عقل اس کو جَو بھر بھی نہ تھی — بے خرد رکھا نہ ساتھ عاقل کوئی
وہ نہ جانے کون کم لمبی ہے کیا — کس سے ڈر ہے کون خوشیاں لائے گا
غرقِ غفلت اور وقفِ قال و قیل — ننگ اس کے حق میں تقلیدِ دلیل
اک بڑے صحرا میں سرگرمِ سفر — گاہے لنگڑاتے چلے گہ دوڑ کر
خود نہ مشعل پیشوائی کے لیے — نیم مشعل بھی نہیں تا نور لے
زندہ ہونے اس میں دانائی نہیں — مردہ ہونے نیم عقلی بھی نہیں
مردہ ہونا ہوگا پیشِ عقل تام — جائے خود پستی سے تا بالائے بام
عقل کامل خود نہیں تو مردہ بن — لے پناہِ عاقلِ زندہ سخن
خود نہیں زندہ مسیحا تا بنے — نہ ہی مردہ تا کہ عیسیٰؑ قُم کہے
مردہ یا زندہ وہ کوئی شے نہیں — کچا انگور اور نہ پکاّ مے نہیں
کچا ہے پکاّ نہیں ہوگا کبھی — وہ گیا پتھرا کے کھٹا کچّا ہی
کور جاں اس کی پھرے آوارہ ہی — اور وقت واپسیں تڑپے یونہی
سود اچھلنے کودنے میں اب کہاں — ہو چکا نازل عذابِ آسماں

تالاب اور شکاریوں اور تین مچھلیوں کا قصہ۔ ایک ناقص العقل اور ایک دوسری مغرور بے وقوف غافل لاشئ اور ان کا انجام

قصہ ہے تالاب کا جس میں دواں ۔۔۔ رہتی تھیں تین اچھی موٹی مچھلیاں
تو کلیلہ میں پڑھا بھی ہے مگر ۔۔۔ قصہ کا چھلکا تھا وہ ہے مغز اِدھر
کچھ شکاری آئے اس تالاب پر ۔۔۔ اور دیکھے اس کے جھانک کر
جال لانے کو چلے وہ دوڑ کر ۔۔۔ مچھلیوں کو ہوگئی اس کی خبر
عقل والوں نے کیا عزمِ سفر ۔۔۔ اک کٹھن رستہ کی ٹھانی جانچ کر
مشورت میں ان سے کرنے کی نہیں ۔۔۔ وہ قوی ہیں سست کر دیں گے یقیں
غالب ان پر آئے گا مولد کا پیار ۔۔۔ کاہلی، جہل ان کا دے گا مجھ کو مار
مشورہ زندوں سے کرنا چاہیے ۔۔۔ زندہ ہی کرسکتا ہے زندہ تجھے
اے مسافر لے مسافر سے تو رائے ۔۔۔ رائے عورت کی تجھے لنگڑا بنائے
دھوکا ہے حبِ وطن اے جانِ من ۔۔۔ جاں اِدھر اور اور ہے اُس جا وطن
دیس پائے گا ندی کے پار تو ۔۔۔ مت غلط پڑھ اِس حدیث راست کو

اس حدیث کا راز کہ وطن کی محبت ایمان سے ہے اور ایک شخص کا ناک میں پانی دینے کے وقت کی دعا کو بے موقع پڑھنا کہ اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سونگھا دے، استنجا کی جگہ کہ اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور مجھے پاکی حاصل کرنے والوں میں کر دے اور ایک دوست کا سننا اور یہ کرسکنا اور بتانا

وِردِ دیگر وضو میں ہر عضو کا ۔۔۔ ہے حدیثوں میں بیاں بہرِ دعا
ناک میں پانی چڑھانے جب لگے ۔۔۔ بوئے جنت چاہ تو اللہ سے
تا تجھے بو سوئے جنت لے چلے ۔۔۔ بولے گُل رہبر سوئے گلشن تجھے
بعد استنجا وظیفہ یہ رہے ۔۔۔ پاک کر یا رب نجاست سے مجھے

ہاتھ پہنچا ہے جہاں تک دھو چکا ہاتھ کو تہ جاں کی پاکی سے رہا
تجھ سے کس بنتی ہے جانِ ناکساں اپنا دستِ فضل پہنچا تا بہ جاں
جو تھا بس میں اس کمینہ نے کیا اور تو اس پار اچھائی دکھا
کھال سے ناپاکی دھولی اے خدا حادثوں سے دہر کے مجھ کو بچا
ایک نے در وقتِ استنجا کہا تو مجھے جنت کی خوشبو دے سونگھا
بولا شخص ایک وِرد تو اچھا رہا پر دعا کا تونے روزن کھودیا
یہ وظیفہ ناک میں پانی کا تھا وقتِ استنجا غلط تونے پڑھا
بوئے جنت ناک سے پائے بشر سونگھتا ہے کون سے کوئی ادھر
کیوں تواضع ابلہوں کے سامنے جب تکبر ہے شہوں کے سامنے
کبر موزوں ہے فسوں کے واسطے ہاں! نہ چل الٹا، ضروری یہ تجھے
سونگھنے کو تھی جو حاجت پھول کی ناک روزینہ خوشبو رہ گئی
بوئے گل ہے سونگھنے کو اے دلیر جائے اس بو کو نہیں سوراخِ زیر
آتی ہے اُس جا سے جنت کی بو بو وہیں سے کر طلب چاہے جو تو
اس طرح حبِّ وطن ہے ٹھیک ہی پہلے کر تخصیص اپنے دیس کی

عقلمند مچھلی کا واقف ہو جانا اور دانائی سے دوسروں کے مشورے کے بغیر روانہ ہو جانا

بولی وہ چالاک مچھلی راہ لوں آخر ان سے مشورہ میں کیوں کروں
مشورت کی چھوڑ دُھن بس راہ لے چاہ کو جا جوں علیؓ آہ کے لیے
واقف جس سے ہیں کم لوگ بس شب کو چھپ چھپ کے تجھے جانا ہے پس
بحر کو چل چھوڑ اس تالاب کو ڈھونڈ دریا ترک کر گرداب کو
سینے سے لیتے ہوئے پاؤں کا کام پہنچی دریا چھوڑ کر ڈر کا مقام
جیسے آہو جب تعاقب میں ہوں سنگ دوڑے تن میں جب تلک ہو ایک رگ
نیند گہری، پیٔے میں سنگ سگیں خطا چشمِ ترسندہ کو نیند آئے گی کیا؟

راستہ دریا کا مچھلی نے لیا
لمبا اور چوڑے سے چوڑا راستہ

دکھ بہت سے دیکھے اس نے عاقبت
راہ پائی سوئے امن و عافیت

گہرے دریا میں وہ خود کو ڈال دی
حد نہ جس کی دیکھنے پائے کبھی

پس شکاری واپس آئے لے کے دام
آ پڑا مشکل میں نیم عاقل کا کام

بولی اچھا وقت کھویا آہ کی
کاش چل پڑتی میں اس کے ساتھ ہی

ناگہاں نکلی وہ جب کہ جا چکی
اس کے پیچھے مجھ کو جانا تھی تبھی

اب بھلا افسوس سے کیا فائدہ
کیا کروں جب ہاتھ سے موقع گیا

رفتہ پر افسوس کرنا ہے خطا
یاد کیوں؟ جو بھی گزر جائے گیا

اس پھنسے ہوئے پرند کا قصہ جس نے وصیت کی کہ گزشتہ پر پشیمان نہ ہو اور ناممکن بات کا یقین نہ کر اور موجود وقت کی صلاح کر اور پشیمانی میں وقت ضائع نہ کر

مرغ پھانسا اس نے مکر و دام سے
مرغ بولا اے مرے صاحب بڑے

تو بھی مجھ جیسا پرندہ اک ضعیف
پکڑا، کھایا اس کو اے مردِ شریف

بھیڑ، گائے تونے کتنے کھالیے
اونٹ بھی تونے بہت قرباں کیے

سیر تونے خود کو کب پایا بھلا
میرے جز سے بھرے گا پیٹ کیا

کر مجھے آزاد، مجھ پر رحم کھا
تو کریم اور صاحبِ عزت بڑا

چھوڑ تا میں تین گُر بتلا سکوں
تا کہ جانے با خرد یا ابلہ ہوں

پندِ اول دوں گا تیرے ہاتھ پر
تیرے متوالے مرے جان و جگر

پندِ ثانی دوں گا میں دیوار سے
سن کے اس کو ہوگا خوش نازاں رہے

پندِ سوم دوں میں از شاخِ شجر
تا کہ ان تینوں کا ہو تو بخت ور

جو کہوں گا ہاتھ وہ یہ ہے جان
جو بھی ناممکن اس کو نہ مان

ہاتھ پر جو بات بولا اڑگیا
ہو کے آزاد اب سرِ دیوار تھا

بولا پھر گزرے ہوئے کا غم نہ کھا
جب وہ کھو جائے تو حسرت کیوں بھلا

بولا پھر میرے تن میں مستتر دس درم وزنی نرالا اک گہر
تیری دولت تیرے بچوں کے نصیب تھا وہی واللہ وہ گوہر عجیب
تو گنوایا وہ ترا حصہ نہ تھا کون موتی ہوگا اس جیسا بھلا
دردِ زہ میں جیسے کوئی حاملہ سن کے یہ صیاد اک دم چیخ اٹھا
غم کا مارا کر رہا تھا آہ آہ کیا کیا میں نے ہوا سب کچھ تباہ
میں نے کیوں آزاد تجھ کو کر دیا تو نے حیلوں سے مجھے گمرہ کیا
مرغ بولا پند کیا میں نے نہ دی غم گزشتہ پر نہ کھانا تو کبھی
تو گئے گزرے کا غم کھاتا ہے کیوں یا نہ سمجھا، یا تجھے بہرہ کہوں
دوسری وہ پند دربار ہلال کر نہ کر باور کوئی قولِ محال
چند درم کا جب کہ میں ہی خود نہیں ہوگا موتی دس درم اندر کہیں
ہوش میں آ کر شکاری نے کہا تیسری وہ پند تیری پھر بتا
بولا دو پر خوب عمل تیرا رہا جو کہوں میں تیسری بے فائدہ
یوں کہا اور اُڑ کے خوش خوش چل دیا سر خوش و آزاد صحرائی جو تھا
جاہلوں، نادانوں کو کیا پند دیں تخم ریزی جیسے خاکِ شورہ میں
چاک جہل و احمق کا کیوں سلے ناصحا! حکمت کے ڈر ان کو نہ دے
کیونکہ ہے جاہل جہالت کا غلام کچھ نہ دے گی پند تیری اس کو کام

اس ناقص عقل والی مچھلی کا تدبیر سوچنا اور خود کو مردہ بنالینا

نیم عاقل نے کہا وقتِ بلا سایہ عاقل سے تھی چوں کہ جدا
چل کے سوئے بحر ہے غم سے رہا اچھی ساتھی ہوگئی مجھ سے جدا
فکر کیوں اس کی میں خود الزام لوں ہے ضرورت اب کہ میں مردہ بنوں
بس پلٹ کر پیٹ کو اوپر کروں پیٹھ نیچے تیرتی چلتی بنوں
تنکا جوں پانی کی رو میں بہہ چلوں یوں نہ جاؤں گی کوئی تیراک جوں

مردہ جوں کردوں میں خودکو رہنِ آب　　مرگ قبل از مرگ ہے ردِ عذاب
موت قبلِ موت ہے امن اے فتیٰ　　اس طرح فرمائے ہم کو مصطفیٰؐ
بولے قبل از مرگ تم سب مر رہو　　پُر فِتن اس موت سے تا بچ سکو
مردہ ہوکر پیٹ کو اوپر کیا　　نیچے اوپر پانی اس کو لے چلا
بولے رنجیدہ شکاری سب یہی　　حیف کیسی موٹی مچھلی مرگئی
ان کی حسرت دیکھ کر وہ خوش ہوئی　　بولی بازی کام آئی بچ گئی
ایک شکاری ان میں سے پکڑا اسے　　خاک پر دے مارا اس کو تھوک کے
وہ لڑھکتی چھپ کے پانی میں گئی　　وہ جو احمق تھیں تڑپتی تھیں ابھی
ابلہ وہ تھی دائیں بائیں لوٹتی　　تا گرے پانی میں چھوٹے گودڑی
دام انھوں نے پھینکا اس میں پھنس گئی　　احمقی سے آپ بھٹّی میں پڑی
جا پڑی تپتے توے کی پشت پر　　وہ حماقت سے ہوئی باہم دگر
کھدبدائی یہ سرِ نارِ سعیر　　عقل پوچھی کیا نہیں آیا نذیر
مبتلائے رنج و آفت میں گھری　　مثلِ جانِ کافراں ''ہاں ہاں'' کہی
کہہ رہی تھی گر میں پھر اس مرتبہ　　ہوگئی اس سخت مشکل سے رہا
بحر کو اپنا وطن کرلوں گی میں　　تال میں سننے نہیں جاؤں گی میں
امن کو زخّار میں جاؤں گی میں　　جاودانی امن و صحت پاؤں گی
عہد ایسے خود سے وہ کرتی رہی　　اس ہلاکت سے گر اب بچ جاؤں گی
دامنِ عاقل کو تھاموں روز و شب　　تا نہ دیکھوں ایسے پھر رنج و تعب

اس کا بیان کہ احمق کا گرفتاری کے وقت عہد کرنا اور نادم ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا کیونکہ وہ اگر واپس بھیج دیے جائیں تو وہ ممنوعات کو دوبارہ عمل میں لائیں گے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں کوئی جھوٹا وفا نہیں کرتا

عقل بولی ہے حماقت ساتھ ہی　　تیرا پیماں توڑ دے گی ابلہی
کام ہے وعدہ وفائی عقل کا　　خر صفت تجھ کو کہاں ہے عقل جا

بے خرد، آزارِ نسیاں کے غلام — تو عدو تدبیر الٹنا تیرا کام
عقل کے فقدان سے ہے پروانہ خوار — بھول سے پھر پھر کے جائے سوئے نار
توبہ کرلیتا ہے جب جلتے ہیں پر — بھول کر گرتا ہے پھر وہ شعلہ پر
عقل سے ہے پاسِ عہد و یاد بھی — نظم و ادراک اس سے وابستہ سبھی
جب نہیں ہیرا چمک کیوں آئے گی — لوٹ آنے لازمی ہے یاد بھی
یہ تمنا بھی ہے کم عقلی سے ہی — احمقی کی خو نہ جانے ہے وہی
وہ پشیمانی بوجہِ رنج تھی — عقلِ روشن سے نہ تھی جو گنج تھی
رنج کے ہمرہ ندامت بھی گئی — شرم و توبہ خاک کے ہمسر نہ تھی
ساتھ ظلمت کے کیا وہ غم کا بار — شب کی باتیں دن کو ہوتی ہیں فرار
غم کی ظلمت سے نکل کر خوش لگا — حاصلِ غم جو بھی تھا دل سے گیا
اس کی توبہ پر خرد بولے یہی — وہ لوٹیں گے کریں گے پھر وہی

اس کا بیان کہ وہم عقل کا کھوٹا سکہ اور اس کا مخالف ہے اور اس کے مشابہ ہے اور وہ نہیں ہے

عقل ضد شہوت کی ہے اے پہلواں — وقفِ شہوت ہو تو عقل اس کو نہ جان
وہم ہے در اصل شہوت کا گدا — وہم قلب و عقل کا سکہ کھرا
بے محک پائے نہ عقل و وہم کو — لا انھیں سوئے محک پہچان کو
ہے محک قرآن و حالِ انبیا — کھوٹے کو بولے کسوٹی بڑھ کے آ
دیکھ مجھ کو خود کو پھر پہچان لے — کہ نہیں لائق مرے احوال کے
عقل ہو دو نیم آرے سے بھی گر — ہوگی وہ ہستی ہوئی آتش میں زر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو عقلمند تھے فرعون کے ساتھ سوال و جواب جو وہمی تھا

وہم تھا فرعونِ عالم سوز کو — عقل تھی موسیٰؑ جاں افروز کو
مسلکِ موسیٰؑ فنائیت رہا — پوچھا فرعون آپ کو ہو کون کیا

''عقل ہوں'' بولے رسولِ ذوالجلال — حجۃِ حق ہوں، نہیں مردِ ضلال
بولا چپ کیا ہائے و ہو سے فائدہ — نام اصلی اور نسب تیرا بتا
بولے نیست خاکداں کیا مجھے — نام کیا، اک کمتریں بندہ ہے لیے
میں ہوں بندہ زادۂ یکتا خدا — اور نسب باندی غلاموں سب مرا
ساتھ آب و ِگل سے رشتہ اصل کا — آب و ِگل کو جان و دل حق کی عطا
خاکی تن کی، خاک ہی کو واپسی — تیرا مرجع بھی ہے اے ظالم وہی
اصل جملہ سرکشوں کی، اپنی بھی — خاک ہی ہے گو نشاں سو ہی سہی
جسم کو تیرے مدد ہے خاک کی — پاتا ہے خاکی غذا سے فربہی
بعدِ مردن پھر وہ ہوجاتا ہے خاک — اندرونِ گورِ تار و سہمناک
ہم بھی تو بھی اور تجھ ایسے سبھی — خاک سب ہوگی نہ تیری شان بھی
بولا نام اک ہے نسب سے ہم کے بھی — اور ہے تیرے واسطے بہتر وہی
بندۂ فرعون و بندۂ بندگاں — وہ جنھوں نے پالیے یہ ہے جسم و جاں
باغی طاغی تو ہے سرکش کا غلام — گھر سے بھاگا کر کے مذموم کام
خونی و غدار و حق ناشناس — کر انھیں اوصاف پر خو کا قیاس
تھا غریب و خوار، دکھی تنگ حال — کچھ نہ پاس احساں کا اور حق کا خیال
بولے حاشا! کوئی اس جیسا نہیں — کوئی قدرت میں شریک اس کا نہیں
وہ ہے تنہا ملک میں بے یار ہے — اس کے بندوں کا وہی سالار ہے
اس کی خلقت کا دگر مالک نہیں — مدعی شرکت کا جز ہالک نہیں
خود مصور وہ ہے میرا نقش گر — ظلم جو ہے جو کرے دعویٰ دگر
تو تو ابرو بھی بنا سکتا نہیں — میری جاں کا علم جائے گا کہیں
بلکہ وہ غدار و سرکش ہے تو ہی — حق کے آگے جو کر زعمِ دوئی
میں نے وارا وہ سپاہی سہو سے — نفس کی خاطر، نہ جانا کھیل اسے
گھونسا مارا میں نہ وہ ناگہ گرا — جان اس میں تھی کہاں جاں دے دیا

مارا کتا میں، تو اولادِ نبی ‏ ‏ لاکھوں معصوموں کی تونے جان لی
تونے مارا خوں کا ذمہ دار تو ‏ ‏ دیکھ کیا آئے گا تیرے روبرو
تونے مارا عترتِ یعقوب کو ‏ ‏ چاہتا تھا مارنا مجھ کو جو تو
تیری کوری حق نے مجھ کو چن لیا ‏ ‏ تونے جو چاہا سبھی اوندھا ہوا
بولا ہاں ہاں چھوڑ یہ باتیں تری ‏ ‏ تھا مرے نان و نمک کا حق یہی؟
کہ کرے توہین سب کے سامنے ‏ ‏ دن چڑھے تاریک تا یہ دل رہے
بولے ذلت حشر کی ہے سخت تر ‏ ‏ خیر و شر گر نہ ہو مجھ پر نظر
زخم اک پسّو کا سہہ سکتا نہیں ‏ ‏ سانپ کا تو زہر چکھے گا کہیں؟
کام بگڑے ظاہراً مجھ سے ترے ‏ ‏ یوں تو مجھ سے کانٹے گلشن بن گئے

اس کا بیان کہ تعمیر تخریب میں اور دل بھی پریشانی میں اور درشتی و شگفتگی میں اور مراد بے مرادی میں اور وجود وعدم میں ہے اسی پر بقیہ ضدوں اور جوڑوں کو قیاس کر

وہ اک آیا اور زمیں کھودا چلا ‏ ‏ صبر کھوکر پگلا اک چلّا اٹھا
اس زمیں کو کیوں کھنڈر کرتا ہے تو ‏ ‏ کھود کر جو پھینکتا ہے چار سو
بولا پگلے بس بھی کر فرماں ترا ‏ ‏ بوجھ ہے تخریب کیا تعمیر کیا
ہوگئی گندم زار و گلشن کب زمیں ‏ ‏ زخمی و ویراں اگر ہوتی نہیں
کب بنے گی باغ، بستاں، برگ و بر ‏ ‏ سطح اس کی گر نہ ہو زیر و زبر
گھاؤ ہو منھ بند تو چیریں نہ گر ‏ ‏ ہے کوئی صورت درستی کی دِگر
وہم کو جب تک نہیں کرتی فنا ‏ ‏ وہ دوا کس کام کی کیسی شفا
جامہ ٹکڑے ٹکڑے گر درزی کرے ‏ ‏ وہ ہے ماہر کون مارے گا اسے
کہ تو پھاڑا خوشنما اطلس کو کیوں ‏ ‏ ٹکڑے ان سب کو میں لے کر کیا کروں
کہنہ کو آباد کرنا ہے جہاں ‏ ‏ کرتے ہیں موجود کو ویراں وہاں
ہے یوں ہی لوہار، بڑھئی اور قصاب ‏ ‏ کرتے ہیں تعمیر سے پہلے خراب

پس ہلیلہ اور بلیلہ پیسئے ہیں تلف یہ تن کی صحت کے لیے
جب تلک گیہوں نہ پیسا جائے گا ہوگا دسترخوان کیوں آراستہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب دینا اس کی دھمکی کے بارے میں

کیا حقِ نان و نمک ہوگا یہی مچھلی کانٹے سے چھڑائی جائے گی
پندِ موسیٰؑ گر سنے ہوگا رہا کانٹے سے جو ہے برا ہے بے انتہا
تونے خود کو کرلیا بندۂ ہوا کرلیا اک کو خود اژدہا
اژدہا لایا ہوں مہرِ اژدہا دم بہ دم اصلاح کے کام آئے گا
توڑوں تا پھنکار کو پھنکار سے مار کو ماروں میں اپنے مار سے
ہو جو راضی تو بچے دو مار سے ورنہ تیری جاں ہلاکت میں پڑے

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب اور اس کی دھمکی

بولا سچ ہے تو ہے جادوگر بڑا اختلاف اب مکر سے پیدا کیا
تھے جو اک دل ہوگئے وہ دو گروہ رخنہ جادو سے ترے در سنگ و کوہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بارے میں سحر اور جادوگری کا انکار کرنا

بولے میں ہوں غرقِ پیغامِ خدا سحر کو اللہ سے کیا واسطہ
کفر و غفلت مایۂ جادو تمام دین کی مشغولیت موسیٰؑ کا کام
مجھ کو کیا معلوم جادو اے قبیح میرا دم ہے باعثِ رشکِ مسیحؑ
کیا میں ساحر سا ہوں بے غسلے تجھے نور میری جاں کتابوں کے لیے
کیا ہوں جادوگر سا تجھ کو اے خبیث حق سے نازل مجھ پہ ہوتی ہے حدیث
تو کہ اڑتا ہے ہوس کے پر لیے ہے گماں مجھ پر بھی ویسا ہی تجھے
وہ جو ہیں کردار میں جوں دام و دد بے گماں ان کا بھلوں حق میں بد

چونکہ خود ہے جز و دنیا بد خصال
سب کو خود جیسے ہی کرتا ہے خیال
گھومنے میں تو ترا چکرائے سر
تجھ کو چکراتا نظر آتا ہے گھر
ہو سمندر پر جو کشتی پر رواں
پائے گا تو جیسے ساحل ہے دواں
تنگ دل خود کو جو پائے جنگ سے
تنگ کُل دنیا نظر آئے تجھے
گر ہے شاداں بر مرادِ دوستاں
یہ جہاں تجھ کو لگے جوں گلستاں
لوگ کتنے جاتے ہیں شام و عراق
کچھ نہ دیکھیں گے بجز کفر و نفاق
جاتے ہیں جو بھی ہرات و ہند کو
ہر کہیں سوداگری دیکھیں گے وہ
جائیں گے جو کوئی ترکستاں و چیں
گھات، مکاری ہی دیکھیں ہر کہیں
ڈھونڈنے والا یہاں کا ہر کوئی
ڈھونڈتا ہے جس کو پاتا ہے وہی
جب نہ ہو محسوس غیر از رنگ و بو
بولو جالے چاہے جو دنیا میں تو
ناگہاں بغداد میں بیل آ گیا
اِس طرف سے اُس تک بھی گیا
عیش خوشیاں تھا میسر ہر مزہ
دیکھا کیا خربوزے کے چھلکے سوا
راہ میں جو بھی گھاس سوکھی ہو پڑی
جو بھی ہو ہمساز عقل اور چال کی
جیسے سوکھا گوشت میخ طبع پر
بستۂ اسباب، جاں پر بے اثر
ردِ اسباب و علل ہو تو تبھی
پاؤ گے واسع زمیں اللہ کی
ہر گھڑی بدلے گی جیسے نقشِ جاں
پاؤ گے دنیا نئی ہردم عیاں
ہو بھی گر فردوس و نہار و بہشت
اک صفت ٹھہرے تو سب ہو جائے زشت

اس کا بیان کہ انسان کی ہر ادراک کرنے والی حس کے معمولات دوسرے ہیں جن کی دوسری حس کو خبر نہیں ہے جیسا کہ ہر عجمی پیشہ ور استاد دوسرے استاد کے کام سے بے خبر ہے اور اس کی بے خبری اس لیے ہے کہ یہ اس کا کام نہیں، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مدرکات نہیں ہیں

حلقہ دیدِ دہر کو ادراک ہے
پردہ پاکون کا حس ناپاک ہے

مدتوں دھوئیں آبِ دید سے — جامہ کو جوں صوفیاں دھوتے رہے
پردہ اٹھ جائے اگر ڈھل جائے تو — آئے جاں پاکوں کی کھل کر رو برو
نور ہو یا عورتیں سارا جہاں — حسن دیکھے جس کا تیری آنکھ عیاں
آنکھ کے بدلے گر آگے کان لائے — بت کا چہرہ اور تو گیسو دکھائے
کان بولے شکل لے کر کیا کروں — شکل اگر آواز بن جائے سنوں
کان بولے شکل دیکھوں گا نہیں — کام آنکھوں کا ہے وہ میرا نہیں
میں ہوں کامل صرف اپنے میں ہی — سننے سے بڑھ کر نہ جانوں فن کوئی
بولے ناک آ دیکھ تو ہی یہ حسیں — ناک بولے میں بھی اس لائق نہیں
ہو گلاب و مشک تو میں سونگھ لوں — یہ مرا فن باخبر میں اس سے ہوں
کس طرح دیکھوں میں روئے سیم ساق — کیوں طلب مجھ سے نہیں میں جس میں طاق
حِسِ کج ہر شے میں پائے گی کجی — چاہے ٹیڑھے جاؤ گے یا راست ہی
آنکھ بھینگی ایک ہی دیکھے یقیں — شرک کی عادی ہے وحدت کی نہیں
تو کہ ہے فرعون جملہ مکر و رزق — مجھ میں تجھ میں تو نہیں پائے گا فرق
اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ جائے کج فکر — ایک ہوں میں تا نہ آؤں دو نظر
دیکھ مجھ کو میری آنکھوں سے ذرا — اس جہاں کے پار میداں ہے بڑا
بھول جائے ساری تنگی ننگ و نام — عشق اندر عشق دیکھے والسلام
ہو رِہا قیدِ بدن سے تو اگر — تیری ناک اور کان پائیں گے نظر
ٹھیک فرمائے شہِ شیریں زباں — عارفوں کے تن کی آنکھیں رواں
آنکھ سے بے بہرہ تھا تن بالیقیں — رحم میں مضغہ تھا در حالِ جنیں
آنکھ کی چربی نہیں وجہِ نظر — ورنہ شکلیں خواب میں پاتے کدھر
دیکھتے ہیں شکلیں سب دیو اور پری — ان کی آنکھوں میں کہاں چربی کوئی
نور کو چربی سے کچھ نسبت نہ تھی — چربی سے نسبت خدا نے اِس کو دی
آدمِ خاک کہاں ہے خاک سا — جن نہیں ہے آگ سا گو آگ تھا

خود نہیں مانندِ آتش وہ پری   اصل پر جاؤ تو وہ ہے آگ ہی
ہے ہوا سے مرغ کب ہے باد سا   نا مناسب کو دیا نسبت خدا
ڈالیوں کی جڑ سے نسبت بے مثال   جوڑتی ہے ان کو صنعِ ذوالجلال
ہے غبار و خاک سے پیدا بشر   باپ کا ہے حال کیا کیوں ہے پسر
ماورائے عقل ہے نسبت اگر   عقل کیوں پائے گی اس کو ڈھونڈ کر
آنکھ بن گر حس نہ ہوتی باد کو   کیا الگ کر پاتی قومِ عاد کو
کرسکی کیوں فرق مومن و عدو   آئی کیوں تمیزِ بادہ و سبو
آتشِ نمرود گر بینا نہ تھی   کیوں خلیل اللہ کے حق سعی کی
نیل میں ہوتی نہ گر تابِ نظر   فرق کرتی سبطی قبطی میں کدھر
سنگ وخشت گر دیکھنے والے نہ تھے   یار وہ داؤدؑ کے کیوں کر بنے
گر نہ ہوتی چشم و جاں والی زمیں   لقمہ قاروں کو بنا سکتی کہیں؟
کنکروں کو آنکھ گر حاصل نہ تھی   وہ گواہی مٹھی میں دیتے کبھی؟
اے خرد تو کھول اپنے بال و پر   سورۂ زِلزالہا کا ورد کر
نیک و بد پر حشر میں اپنی زمیں   کیا گواہی دے گی بن دیکھے کہیں
کیونکہ حالات اور اخبار سب   فاش کردے گی زمیں اسرار سب؟
پیش کرے میرا تیرے ہاں امیر   ہے دلیل اس کی کہ مُرسل ہے خبر
یہ ہے مرہم ایسے ہی ناسور کا   ہے ضرورت کے مناسب یہ دوا
واقعات اس جیسے پہلے بھی ہوئے   برگزیدہ حق بنایا جو مجھے
ہاتھ میں تا میں عصا اور نور لوں   تیری یہ گستاخ سینگیں توڑ دوں
واقعے پر خوف ایسے اس لیے   کئی طرح اللہ نے دکھلائے تجھے
تجھ سے باغی، بدعقیدہ کو سزا   تا نے تو جانے اپنے ہمدم ہمنوا
جانے تا ہے کون دانا وخبیر   اور حکیمِ دردِ درماں تا پذیر
جن سے تاویلوں میں تو الجھا رہا   اندھا بہرہ، نیند کا ماتا بنا

وہ طبیب اور وہ منجّم طمع سے ۔۔۔ خواب تعبیر پوشیدہ رکھے
تیری شاہی اور دولت کا تھا ڈر ۔۔۔ تا نہ ہو تو غصہ اس کو جان کر
مختلف یا خاص کھانے ہے کوئی ۔۔۔ وجہِ علّت اور پریشاں خواب کی
اس نے دیکھا تو نصیحت جو نہیں ۔۔۔ تند ہے خونخوار، مسکیں خو نہیں
مصلحت سے بادشہ کرتے ہیں خوں ۔۔۔ قہر سے رحم ان کا ہوتا فزوں
بادشہ میں چاہیے اوصافِ رب ۔۔۔ چاہیے ہو رحم سابق بر غضب
دیو سا غالب نہ ہو اس پر عقب ۔۔۔ مکر سے خوں ہو نہ پائے بے سبب
اور نہ ہو مثلِ مخنث برد بار ۔۔۔ بیوی ، لونڈی کو کرے جو بدشعار
کر لیا شیطان کا گھر سینہ کو ۔۔۔ اور بنایا قبلہ اپنے کینہ کو
تیز سینگوں کا تری چیرے جگر ۔۔۔ یہ عصا توڑے گا تیری شاخِ سر

اس دنیا والوں کا حملہ کرنا اور غارت گری کرنا اس جہاں والوں پر قلعہ کی سرحد تک جو کہ غیب کی سرحد ہے اور ان کا کمیں گاہ سے غافل ہونا کیونکہ غازی جب جہاد نہیں کرتا ہے کافر حملہ کر دیتا ہے۔

جسموں والے حملہ جب کرتے ہوئے ۔۔۔ قلعۂ روحانیاں تک چل پڑے
غیب کی سرحد پہ قبضہ کے لیے ۔۔۔ پاک باطن تا نہ کوئی آسکے
چونکہ حملہ خود کرتے نہیں ۔۔۔ حملہ آور ہوتے ہیں کافر وہیں
غازیانِ غیب خوئے حلم سے ۔۔۔ اے تو بدخوا حملہ کرنے سے رہے
غیب کی سرحد پہ حملہ کردیے ۔۔۔ تا نہ آئیں مرد اِدھر کوئی غیب کے
پنجہ مارا پشت پر ارحام پر ۔۔۔ تا کہ روکے ان کا رستہ تیرا شر
شاہراہ وہ بند کرسکتا ہے کیا؟ ۔۔۔ نسل افزائی کو جو کھولا خدا؟
اے فسادی در کی بندش خود تھا تو ۔۔۔ چھوڑا اندھے پن سے اک سر ہتک کو
میں سپاہی توڑا تیرے قصد کو ۔۔۔ ہوگی رسوائی تری اب دیکھ تو

کیوں نہیں در بند کردے سخت تر / ہنس لے دم بھر تاؤ دے کر مونچھ پر
مونچھ اکھڑے گی تری ایک ایک کر / چھین لے گی وہ ترا نورِ بصر
تیز تیری مونچھ ہے یا آلِ عاد / جس کے دم سے لرزہ بر تن بلاد
طاق لڑنے میں تو یا وہ ثمود / ویسا پایا نہ کوئی اب تک وجود
میں بہت بولوں پہ تو سنتا نہیں / ان سنی کرتا ہے سن کر تو وہیں
توبہ کرتا ہوں میں اپنی بات سے / بن کہے گھولی دوا تیرے لیے
رکھوں کچے زخم پر تا پک سکے / تا ابد یہ زخم اور داڑھی چلے
جانے تا ہے علم اُسے ہر ایک کا / دیتا ہے ہر ایک کو وہ جو ہے سزا
کب کجی کی اور کیا کب تو نے شر / کہ نہ دیکھا لائق اس کے بعد اثر
نیکی کب بھیجی ہے سوئے آسماں / جس کا پھل پایا نہ تو نے بعد ازاں
احتساب اپنا اگر کرتا رہے / تو مکافاتِ عمل دیکھا کرے
گر ہو نگراں رسّی گر تھامے رہے / پھر قیامت کی ضرورت کیا تجھے
جو اشاروں کو سمجھتا ہو صحیح / وہ نہیں محتاج احوالِ صریح
سختیوں میں احمقی سے مبتلا / تو اشاروں کی سمجھ رکھتا نہ تھا
ہوگیا عصیاں سے تیرا دل سیاہ / دیکھ بے باکی نہیں اس جا روا
تیر بن جائے وگرنہ تیرگی / اور سزا مل جائے گی تجھ کو تری
ہے عنایت تیر سے گر بچ رہے / یہ نہیں کہ ہیں گناہ پنہاں رہے
رکھ کھلی آنکھیں اگر دل چاہیے / کچھ بڑھے گا تیرے ہر اک کام سے
اس سے بڑھ کر تجھ کو ہمت ہے اگر / کام نگرانی سے ہوگا خوب تر

اس کا بیان کہ آدمی کا خاکی جسم اس لوہے کی طرح ہے جو عمدہ جوہر والا آئینہ بننے کے قابل ہے تاکہ دنیا میں بہشت اور دوزخ اور قیامت کا معائنہ کرلے محض خیالی طریقہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ کے طریقہ پر

کالے لوہے کی طرح ہے تن ترا / دے جلا، اس کو جلا دے، دے جلا

تا ہو دل آئینہ صورت نما — تا حسیں دکھنے میں آئے ہر جگہ
گرچہ لوہا کاہے و بے نور تھا — پس جلا دینے سے کھوٹ اس کا گیا
ہوگیا صیقل سے لوہا خود حسیں — صورتیں اس میں نظر آنے لگیں
جسمِ خاکی گو ہے ناصاف و سیاہ — جگمگائے گا اگر دوگے جلا
صورتیں دیکھوگے اس میں غیب کی — چوں کہ فرشتہ نظر آئیں سبھی
عقل کا صیقل دیا حق نے تجھے — صفحۂ دل اس سے تا روشن رہے
تو جلا دینے سے بے پروا رہا — ہوگئے بے روک دو دستِ ہوا
خواہشوں کو قید میں رکھتا اگر — چھوڑتا صیقل کو بندش کھول کر
ہوتا غیبی آئینہ آہن ترا — صورتیں سب ہوتیں اس میں جلوہ زا
کرلیا کالا چڑھایا زنگ بھی — فتنہ پھیلانا زمیں پر ہے یہی
جو کیا اب تک نہ کرنا پھر کبھی — پانی گدلا ہوگیا بس بس یہی
دے نہ حرکت تا کہ وہ ہوجائے صاف — دیکھ اس میں چاند تاروں کا طواف
آدمی بھی ہے مثالِ آب جو — جب ہو گدلا تہ نہ دیکھے اس کی تو
تہ میں جو کے ہیں گہر موتی پڑے — صاف ہے پانی تو گدلا کر نہ دے
آدمی کی جاں ہے مانندِ ہوا — ہو جو گرد آلودہ چھپ جائے سماء
اس سے چھپ جائے گا روئے آفتاب — گرد جب بیٹھے دکھائے آب و تاب
مختصر یہ کم نہ کر اے بے سرور — صیقلی واللہ اعلم بالصدور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعونی بھیدوں اور اس کے خوابوں کو غیب سے بیان فرمانا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باخبر ہونے پر ایمان لائے

سخت اندھیرے میں بھی حق نے واقعات — تجھ کو دکھلائے تو پائے نجات
کالے لوہے سے دکھاتا ہے خدا — واقعے وہ ہوں گے جو کل رونما
تا کرے کم اپنا ظلم اپنی بدی — دیکھ کر بدتر ہوئی حالت تری

دیکھتا ہے خواب میں بدصورتی اس سے متنفر تو، وہ حالت تری
جیسے حبشی آئینہ میں دیکھ کر منہ کو فضلہ مل دیا آئینہ پر
کتنا بدصورت ہے، یہ لائق تجھے اندھے! میری زشتی ہے تیرے لیے
کر رہا ہے اپنی صورت پر جفا روشنی ہوں، کیا بگاڑے گا مرا
دیکھے اپنا جامہ تو گاہے جلا گاہ اپنی آنکھ منھ خود لیا
گاہے حیواں پیاسا تیرے خون کا گہ سرِ خود شیر کے منھ میں دیا
گاہ تو بیت الخلا میں سرنگوں اور کبھی ہے غرق اندر سیلِ خوں
گر پڑا پستی میں گاہے بام سے ہاتھ دونوں گہ شکنجوں میں بندھے
ہوگا تو طوق و سلاسل میں کبھی گاہ سر پیٹے گا صورت ڈھول کی
آسماں سے تو ندا پائے کبھی کہ شقی ہے تو شقی ہے تو شقی
آئے بے جانوں سے بھی گاہے صدا تا ابد فرعون دوزخ میں چلا
گہ درختوں سے سنی تو نے صدا مرگیا فرعون دھتکارا ہوا
ان سے بھی بدتر نہ بولوں شرم سے سن کے تا غصہ نہ آجائے تجھے
میں نے دو باتیں ہی کیں اے ناپذیر جان لے اس سے کہ میں بھی خبیر
مر پڑا آنکھوں پہ پٹی باندھ کر کچھ نہ بنی کی نہ خوابوں کی خبر
بھاگتا تھا جس سے پیش آیا وہی کوری تیری فہم مکرِ اندیش کی

اس کا بیان کہ اللہ تعالٰی کے کرم سے توبہ اور معافی کا دروازہ کھلا ہوا ہے

ہاں نہ کرنا پھر تو اس سے احتراز عفو کی خاطر درِ توبہ ہے باز
توبہ کا در سمت مغرب سے کھلا حشر تک ہے از پئے مخلوق وا
غرب سے نکلے نہ جب تک آفتاب پھر نہ اس سے ہے کھلا توبہ کا باب
آٹھ دروازے ہیں جنت کے لیے بابِ توبہ ایک ہے ان ابواب سے
وہ کبھی بند اور کبھی رہتے ہیں وا ہے سدا دروازۂ توبہ کھلا

در کھلا ہو تو غنیمت جان اسے
لے چل اپنا رخت حاسد سے چھپے

ہاں نہ کردے قہر آخر بند در
تیری زاری پھر سنے گا کون اِدھر

چھوڑ تیرا کفر تو اس در پہ آ
ہو نہ مردود بدبخت اس جگہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کہنا کہ میری ایک نصیحت مان لے اور بدلے میں چار فضیلتیں حاصل کر لے اور فرعون کا دریافت کرنا کہ وہ چار کیا ہیں

ہاں مری اک بات سن اور کر عمل
مجھ سے حاصل کر چار اس کے بدل

بولا موسیٰ کیا ہے وہ اک کچھ تو بتا
میرے آگے شرح کر اس کی ذرا

بولے وہ اک یہ ہے کہہ دے آشکار
کہ نہیں دیگر خدا جز کردگار

جو ہے خالق انجم و افلاک کا
مرغ، جن، انساں پری سب کا خدا

خالقِ دریا، بیاباں و جبال
سلطنت جس کی ہے بے حد بے مثال

ہر مکاں ہر چیز کا وہ پاسباں
وہ ہے ہر ذی روح کا روزی رساں

وہ نگہ دار زمین و آسماں
گھاس سے کرتا ہے پھولوں کو عیاں

دل کی باتوں کی وہ رکھتا ہے خبر
سرکشوں پر حکم اس کے سخت تر

بادشاہ و بادشاہوں کا بڑا
اس کو زیبا یَفْعَلُ اللّٰہ مَا یَشَاء

پوچھا موسیٰ کیا ہیں بتلا چار وہ
دینے والا ہے مجھے بدلے میں جو

ہو تو ہو خوبی سے سچے وعدے کی
کچھ سزائے کفر میں آئے کمی

ہیں غنیمت عہد جو تو نے کیے
حلِ مشکل سینکڑوں کو مل سکے

کیا عجب تاثیر جوئے انگبیں
شہد کر ڈالے مرا یہ زہر کیں

کیا عجب گر وجہِ عکسِ جوئے شیر
پرورش پائے دمِ عقلِ اسیر

کیا خبر بہتے ہوئے ایہارِ خمر
مست کر دیں پاؤں خود من ذوقِ امر

یہ بھی ممکن ہے ز جوئے لطفِ آب
تازگی پائے مرا جسمِ خراب

میری خاکِ شورہ سے سبزہ اُگے
جَنَّۃُ الْمَاوٰی یہ خارستاں بنے

شاید عکس از جنت و انہار کا — جاں کو طالبِ لطفِ خاں کا
عکسِ دوزخ نے مجھے ایسا کیا — قہرِ حق سے خوار، آتش کا جلا
نارِ دوزخ سے ہوا مانندِ مار — اہلِ جنت پر رہا ہوں زہر بار
عکس مجھ پر کھولتے پانی کا تھا — ظلم میرا خلق کو جھلسا دیا
سرد تھا میں وجہِ عکس زمہریر — سایۂ دوزخ تھا، میں جوئے سعیر
آج بھی دوزخ میں مظلوموں کا ہوں — ہائے وہ، پاؤں جسے زار و زبوں
موسیٰ ممکن ہے تو کھولے مجھ پہ در — میں ترے افضال کی پاؤں خبر
امن کی شاید میں پا جاؤں جگہ — کبر و نخوت سے ملے مجھ کو پناہ
ہاں بتادے مجھ کو بس کیا ہیں وہ چار — جو عوض پاؤں گا کر ان کا شمار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان چار فضیلتوں کی تشریح کرنا جو فرعون کے ایمان کا بدلہ ہوں گی

بولے موسیٰ اولیں ان چار سے — دائمی صحت ترے تن کو ملے
علّتیں از روئے طلب ہوتی ہیں جو — دور تیرے تن سے ہوجائیں گی وہ
دوسری پائے گا تو عمرِ دراز — عمر سے تیری کرے موت احتراز
عمر یکساں گر بسر تو کرسکے — کس طرح ناکام دنیا سے چلے
طفل کو جوں دودھ موت اچھی لگے — یوں نہیں جیسے رہائی رنج سے
موت کا خواہاں نہ وجہِ عجز و رنج — بلکہ پائے خانہ ویرانی میں گنج
پس تو اپنے ہاتھ میں تیشہ لیے — اپنے ہاتھوں اپنا گھر ڈھانے لگے
کہ حجاب گنج سمجھے خانے کو — مانعِ سو کھلیانوں کا اک دانے کو
جھاڑ پھینکے آگ میں اُس دانہ کو — آگے رکھے تیشۂ مردانہ کو
خانۂ تن بے تامل ڈھائے تو — ابر سے تا لائے باہر چاند کو
باغ اک پتّے کی خاطر کھودیا — برگ پر انگور سے زندہ گیا

لطف نے کیڑے کو جب چونکا دیا — اژدہے کی جہل کے لقمہ کیا
کیڑا کیڑا بیل پر انگوروں سے — لائی کیا تبدیلی اُس خوش بخت نے

میں چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ جانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی، کی تفسیر

ڈھادے اے لعل یمن اپنا مکاں — گھر بنائے جائیں گے لاکھوں یہاں
گنج گھر کی تہ میں ہے کیا کیجیے — فکر کیوں ڈھانے کی تو ڈھادے اسے
گھر ہزاروں ایک گنجِ نقد سے — ہم بنا سکتے ہیں پھر غم کس لیے
آخرش ہوگا یہ گھر ویراں کبھی — ہوگا ظاہر تہ سے اس کی گنج بھی
حال تو تیرا نہیں ہوگا مگر — اس کا حق ہے جو کرے ویراں یہ گھر
جو نہ توڑے فرد کیوں اس کو بھلا — لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
ہائے خالی ہاتھ ہوگا بعد ازاں — زیرِ ابر اک چاند ایسا تھا نہاں
ہاں نہ مانی بات ان کی تھی بھلی — گنج کھویا اب ہوں بادستِ تہی
مانع سو خرمن کا میں دانہ ہوا — پردہ گنجینے پہ اک خانہ ہوا
تو نے گھر اجرت کرایے پر لیا — یہ نہیں مالیت بیع و شرطے
اس کرایے کی ہے مدت تا اجل — تا ہو اس مدت میں تو وقفِ عمل
چیتھڑے سینے کی جا تیری دکاں — اس دکاں کی تہ میں ہیں مخفی دکاں
ہے کرایے کی دکاں غفلت نہ کر — تیشہ لے اور مار اس کے پایہ پر
تا کہ تیشہ کان پر جا کر لگے — پارہ دوزی سے تجھے رخصت ملے
پارہ دوزی کھانا پینا یہ ترا — چیتھڑے گدڑی یہ سینا یہ ترا
گدڑی پھٹتی ہے تیری ہر گھڑی — لگتا ہے پیوند اس پر کھاتے ہی
تو ہے نسلِ بادشاہِ کامیاب — ترک کر اس پارہ دوزی کو شتاب
ایک ٹکڑے کو دکاں سے تو ہٹا — کانیں دو تا سامنے ہوں رونما
گھر میں جب تک تو کرایے کے رہے — اس کا پھل حاصل نہیں ہوگا تجھے

پس دکاں والا نکالے گا تجھے	پھر اکھیڑے گا دکاں کو کان سے
گاہے تو افسوس پیٹے گا سر	گہ نکالے غصہ ریشِ خام پر
ہائے وہ دکّان میرا مال تھا	کور میں پایا نہ کوئی فائدہ
وائے میں رت گنج ہاتھوں سے گیا	چشمۂ حیواں میں مٹّی بھردیا
کردیا افسوس پستی کو فنا	تا ابد بندے پکارے حسرتا

انسان کا اپنی ذہانت اور اپنے طبعی تصورات کے دھوکے میں پڑنا اور علم غیب طلب نہ کرنا جو علم انبیا علیہم السلام کا ہے

اپنے گھر میں دیکھ کر نقش و نگار	عشق میں گھر کے رہا خود بے قرار
گھر کے اندر تھا میں حیرت کا شکار	ہوگیا خالی حقائق سے وزار
گھر کی الفت کام دل میں کر گئی	رہ گیا تنہا، خزانے سے تہی
گنجِ پنہاں کی نہ تھی مجھ کو خبر	ورنہ ہوتا مجھ کو دستنبو تبر
قدر کرتا ہوں کدالی کی اگر	میں نہ کرتا افسوس اس قدر
نقش پر میری نظر جب جم گئی	کھو گیا جوں پیار میں بچہ کوئی
خوب فرمائے حکیمِ کامگار	طفل تو اور گھر سبھی نقش و نگار
پند الٰہی نامہ میں کیا خوب دی	خانداں کو پھونک اڑا دے خاک بھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے چاروں فضیلتوں کی تشریح کو مکمل کرنا

بس کر اے موسیٰ بتا وعدۂ سوم	ہوگیا دل میرا بے تابی میں گم
بولے سوم ہے حکومت دوہری	دونوں دشمنوں سے ہوں تہی
سلطنت اس سلطنت سے بھی بڑی	جنگ اس میں اور اس میں آشتی
جنگ میں جو تجھ کو ایسا ملک دے	صلح میں کیا کچھ نہ دے گا خوان سے
اس قدر جس نے جفا میں دے دیا	ہوگا کتنا مہرباں اندر وفا؟

بولا موسیٰ کیا ہے چہارم بھی بتا — حرص میں اب صبر ہاتھوں سے گیا
بولے چوتھا تو رہے دائم جواں — بال کالے اور چہرہ ارغواں
رنگ و بو کھوٹے ہمارے سامنے — پست تو گھٹیاں سنائی ہے تجھے
رنگ و بو پر ناز اور شانِ مکاں — وجہِ شادی ہے برائے کو دکاں

اس حدیث کی تفصیل کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے انداز سے بات کیا کرو نہ کہ اپنی عقلوں کے انداز سے تا کہ اللہ اور اس کا رسول جھٹلا نہ دیا جائے

واسطہ چوں کہ مرا بچوں سے تھا — ہم زباں کو دکاں ہونا پڑا
مدرسہ جا مرغ لادوں گا تجھے — پستہ، اخروٹ، منقّی بھی تو لے
جز شباب تن تجھے کیا چاہیے — اس جوانی کے لیے جو لے گدھے
رخ پہ اک جھرّی تک نہ دیکھے گا — تازہ جاں ہوگئی جوانی بھی تری
ذلتِ پیری نہ دیکھے گا کبھی — سرو سی قامت نہ جھکنے پائے گی
کم نہ ہونے پائے گا زورِ شباب — دانت بھی تیرے نہیں ہوں گے خراب
ہوگی شہوت تیری اور بحال — تا نہ ہووے ضعف سے زن کو ملال
بال اُجلے اور نہ ہوگی پشت خم — ہوگا بہتر لحظہ لحظہ دم بدم
شان وہ ہوگی جوانی کی تری — جو کہ عکاشہؓ کو خوشخبری ملی

حدیث کا مطلب یہ کہ جو مجھے صفر نکل جانے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنت کی خوشخبری دے دوں گا

انتقالِ احمدؐ آخر زماں — ہے ربیع اول بلا شک و گماں
وقتِ رحلت کی خبر جب مل گئی — ہوگئے عاشق دل و جاں سے تبھی
خوش سے آیا جب ماہِ صفر — بعد اس سہ کے کروں گا میں سفر
ذکر رہتا تھا زباں پر رات بھر — یا رفیقِ راہ اعلیٰ تا سحر

جب صفر جائے گا دنیا سے گزر
جو بھی دے گا مجھ کو اس کی خوش خبر

چل دیا ماہِ صفر آیا ربیع
دوں اسے مژدہ سوں اس کا شفیع

رخت باندھا جب صفر تو ماہِ نو
چرخ پر آیا بتا بانی و ضو

بولے عکاشہؓ صفر گزرا چلا
آپؐ فرمائے کہ لے جنت صلہ

دوسرا آیا کہا گزرا صفر
بولے عکاشہ نے پایا وہ ثمر

پُر کشش وہ نقلِ عالم کا خیال
لوگ کتنے خوش تھے بچوں کی مثال

عمدے پانی کو ترستا مرغِ کور
بن گیا کوثر اسے وہ آب شور

تھا کراماتی جو موسیٰ کا بیاں
بن چلے سامع تھے رستہ پر رواں

بادۂ اقبال تلچھٹ ہو نہ جائے
دھاری دار اطلس کو ایسے تو نہ پائے

جو بھی چاہے بخت سے حاصل کرے
ناتواں ہونے نہ پائے خوش رہے

بولا وہ اچھا کیا، اچھی کہی
میں بھی لوں گا رائے اپنے یار کی

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے میں حضرت آسیہ خاتون سے فرعون کا مشورہ کرنا اور حضرت آسیہ کا اس کو ایمان لانے کو کہنا

آسیہ سے بات یہ اس نے کہی
بولی اس پر کر نچھاور جان بھی

اصل میں نعمت سے پُر ہے یہ مقال
جلد حاصل کر شہِ نیکو خصال

وقت سے کھیتی کا کھیتی واہ واہ
پھر ہوئیں گرم اور دیں آنسو بہا

بولیں خوش ہوکر مبارک ہو یہ آج
بن گیا سورج گنجے سر کا تاج

تاج لائے عیب خود گنجے کا سر
اور خصوصاً تاجِ خورشید و قمر

تو نے جس مجلس میں یہ باتیں سنیں
کیوں نہیں بولا تبھی ہاں، آفریں

یہ سخن خورشید بھی سنتا اگر
پا کے بو آتا بلندی سے اتر

عہد کیا، کیسی عطا، ہے کچھ خبر
ہے خدا خود مہرباں ابلیس پر

لطف سے تجھ کو بلائے اور وہ رب
پھر بھی سالم ہے ترا پتّہ عجب

نہ پھٹا پتہ ترا پھٹنا اگر
دونوں میں تو ہوتا بہرہ ور

پتہ وہ جو پھٹ پڑا بہرِ خدا
جوں شہیداں دونوں جا پھل پائے گا

غفلت و کوری ہے دانائی بجا
تا رہے موجود لیکن تا کجا

حکمت اور نعمت ہے غفلت کی نمود
تا نہ جائے ہاتھ سے سرمایہ زود

پُر نہ ہو اتنی کہ خود ناسور ہو
زہرِ جان و دانشِ رنجور ہو

کون از خود ایسا اک بازار پائے
گُل کو دے کر کون گلشن مول لائے

سینکڑوں جھاڑ ایک دانے کے عوض
سینکڑوں کان ایک حبے کے حوض

راہِ حق میں جس نے اک حبہ دیا
اس تمنا میں کہ ہو اللہ صلہ

تیرا ہونا چوں کہ ہے ناپائیدار
سوئے ربّانی سے ہوگا پائیدار

ہوئے فانی کو سپرد اس کے کیا
موت سے تو بچ گیا باقی ہوا

جیسے قطرہ اس کو خوف باد و خاک
تا نہ ہوجائے وہ دونوں سے ہلاک

جب کہ اپنی اصل دریا سے ملا
تابِ مہر و خاک و صرصر سے بچا

ظاہر اس کا گُم ہوا دریا میں پر
ذات محفوظ اور پاؤں خاک پر

خود کو دریا میں اے قطرہ ڈال دے
تا ملے قطرہ کے بدلے ہم تجھے

اس بزرگی سے تو ہو جا بہرہ ور
پھر ہلاکت کا نہیں دریا میں ڈر

ایسی دولت خود کسے ہاتھ آئے گی
بحر کو خود ہے ضرورت بوند کی

جب کہ خود دریا کو حاجت ہے تری
کیوں کھڑا ہے کیا ہے حاجت عجز کی

اللہ اللہ خود کو فوراً بیچ دے
قطرہ دے کر بحر کو گوہر کو لے

اللہ اللہ دیر کچھ اس میں نہ کر
بحر سے یہ آیا ہے پیغام ادھر

اللہ اللہ کر تلاش اس کی شتاب
بحرِ رحمت ہے نہیں جوئے کم آب

اللہ اللہ گیند بن بے دست و پا
بلا موسیٰ کا بنے پاؤں ترا

اللہ اللہ تو گمانِ بد نہ کر
عام ہے انعام یہ اے بے خبر

اللہ اللہ جلد پالے اس کو جا
تا نہ کردے یہ غلط بینی فنا

اللہ اللہ چھوڑ دے ہستی ذرا   جب بلایا ہے تجھے اس نے تو جا
اللہ اللہ جلد کر عجلت دکھا   مستنیر اس رمز سے ہوجا ذرا
اللہ اللہ ٹیڑھی بازی ہے پسند   معصیت میں سر کیا تو نے بلند
اللہ اللہ جب عنایت ہوگئی   اس سے ہو وابستہ اے سرکش ذرا
اللہ اللہ یہ گنہ تیرے مگر   وجہِ رسوائی نہیں بس شکر کر
اللہ اللہ فضل نے رستہ دیا   اس کی خاک پایہ سجدہ ہے روا
اللہ اللہ ایسا دوہرا کفر پر   لطف اس کا جو قبولے داد گر
مہر اندر مہر، گم در یک دگر   جیسے سفلہ کوئی ہفتم چرخ پر
باز اک نادر ترے ہاتھ آئے گا   کوئی ڈھونڈے بھی نہ اس کو پائے گا
چار ان تحفوں سے جلدی مان جا   دیکھ کیا کیا اس کے بدلے پائے گا
بولا بتلا دوں گا یہ ہاماں کو بھی   رائے دیواں کی ہے شہ کو لازمی
بولیں ہاماں سے نہ کہہ راز کو   کبڑی بڑھیا جائے کیوں کر باز کو

بادشاہ کے باز اور اس بڑھیا کا قصہ جس کے گھر میں وہ باز تھا

باز اُجلا دیتا ہے بڑھیا کو تو   اس کے ناخن وہ تراشے حفظ کو
اس کے ناخن جو کہ ہیں آلۂ شکار   کاٹتی ہے بڑھیا ناخن نوکدار
ماں تری آخر کہاں تھی اے بھلے   تیرے ناخن اس قدر جو بڑھ گئے
کاٹ ڈالی چونچ، ناخن اس کے پر   جب اتر آئی وہ بڑھیا پیار پر
دلیا دیتی تھی تو وہ کھاتا نہ تھا   بھول جاتی پیار، غصہ بڑھتا تھا
آش یہ میں نے پکائی ہے تجھے   سرکشی، یہ غصہ تجھ کو کس لیے
ہے سزا بدقسمتی تیرے لیے   نعمت و خوش بختی کیوں بھاتے تجھے
لاتی دلیے کا پانی ہی کہ لے   سادہ روٹی گر نہیں بھاتی تجھے
اس پہ بھی نفرت جو دیکھے باز کی   غصہ بڑھ جاتا اس کا اور بھی

کھولتی آش اس کے سر پر ڈالتی   گنجی ہوجاتی تھی اس کی کھوپڑی

اشک بہہ جاتے تھے چشمِ باز سے   یاد آجاتا تھا لطفِ شہ اسے

نازنین غماز دونوں آنکھ سے   سو ہنر اس نے رخِ شہ سے لیے

چشم مازاغ اس کی کھائی زخمِ زاغ   چشمِ بد سے ہوگئی با درد و داغ

اس قدر وسعت تھی اس کو آنکھ کی   تار مو وسعت دو جگ کی ہوگئی

آنکھ میں اس کی ہزاروں آسماں   پیش قلزم جیسے چشمہ بے نشاں

اور ورے آنکھ اس کی محسوسات سے   شادماں وہ غیب کی لذات سے

سننے والا میں نہیں پاتا کوئی   تا کروں تعریف چشمِ خوب کی

قطرے دو ٹپکے ان آنکھوں کے جلیل   لے گئے اُن کو اڑا کر جبرئیلؑ

تا ملیں ان کو پر و منقار پر   دے اجازت پاک خو اس کی اگر

باز بولے غصہ بڑھیا کا چڑھا   پر نہ نور و صبر و شاں کو چھو سکا

بازِ جاں ہوں روپ گونا گوں مرے   صالحؑ کو کیوں زخم ناقے کو لگے

پھونک صالحؑ پُرشکوہ گر مار دے   ناقے سو یہ کوہ خود پیدا کرے

دل ہی کہتا ہے خاموش ہوشیار   پھاڑ کر رکھ دے گی غیرت پود و تار

سینکڑوں حلم اس کی غیر میں نہاں   پھونک دے ورنہ یہ یکدم صد جہاں

پند پر شاہی تکبر چھا گیا   پند نے دل میں نہیں پائی جگہ

بس کروں اب رائے میں ہاماں کی بھی   وہ سہارا ملک کا قوت وہی

مصطفیؐ کو رائے زن صدیقِ رب   زئے زن بوجہل کو بھی بو لہب

جنسیت کی راگ نے یوں کھینچا اسے   پھر گیا وہ آسیہ کے پند سے

جنس سوئے جنس سو پر سے اڑے   پھاڑ دے تا بھی پردے ہوں پڑے

اس عورت کا قصہ جس کا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا تھا اور گرنے کا خطرہ رکھتا تھا اور اس کی ماں کا حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ سے سوال کرنا اور تدبیر چاہنا

ایک عورت آئی پیشِ مرتضیٰؓ — بولی پرنالے پہ بچہ چڑھ گیا
میں بلاتی ہوں تو ہاتھ آتا نہیں — ڈر ہے گرنے کا جو رہنے دوں وہیں
نا سمجھ، کیوں بات میری پائے گا — گر کہوں خطرہ ہے میرے پاس آ
وہ نہ پہچانے اشارے ہاتھ کے — سمجھے بھی تو وہ نہ مانے گا اسے
دودھ بھی پستاں بھی دکھلائی مگر — پھیر لیتا ہے وہ منھ بس دیکھ کر
آپ از بہرِ خدا ہیں اے امیر — اس جہاں اور اُس جہاں میں دستگیر
چارہ کچھ دل لرزتا ہے مرا — ہو نہ جاؤں دل کے ٹکڑے سے جدا
بولے اک بچہ کو لے جا بام پر — تا کہ دیکھے بچہ بچہ کو اُدھر
جانبِ جنس آئے گا پرنالے سے — ہیں سدا دیوانے سب ہم جنس کے
کی یونہی زن، دیکھا بچہ بچہ کو — آیا خوش خوش جنس کے خود رو برو
بام پر آیا وہ موری چھوڑ کر — جنس کی رغبت ہے اپنی جنس پر
کھسکے کھسکے طفل کے جانب بڑھا — خوف گر پڑنے کا جو بھی تھا گیا
اس لیے جنسِ بشر ہیں انبیاء — جنس سے کھنچ کر ہوں موری سے رہا
پہلے فرمائے بشر پھر مثلکم — جنس سے تا ہو کے رہ جائیں نہ گم
کچھ نرالی ہی کشش ہے جنس کی — جنس جاذب جو طالب ہو کوئی
عیسیٰؑ و ادریسؑ گردوں پر چلے — اس لیے کہ وہ فرشتہ جنس تھے
جنسِ تن ہاروت اور ماروت تھے — پس زمیں پر وہ فلک سے آ گئے
کافراں ہم جنس تھے شیطان کے — اس لیے شیطانوں کے چیلے بنے
عادتیں لاکھوں بری خود اس سے لیں — اور آنکھیں عقل و دل کی بند کیں
کمتریں عادت حسد کی اس سے لی — گردنِ ابلیس جس سے کٹ گئی

لے لیا کتّوں سے کینے و حسد　　وہ نہ چاہے خلق کو ملکِ ابد
با ہنر پاس اس کو گر کوئی ملے　　تو حسد دردِ شکم لائے اسے
ہر کوئی بدبخت وہ خرمن جلا　　شمعِ روشن غیر کی کیوں چاہے گا
دیکھ حاصل کر ہنر کچھ آپ بھی　　تا نہ غیروں کے ہنر سے ہو دکھی
کر حسد کے دفع کو حق سے دعا　　تا حسد سے حق کرے تجھ کو رہا
تاکہ باطن میں رکھے شامل تجھے　　شغل باہر کا نہ کوئی تجھے
گھونٹ بھر مے کو وہ مستی دے خدا　　مست اس کا ہو دو عالم سے رہا
بھنگ مٹھی بھر میں رکھا وہ اثر　　کہ دو دم رکھے خودی دور تر
نیند سے بھی کام یہ حق نے لیا　　کردیا فکرِ دوعالم سے رہا
ہو کیا مجنوں کو عشقِ پوست سے　　کہ پہچانے عدو کو دوست سے
ایسے رکھتا ہے وہ لاکھوں اثر　　غلبہ حاصل جن کو محسوسات پر
ہیں شقاوت کی شرابیں نفس کو　　کرتی ہی بے راہ جو اس نحس کو
ہیں سعادت کی شرابیں عقل کو　　پائے جن سے منزلِ بےنقل کو
خیمۂ گردوں کو وہ مستی میں ڈھائے　　آگے آگے پھر قدم اپنے بڑھائے
دھوکا ہر مستی سے اے دل تو نہ کھا　　عیسیٰؑ مستِ حق ہیں مست جو گدھا
تو شراب ایسی ہی ان مٹکوں سے لے　　یہ نہیں کہ تہ دُموں کے واسطے
جیسے خم لبریز ہر معشوق ہے　　اس میں تلچھٹ اس کے اندر صاف ہے
مے شناس اس مے کو چکھ ہشیاری سے　　تا مے خالص ہی پینے کو ملے
مے شناسا ناخوشی سے چکھ اسے　　بادہ وہ جس سے سکوں تو پا سکے
سرخوشی دونوں میں ہے اس کی مگر　　ربِّ دیں کی سمت لائے کھینچ کر
مکر، حیلے، وسوسوں سے چھوٹ کے　　عقل کی رسّی بنا ناچے چلے
جنسِ روح ہیں انبیائے مثلِ ملک　　کھینچ کے آتے ہیں فرشتے از فلک
جنسِ آتش ہے ہوا اور اس کی یار　　اٹھ کے چھولینا بلندی ہے شعار

بند کردے خالی کوزے کو اگر — حوض یا جو میں ڈبوتے تو اگر
حشر تک تہہ کو نہ چھونے پائے گا — کہ ہے اس کے بطنِ خالی میں ہوا
میل چوں کہ اس میں بالائی کا — سطح پر لاتی ہے کوزے کو ہوا
پھر وہ روحیں جو ہیں جنسِ انبیاء — کرتی ہیں سایہ کی صورت ارتقا
چونکہ غالب عقل ہے خالی زشک — عقل خلقت میں مانندِ ملک
ہیں ہوائے نفس سے مغلوب عدو — نفس اسفل سے ہے اس پہ تھو
قبطیاں ہیں جنسِ فرعونِ زمیم — سبطیاں ہیں جنس موسیٰؑ کلیم
ہاماں چونکہ جنس فرعونی سے تھا — اس کو تا صدرِ سرائے کر گیا
مستیوں میں صدر سے لے کر چلا — چونکہ دوزخ سے تھا ان کا واسطہ
جوں جہنم جلنے والے ضدِّ نور — جیسے دوزخ نور سے دل کے نفور
بولے مومن سے جہنم جلد جا — نور تیرا آگ کو دے گا بجھا

آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بیان میں کہ اے مومن گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا

جلد اے مومن گزر جا مجھ سے دور — گل نہ کردے آگ میری تیرا نور
بھاگتا ہے نور سے وہ دوزخی — کہ طبیعت دوزخی اس کو ملی
بھاگے مومن سے جہنم اس طرح — اُس سے بھاگے مردِ مومن جس طرح
نور اس کا جب نہیں ہے جنسِ نار — نار کی ضد نور کا ہوگا شمار
ہے حدیثوں میں یہ مومن کی دعا — اے خدا ہم کو جہنم سے بچا
اس سے بچنے مانگے دوزخ بھی دعا — اے خدا مجھ کو فلاں سے تو بچا
سب کشش ہے جنسیت کی دیکھ لے — کفر و دیں میں تو ہے کس کی جنس سے
انسِ ہاماں سے تو ہامانی بنے — انسِ موسیٰؑ سے تو سبحانی بنے
انس دونوں سے تو اکسایا ہوا — پس ملن ہے اس میں عقل و نفس کا

جنگ ہے دونوں جاری، جہد گر
عقل غالب آسکے تا نفس پر
صدق کا ساغر تو لے موسیٰؑ سے پی
نقش پر معنی کی تا ہو برتری
جنگ زدہ دنیا میں کافی یہ خوشی
ہار دشمن کی تو دیکھے ہر گھڑی
جہد کر تا ہار عدو کو ہوسکے
نے سنے فرعون گو کوئی اسے
بات لمبی ہوگئی پر ناگزیر
بول کیوں بھٹکے وہ فرعون و مشیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بارے میں فرعون کا اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرنا

وہ کہ تھا شدت کا جھگڑالو گیا
رائے کی خاطر و ہامان سے کہا
وعدے تھے جو بھی کلیم اللہؑ کے
جا کے اس گمرہ سے اس نے کہہ دیے
بولا ہاماں کو وہ جب تنہا ملا
اچھا ہاماں چاک داماں کرلیا
وہ لعیں چلّایا اور رونے لگا
خاک پر دے مارا دستارِ کُلہ
شہ کے آگے ایسی ایسی جو کہی
بات تھی گستاخ کی کتنی بری
سارے عالم کو مسخر کرلیا
تو نے جو کچھ بھی کیا چمکا دیا
مشرق و مغرب سے بے تکرار آج
بادشاہ جتنے ہیں لاتے ہیں خراج
جانتے ہیں ہونٹ شاہاں شاد شاد
تیرے در کی خاک پر اے کیقباد
باغی گھوڑا اپنا گھوڑا دیکھ کر
بھاگے گا منہ پھیر کر راہ ہے دگر
تم کہ وہ معبود و مسجود جہاں
ہونے جاؤ گے حقیرِ بندگاں
ہے ہزار آتش میں بھی بہتر مقام
پر نہ ہو آقا پرستار غلام
قتل کر اے بادشہ اول مجھے
ایسے تیرے دن نہ دیکھوں آنکھوں سے
اے شہنشاہ دے مری گردن اڑا
تا نہ دیکھوں عالمِ ذلت ترا
نہ ہو ایسا، نہ ہوجائے کہیں
کہ زمیں گردوں بنے گردوں زمیں
کیوں بنیں بندے ہمارے خواجہ تاش
بے دلوں کیسی جرأتِ دلخراش
دشمنوں کی آنکھ روشن، یار کور
گلستاں ہم کو بنے کیوں قعرِ گور

فرعون علیہ اللعنۃ کے ساتھ ہامان کی باتوں کی کمزوری

دوست دشمن کی تمیز اس نے کی
الٹی بازی کور پن سے اس نے کی

بن ترے دشمن ترا کوئی نہیں
بے گناہوں کو نہ کہہ دشمن لعیں

حالتِ بد یہ تجھے دولت ہوئی
بھاگ دوڑ اول تو ذلت آخری

رفتہ رفتہ ہو تو دولت سے بری
ورنہ فصلِ گُل خزاں ہوجائے گی

مشرق و مغرب نہیں خود برقرار
وہ کسی کو کیوں کریں گے پائیدار

ناز تجھ کو یہ کہ قید اور خوف سے
کچھ خوشامد گر ہیں تیرے سامنے

لوگ جس کے آگے سجدہ کرتے ہیں
اس جاں میں زہر گویا بھرتے ہیں

اس کا ساجد اس سے تب منھ موڑ لے
پائے گا جب زہر صاحب تھا بنے

مرحبا وہ جس کے تابع نفس ہو
حیف گر سرکش جیسے کوہ وہ

بادہ زہریلا پیے بدبخت جب
اک دو دم جھومے گا ذوقِ طرب

زہر اثر کرتا ہے بعد از جان پر
اپنا کاروبار کرتا ہے اِدھر

زہر کا اس پر نہیں گر اعتقاد
زہر وہ دیکھ تو انجام عاد

شاہ جب پاتا ہے قابو شاہ پر
مار دے گا یا رکھے گا قید کر

یا فرار و راہ میں زخمی
دے عطائیں، زخم پر مرہم رکھے

وہ تکبّر گر نہیں ہے زہر کیوں
بے گنہ شہ کا کیا وہ قتل کیوں

پھر بلا خدمت نوازا اور کو
جان ان دونوں جنسِ زہر تو

بے نوا کو مارا ہے ڈاکو کہیں؟
گرگ پھاڑا گرگِ مردہ کو نہیں؟

خضرؑ نے کشتی کو توڑا اس لیے
تا وہ کشتی ظالموں سے بچ سکے

ٹوٹنے میں ہے بھلائی ٹوٹ جا
فقر میں ہے امن فقر اپنا بھلا

کوہ وہ جس میں ہے کچھ پوشیدہ مال
ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے اس کو کدال

جس کو گردن ہے اسے تلوار ہے
وار سایہ پر کسے درکار ہے

ہے بڑا پن آگ اور مٹی کا تیل ۔۔۔ اے برادر آگ کب ہے کوئی کھیل
جو بھی ہے ہموار باسطحِ زمیں ۔۔۔ وہ نشانہ تیر کا ہوتا نہیں
جوں ہی سر اپنا اٹھائے خاک سے ۔۔۔ جو نہ سِل پائے وہ زخم اس کو لگے
سیڑھی جوں ہے یہ تکبر یہ خودی ۔۔۔ اس کو گرنا ہے کبھی تو لازمی
یہ رہی باتیں ہے کہتا تو یہی ۔۔۔ یہ تکبّر ہے خدا سے ہمسری
کیوں نہ پائی تونے مرکر زندگی ۔۔۔ باغی تو چاہے ہے شرکتِ ملک بھی
خود سے جو زندہ ہوا وہ ہے وہی ۔۔۔ وحدتِ خالد ہے شرکت کب ہوئی
شرح ڈھونڈ آئینۂ اعمال لے ۔۔۔ تو نہ پائے گا یہ گفتار سے
جوبھی دل میں ہے وہ گر تجھ سے کہوں ۔۔۔ ہیں جگر کتنے جو ہوجائیں گے خوں
کرتا ہوں بس عاقلوں کو بس یہی ۔۔۔ دو صدا دیں، گاؤں ہے بھی کوئی
مختصر ہاماں بدی سب بول کر ۔۔۔ کر دیا مسدود راہ فرعون پر
لقمہ دولت کا جو پہنچا تا وہاں ۔۔۔ ہوگیا دور اس کے منھ سے ناگہاں
پھونک ڈالا خرمنِ فرعون کو ۔۔۔ پس مصاحب شاہ کا ایسا نہ ہو
ایسے بد ساتھی کا قرب اچھا نہیں ۔۔۔ یاد رکھ اللہ اعلم بالیقیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ایمان لانے سے مایوس ہوجانا اور ملعون ہامان کی باتوں کا فرعون کے دل میں گھر کر لینا

بولے موسیٰؑ مہربانی ہم نے کی ۔۔۔ بہتری پر تیرے حصہ میں نہ تھی
وہ حکومت راستی جس میں نہیں ۔۔۔ ہاتھ ہی ہوگا نہ جس میں آستیں
وہ خداوندی جو چوری کی ہوئی ۔۔۔ جو دل و دیدہ و جاں سے ہو تہی
وہ جو آقائی مجھے لوگوں نے دی ۔۔۔ قرض ہے لے لیں گے پھر واپس وہی
بندگی سے کم تر آقائی تری ۔۔۔ کم تر از کم ہے اگر سمجھے تو ہی
کر سپردِ حق خدائی عارضی ۔۔۔ دے خدائی وہ خدا تا باخوشی

عرب کے سرداروں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا کہ ملک بانٹ لیجیے تا کہ جھگڑا نہ ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو جواب دینا کہ میں اس حکومت میں اللہ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہوں اور جانبین سے بحث

جمع ہوکر وہ امیرانِ عرب آئے لڑنے کو رسول اللہؐ سے جب
ہو امیر آپ اور امرا ہم سبھی ملک یہ دو ہم کو بھی لو آپ بھی
سب ہیں قائل حصہ میں انصاف کے ہاتھ دھولو تم ہمارے مال سے
آپ بولے حق نے دی میری مجھے خود نوازا سروری و حکم سے
یہ قرآنِ و دورِ احمدؐ سے سنو حکم ان کا مانو اور ان سے ڈرو
قوم بولی ہم بھی روئے قضا ہیں خدا کی دین سے فرماں روا
بولے اللہ نے حکومت دی مجھے کھانے پینے تم کو کچھ دن کے لیے
حشر تک ہے میری میری برقرار عارضی میری نہیں ہے استوار
قوم بولی اے امیر اب بس کرو کیا ہے حجت اس بڑائی پر کہو

سیلاب کا آنا اور سیلاب روکنے کے لیے سرداروں کا لکڑی ڈالنا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرداروں پر غالب آنا

اک گھنیرا ابر فوراً چھا گیا سیل آیا چار سو جل تھل ہوا
شہر کی جانب بڑھا سیلِ رواں ڈر سے شہری ہوگئے وقفِ فغاں
بولے پیغمبرؐ ہے وقتِ امتحاں جو تھا پوشیدہ وہ اب ہوگا عیاں
نیزہ پھینکا اپنا ہر سردار نے آگے تا کہ سیل کو بڑھنے نہ دے
تنکے جوں نیزے بہائے لے گیا تھا بہاؤ پُر غضب سیلاب کا
ایک ٹہنی ڈالے اس میں مصطفیٰؐ ہوگئی وہ معجز و فرماں روا
نیزے سب گم ہوگئے ٹہنی مگر مثلِ نگراں تھی کھڑی سیلاب پر

سیل اس ٹہنی کے باعث مُڑ گیا
اور دریا کی طرف رخ کر چلا

دیکھ کر وہ آپؐ کا کارِ عظیم
ہوگئے قائل وہ میراں وجہِ بیم

وہ جو تین افراد تھے کینہ بھرے
کفر سے جادو گر و کاہن کہے

وہ تھے بوجہل لعین و بو لہب
اور وہ سوم تھا بوسفیانِ حرب

بندشوں کا ملک ہوتا ہے ضعیف
اور آزادی میں ہوتا ہے شریف

نیزے ٹہنی کو نہ دیکھا لا کلام
دیکھ لے باقی ہے اُن کا اِن کا نام

نام ان کا مٹ گیا سیلاب سے
نام و دولت ان کی باقی دیکھ لے

پانچ بار یہ نام دن میں صبح و شام
گونجے گا عالم میں تا روزِ قیام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تکمیل اور فرعون کو ڈرانا اور دھمکانا

گر تو سمجھے مہربانی میں نے کی
گر گدھا ہے ساتھ ہے لاٹھی مری

اصطبل سے ہانک دوں لاٹھی لیے
گوش و سر سے تیرے خوں بہنے لگے

اس طویلے میں بشر ہوں یا خراں
ظلم سے تیرے نہ پائیں گے اماں

اک عصا لایا ہوں سکھلانے ادب
ہر گدھے کو بات مانے گا نہ جب

اژدہا ہوگا بہ حال قہر تو
جب بھی ہو تو اژدہا در فضل و خو

تو پہاڑی اژ دہا ہے بے اماں
دیکھ اسے بھی یہ ہے مارِ آسماں

یہ عصا قہرِ جہنم ہے تجھے
پر اجالا ہے وہ مومن کے لیے

تجھ سے یہ بولے کہ اے کافر دنی
بھاگ آ میرے یہاں ہے روشنی

ورنہ رہ جائے گا زنداں میں مرے
تجھ کو چھٹکارا نہ ہوگا قید سے

کفر سے پھر دینِ حق کی سمت آ
ورنہ نارِ جاوداں میں گھر بنا

گمرہ، بدبخت اے کمینہ باز آ!
سرنگوں دوزخ میں ورنہ جائے گا

جو عصا تھا اژدہا ہے اس زماں
پھر نہ کہنا حق کا دوزخ ہے کہاں

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچاننے والا یہ نہیں دریافت کرتا کہ بہشت کہاں اور دوزخ کس جگہ ہے

فاش ہے دل پر ترے دوزخ مگر
پردہ آب و گِل میں تیرے قلب پر

حق جہنم جس جگہ چاہے بنائے
خود پرندہ اوج میں بھی پھانج پائے

دردِ دنداں ہو تو تو چلّائے گا
ہائے دوزخ، ہائے ہائے اژدہا

یا بنادے شہد تیرے رال کو
تا کہے جنت کی نعمت اس کو تو

دانتوں کی جڑ سے کرے پیدا شکر
تا کہ جانے قوت کن و قدر

بے خطا کو دانت سے گھائل نہ کر
تجھ کو لازم بے اماں گھاؤ کا ڈر

قبطیوں پر نیل کی خوں کردیا
رکھا ہر سبطی کو زحمت سے بچا

پانی وہ فرعون کو دم میں لہو
قند نا ممنوں کلیم اللہ کو

فرق ہے اللہ کے ہاں یہ جان لے
درمیاں ہشیار و بے خود راہی کے

نیل نے سیکھی تمیز اللہ سے
اس کو کھولا اور باندھا سخت اسے

عقل پائے نیل اس کے لطف سے
اور غضب قابیل کو ابلہ کرے

عقل بے جانوں میں بھی افضالِ رب
عقل عاقل کی ہوا وقت غضب

لطفِ حق بے جانوں سے عقل آشکار
عقل عقوبت میں ہے عاقل سے فرار

امرِ حق سے عقل کی بارش اُدھر
ناخوشی سے اس کی سوکھا ہے اِدھر

ابر و انجم ہوں کہ خورشید و قمر
آتے جاتے ہیں سب اپنے وقت پر

ہر کوئی پابند اپنے وقت کا
پہلے آئے گا نہ پیچھے آئے گا

کیوں نہ پایا اس کو نبیوں سے بھلا
ان سے سیکھے عقل سب سنگ و عصا

پس دگر بے جانوں کو بے التباس
جوں عصا و سنگ پر کرنا قیاس

سنگ عصا سے ہو جو طاعت کا ظہور
اور بے جانوں سے کیوں ہوگا یہ دور

ہوں مطیع و زیرِ فرمانِ خدا
ورنہ سب بے اتفاقی سے فنا

نیل کا دریا ڈبونے جب چلا   فرق دو اقوام کے اندر کیا
بس نگلتے وقت پائی عقل خاک   قہر قاروں کا کیا اس کو ہلاک
حکم سن کر پھٹ گیا جب ماہتاب   جم گیا دو نیم ہوکر وہ شتاب
ہجرِ آقاؐ میں ستوں نالہ کناں   باخبر اس سے سبھی شیخ و جواں
جب کہ پتھر جھاڑ ہر اک ہر مقام   مصطفیٰؐ کو کرتے تھے واضح سلام

سنی اور فلسفی کا بحث کرنا اور اس دہریہ کا جواب دینا جو خدا کا منکر ہے اور عالم کو قدیم جانتا ہے

وہ کوئی دنیا کو تو پیدا کہا   چرخ فانی اور کہا مالک خدا
فلسفی پوچھا ہے کیوں حادث بتا   علم کیوں مینہ کو حدوثِ ابر کا
تو نہیں اک ذرّہ بھی از انقلاب   کیسے جانے تو حدوثِ آفتاب
کیڑا تو فُضلہ میں جائے گا کہیں   کب سے ہے کب تک رہے گی یہ زمیں
بات تقلیداً سنی یہ باپ سے   احمقی سے رہ گیا اس میں پھنسے
کیا سند ہے اس کی نوپیدائی کی   لا وگرنہ تجھ کو بہتر خامشی
بولا دیکھا غرق بحرِ عمیق   بحث میں مشغول اک دن دو فریق
لڑ رہے تھے اک دگر با شکوہ   جم گیا اطراف ان کے اک گروہ
میں بھی ہنگامے کی جانب چل دیا   تا کہ جانوں اصل میں ہے بات کیا
میں بھی اس انبوہ کی جانب چلا   تا کہ جانوں کیا ہوا ہے اس جگہ
ایک کہتا تھا کہ گردوں فانی ہے   اس لیے بے شبہ کوئی بانی ہے
اور دِگر کہنہ ہے، گو کب سے نہ سہی   بانی ہوگا یا نہیں بانی کوئی
بولا منکر ہوگیا خلاق کا   روز و شب خالق اور رزّاق کا
بولا بن حجت کے کچھ بھاتا نہیں   جو بھی کہتا ہے سنا ہوگا کہیں
حجت و برہان لا جو کچھ بھی ہیں   کچھ بنا حجت کے مانوں گا نہ میں

بولا حجت اندرونِ جاں ملے
جان کے اندر نہاں برہاں ملے

تو نہ دیکھے ضعف سے روئے ہلال
میں اگر دیکھوں نہ کر آنکھیں تو لال

بحث طول اور لوگ حیراں تھے اِدھر
ابتدا و انتہائے چرخ پر

بولا حجت اک ہے باطن میں مرے
ہے حُدوثِ چرخ پر کافی مجھے

ہے یقیں جس کو یہ لازم ہے اسے
آگ میں دھنس کر اسے ثابت کرے

میں نہ کر پاؤں زباں سے وہ بیاں
مثلِ حال و سرِّ عشقِ عاشقاں

راز باتوں سے ہوا پیدا کہاں
زردیِ رخ ضعفِ تن ہی ہے عیاں

اشک جو آنکھوں سے ہوتے ہیں رواں
حسن کا اس کے وہ دیتے ہیں نشاں

بولا یہ حجت نہیں میرے لیے
ہو تو ہو حجت یہ اوروں کے لیے

لائے گر حجت کروں اس کو قبول
ورنہ کر کوتا یہ بحثِ عرض و طول

بولا جب لڑنے لگیں کھوٹے کھرے
کھوٹا اک دیگر کو جتلانے لگے

انتہائی آزمائش آگ تھی
دونوں آتش میں چلے ہیں آپ ہی

جان لیں گے حال آخر عام و خاص
اور یقیں لائیں ملے شک سے خلاص

آگ اور پانی ہے بہرِ امتحاں
اس کھرے کھوٹے کو جو بھی ہے نہاں

آ! کہ آتش میں گھسیں میں اور تو
تا بنیں حجت ہم ہی ان لوگوں کو

یا گریں دریا کے اندر کود کر
کھٹکھٹائیں پھر وہاں دعوے کا در

دونوں آخر آگ کے اندر چلے
آگ کے شعلوں کے اندر گھس پڑے

راکھ ہوکر رہ گیا وہ فلسفی
روئے تازہ لے کے آیا متقی

نام لیوا حق کا جو تھا بچ گیا
اور وہ بد اصل خاکستر ہوا

آزمودہ بات ہے یہ سن ذرا
کور پن بڑھتا ہے روحِ خام کا

نام اس کا کیوں مٹائے گی اجل
جب کہ وہ نامی ہے سردار و اجلّ

لاکھوں روحیں اس کی سب دلدادہ ہیں
اس کے آگے سر کے بل افتادہ ہیں

آسرا صحرا میں لاکھوں کے لیے
بے عصا رہبر وہ سقائی کرے

شرط بد نے والے لاکھوں منکراں ‏ ‏ ان کے پردے چاک قرآں کے یہاں
جب بدی بازی ہوا غالب صواب ‏ ‏ در دوامِ معجزات و در جواب
جن سے پہلے چرخ کو حادث کہا ‏ ‏ وہ ہے فاتح اور سچ اس کا کہا
حجت منکر ہے شرمندہ سدا ‏ ‏ کب ہوئی تصدیق اس کی کیا پتہ
ہے کہاں توصیفِ منکر کا نشاں ‏ ‏ کون دنیا میں کرے اس کو عیاں
کون مخبر ہے، کہاں منبر کوئی ‏ ‏ عہدِ منکر کی ہوتا یاد آوری
رُخ پہ دینار و درم کے ان کا نام ‏ ‏ شاہد ان کے سچ کے تا روزِ قیام
ہوتا ہے ہر شاہ کا سکہ دگر ‏ ‏ سکۂ احمدؐ قیامت تک مگر
رخ پہ چاندی کے ہو یا ہو سونے کے ‏ ‏ نامِ منکر سکہ پر دکھلا مجھے
سیم و زر کے سکّہ پر اندر جہاں ‏ ‏ لا کوئی سکہ بنامِ منکراں
معجزہ یہ جیسے روشن آفتاب ‏ ‏ سو زباں اور اس کا نام اُمّ الکتاب
کس کی ہمت یہ کہ اس میں حرف بھی ‏ ‏ یا بڑھائے یا کرے کوئی کمی
یارِ غالب بن کے تو غالب رہے ‏ ‏ یارِ مغلوباں نہ بن گمرہ بنے
حجت منکر یہی، ہے اور یقیں ‏ ‏ غیر ظاہر کچھ نہیں دیگر کہیں
یہ نہیں سمجھا کہ ہے جو کچھ عیاں ‏ ‏ کرتا ہے اظہارِ اسرارِ نہاں
فائدہ ظاہر کا ظاہر ہے کہاں ‏ ‏ ہے دواؤں کا اثر ان میں نہاں
فرق یہ ہے کارِ ربِّ دوجہاں ‏ ‏ تا کہ عارف ڈھونڈ پائیں درجہاں
تین ہزار پانچ سو برس گر گدھ جیے ‏ ‏ اس سے کیا حاصل کبوتر کے لیے
مرتے تو ہوں گے کبوتر سو ہزار ‏ ‏ موت گدھ کی پر نہ دیکھیں ایک بار
سمجھو گے حاصل ہے کرگس کو بقا ‏ ‏ نے غلط ہے صرف اک کس کو بقا
جہل سے ظاہر کا ان کو اعتبار ‏ ‏ اندھے وہ کیا پیش و پس سے ان کو کار
دہر میں باقی نہ ہوگا تارِ مو ‏ ‏ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ
اس کی ہر خلقت میں حکمت ہے ضرور ‏ ‏ رک نہ جا ظاہر پہ ہی باطن سے دور

تفسیر آیت کریمہ ''آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ ہے، ہم نے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ'' ان کو صرف اسی لیے نہیں پیدا کیا جو کہ تم دیکھتے ہو بلکہ ایک معنی اور باقی رہنے والی حکمت کی بنیاد پر جس کو تم نہیں دیکھتے ہو

ہے امیدِ نفع صورت گر کوئی — کرتا ہے نقاشی بہرِ نقش ہی ؟
بلکہ مہماں اور بزرگوں کے لیے — تا رہوں رنج سے افکار سے
تا میسر آئے بچوں کو خوشی — یاد جاگے دوستانِ رفتہ کی
کوزہ گر کوزہ بناتا ہے شتاب — کیا بتانے کوزہ، یا از بہرِ آب؟
کاسہ گر کاسا بنائے گا تمام — صرف کاسہ کو کر از بہرِ طعام؟
خط کوئی لکھے گا لکھنے کے لیے — یا لکھے گا اس کو پڑھنے کے لیے
نقش ظاہر بہرِ نقش غائبی — غیب اس غیبی کا ہے کچھ اور ہی
تین چار اور دس تلک گنتی تو کر — یہ فوائد ہیں بمقدارِ نظر
جس طرح شطرنج کی بازی پسر — حاصل اک بازی کا ہے بازی دگر
اس لیے پوشیدہ چال اس نے چلی — باعثِ باعث ہیں ایسے ہی کئی
واسطوں کے واسطے یوں ہی کئی — پے بہ پے حتّٰی کہ بازی جیت لی
ہے یوں ہی اول دوم کے واسطے — جس طرح سیڑھی کے پایوں پر چڑھے
دوسری بھی تیسری کے واسطے — پایہ پایہ بام تک تا جاسکے
کھانے کی خواہش ہے از بہرِ منی — اور منی از بہر نسل و روشنی
اس حقیقت کو نہ پایا کند بیں — عقل اس کی جیسے سبزہ بر زمیں
تو بلائے تا بلائے کیا کرے — خاک میں پاؤں جو ہیں اس کے پھنسے
گر ہلائے سر وہ بادِ تند سے — سر ہلانے سے نہ ہو دھوکا تجھے
بولے سر اس کا اضاعت ہم نے کی — پاؤں بولیں گے بغاوت ہم نے کی
جب نہ جانے جلنا جائے جیسے عام — کور جیسا بر توکل گام گام

کب توکل میں جنگ کام آئے گا ۔۔۔ کیا توکّل غازی کو راس آئے گا؟
وہ نظر جس میں نہیں پژمردگی ۔۔۔ ہاں چلے گی، پردہ پھاڑے گی وہی
وہ کہ ہے دس سال بعد آنے کو جو ۔۔۔ آنکھوں دیکھا آج ہوجائے گا وہ
یوں ہی ہر کوئی بہ اندازِ نظر ۔۔۔ دیکھتا ہے آنے والے خیر و شر
آڑ پیش و پس نہ ہوگی جب کوئی ۔۔۔ آنکھ پڑھ لے گی نوشتۂ غیب بھی
ڈالی جب آغاز ہستی پر نظر ۔۔۔ رونما تھے اول آخر فاش تر
بحث بر ملکیتِ ارض و سما ۔۔۔ اور نیابت کی جو آدم کو عطا
اک نظر آگے جو ڈالی اُس جگہ ۔۔۔ تا بہ محشر جو بھی ہوگا وہ دکھا
پیچھے دیکھے اصل تک جائے نظر ۔۔۔ آگے دیکھے جاکے ٹھہرے حشر پر
جس کسی کا دل ہے روشن جس قدر ۔۔۔ دیکھے گا وہ غیب بھی اُس قدر
جو بہت جھکائے وہ دیکھے زیاد ۔۔۔ صورتیں آئیں گی آگے زیاد
گر کہے صیقل یہ ہے فضلِ خدا ۔۔۔ جان ہے توفیق بھی حق کی عطا
جن کی ہمت ویسی کوشش اور دعا ۔۔۔ صلہ انساں اپنی سعی کا پائے گا
ہمت انساں کو ہے اللہ کی عطا ۔۔۔ شاہ کی ہمت سے خس ہی پائے گا
کچھ نہیں تخصیص حق از بہرِ کار ۔۔۔ مانع قصد و اطاعت و اختیار
سورما کو بھی ہے رن میں خوفِ جاں ۔۔۔ حملہ بھی ہے گو بر دشمناں
رستموں کو خوف و غم آگے کیا ۔۔۔ ابر بزدل خوف سے خود مرگیا
ہے کسوٹی چوں کہ آفت جاں ۔۔۔ بزدلی مردانگی اس سے عیاں
مختصر یہ وسوسوں سے چھوٹنا ۔۔۔ ہے قضا سے بھاگنا سوئے قضا

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرنا کہ اے موسیٰ میں جو کہ پیدا کرنے والا ہوں تجھے دوست رکھتا ہوں

بولا موسیٰ براہِ وحیِ خدا ۔۔۔ منتخب یاروں سے تجھ کو کرلیا
پوچھیے وہ ہے کون سی خصلت خدا ۔۔۔ جو ہے باعث تا کہ دوں اس کو بڑھا

بولا وہ جوں بچہ پیشِ والد
غصہ میں بھی اس سے چھٹا ہوا
وہ نہ جانے گھر میں ہیں لوگ اور بھی
مست اور مخمور ہے وہ اس سے ہی
ماں طمانچہ بھی اگر کردے رسید
گرد اس کے پھرنے لگتا ہے مزید
وہ نہ چاہے گا کبھی امدادِ غیر
ہے وہی اس کے لیے سب شر وخیر
ویسے ہی وابستہ تو در خیر و شر
رغبت اس کی جوں نہیں جائے دگر
خاک پتھر تجھ کو سب میرے سوا
کوئی بچہ ہو جواں بوڑھا بڑا
جب نہیں کرتے عبادت غیر کی
ہم نہ چاہیں گے اعانت غیر کی
ہے اِیّاکَ نَعۡبُدُ یہ حصر کا
تا عبادت میں نہ ہو شبہِ ریا
ہے اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن بھی حصر کو
استعانت کی طلب بھی اس سے ہو
ہم عبادت تیری ہی کرتے ہیں بس
تیری یاری کا ہی دم بھرتے ہیں بس

بادشاہ کا اپنے مصاحب پر غصہ کرنا اور مجرم کی بادشاہ سے ایک سفارشی کا سفارش کرنا اور بادشاہ کا سفارش اور درخواست کو قبول کر لینا اور مصاحب کا سفارشی سے رنجیدہ ہو جانا کہ تو نے سفارش کیوں کی؟

اک مصاحب پر ہوا شہ کا عتاب
چاہا تو اس کو بھسم کردے شتاب
تیغ کو لے آیا باہر میان سے
تا سزا میں مار ڈالے جان سے
کس کو یہ ہمت کہ دم مارے وہاں
یا سفارش کہ کھولے زباں
اک مصاحب خاص عمادالملک نام
مثلِ احمدؐ تھا شفاعت میں مقام
فوراً اٹھا اور سجدے میں گرا
ساتھ ہی تلوار شہ بھی رکھ دیا
بولا بخشا وہ کوئی شیطاں سہی
ڈھانپ دوں گا شیطنت سبھی
جب کہ تو خود آ گیا ہے درمیاں
میں ہوں راضی باوجود صد زیاں
لاکھوں غصے اپنے میں پی جاؤں گا
وہ بزرگی ہے تری و مرتبہ
رد کروں کیوں کر خوشامد تری
یہ خوشامد خود خوشامد ہے مری

ہوتے برہم گر زمین و آسماں
کب بھلا پاتا سزا سے یہ اماں

ذرّہ ذرّہ بھی خوشامد گر کرے
سر بچتا اس کا میری تیغ سے

تجھ پہ میں احساں جتاؤں اے کریم
تیرے رتبہ کا بیاں ہے اے ندیم

تو نہیں از خود کیا، ہے میں نے ہی
عادتیں تیری وہ مجھ میں ہیں سبھی

تو ترے اعمال کا عامل نہیں
کیوں کہ تو محمول ہے حامل نہیں

مَـــا رَمَیْـــتَ اِذْ رَمَیْـــتَ بن گیا
جھاگ بن کر موج کے ہمرہ چلا

لے اب اِلّا کا سہارا لا ہوا
خود ہی قیدی خود ہی حاکم بن گیا

تو نہیں جو کچھ دیا شہ نے دیا
سب سے بہتر جاننے والا خدا

وہ مصاحب جو ہلاکت سے بچا
اس شفیع سے بے حد آزردہ ہوا

ختم یارانہ کیا اپنا تمام
رد کیا اس سے تحیات و سلام

اُس شفاعت گر سے بیگانہ بنا
خلق میں حیراں کن افسانہ بنا

گر نہ تھا مجنوں تو کیوں کر دوستی
توڑ لیتا اس سے جاں جس سے بچی

اڑنے والا سر جو تھا اس سے بچا
اس کو خاکِ کفش ہونا جو تھا

الٹی چال اس نے چلی اُکتا گیا
یار کے کینہ سے سینہ پُر ہوا

کی ملامت ناصحوں نے برملا
ایک نیک انساں سے تونے کی جفا

جاں بچایا تیری جب وہ یارِ خاص
سر سلامت رہ گیا پایا خلاص

گر جفا کی ہو بھی کیوں بھاگے کوئی
یار نے جو بھی کیا نیکی ہی کی

بولا شہ کے واسطے ہے وقف جاں
کیوں شفیع بن کر وہ آیا درمیاں

لی مع اللہ کا تھا عالم تب مرا
دخلِ پیغمبر بھی اس دم ناروا

میں نہ چاہوں رحم غیر رحمِ شاہ
نہ پکاروں غیرِ شہ بہرِ پناہ

غیرِ شہ کو اس لیے لا کردیا
دوست اپنے شاہ کو تھا کرلیا

گر کرے میرا سر تن سے جدا
ساٹھ جانوں سے نوازا جاؤں گا

کام سر بازی و بے خویشی مرا
کارِ شاہنشاہ سر کرنا عطا

اونچا رہ سر شاہ کا کاٹا ہوا — ننگ وہ سر غیر سے پایا ہوا
شہ کرے جس شب کو غصہ سے سیاہ — ہے ہزاروں عید کے دن سہ سوا
شاہ کے زائر کے جو پھیرے لگائے — قہر و مہر و کفر و دیں کے پار جائے
غیر ممکن ہے یہاں اس کا بیاں — وہ نہاں ہے و نہاں ہے وہ نہاں
کیوں کہ یہ اسماء و پاکیزہ بیاں — خاک کے پتلے سے ہوتا ہے عیاں
عَلَّمَ الْاَسْمَا تھا آدم کا امام — پر نہیں تھا وہ بشکلِ عین و لام
سر پر پہنی آب و گِل کی جب کلاہ — ہوگئے وہ پاک اسماء روسیاہ
اوڑھا حرف وصوت جس دم نقاب — تا کہ معنی ہو عیاں خاک و آب
گو چھڑایا مجھ کو خشمِ شاہ سے — بن گیا خود شہ پناہ میرے لیے
کرتی ہے اک جہت سے منطق عیاں — دس دگر جہتوں سے کرتی ہے نہاں

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہنا کہ آپ کی کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے کہا ہاں لیکن تجھ سے نہیں ہے

میں خلیلِؑ وقت ہوں وہ جبرئیل — کیوں کروں وقت بلا ان کو دلیل
وہ ادب سیکھے نہیں جبریل سے — پوچھے ابراہیمؑ سے کچھ چاہیے؟
ہے کوئی حاجت کہ میں یاری کروں — ورنہ جاؤں بوجھ کو ہلکا کروں
بولے ابراہیمؑ بس اب جایئے — بعد رویت کے اعانت کس لیے
ہے نبی دنیا کی خاطر رابطہ — کیوں کہ مومن کو وہی ہے واسطہ
گر ہر اک دل سن سکے وحیِ نہاں — کیا تھی حرف وصوف کی حاجت یہاں
گرچہ ہے وہ مست اور محوِ خدا — کام اس سے بھی ہے نازک تر مرا
اس کا کرنا حق کا کرنا ہے مگر — نیک کو پاتی ہے بد میری نظر
وہ جو عینِ لطف ہے بہرِ عوام — قہر ہے وہ بہر عشاقِ کرام
کئی بلائیں سہنی ہوتی ہیں تمام — تا ہو ظاہر فرق اس کا بر عوام

یہ وسیلہ کے حروف اے یار غار
ہیں برائے واصلاں سب خار خار
چاہیے ٹھہراؤ در رنج و بلا
تا کہ قیدِ حرف سے ہوجاں رہا
کجروی کو ہو فروغ اندر بلا
دوسروں میں برتری و ارتقا
جیسے آب نیل ہوتی ہے بلا
نیک پانی اور شقی خوں پائے گا
دیکھے جو انجام کو بہ بخت ور
بوئے محنت سے ملے اچھا ثمر
جو بھی جانے یہ کہ کھیتی ہے جہاں
بہرِ محشر بوئے بر پائے وہاں
کب لگاتے ہیں گرہ بہرِ گرہ
ہوتا ہے مقصود اس سے فائدہ
ایسا منکر ہو نہیں سکتا کوئی
منکری ہو جس کی مہر منکری
ہے عدو پر غلبہ پانے کے لیے
فوقیت اپنی جتانے کے لیے
ہے فرونی کا سبب طمعِ دگر
نقشِ بے معنی میں لذت نے اثر
اس سے پوچھے تو نے ایسا کیوں کیا
نقش ہے زیتون اور معنی ضیا
ورنہ کیوں بخشیں بھلا کس واسطے
کہ ہے صورت محض صورت کے لیے
پوچھنے میں ہے یہی اک فائدہ
پوچھنے کو پوچھنا ہی ہے مرا
چاہتے ہو تم دگر کیا فائدہ
جب کہ ہے خود فعل اپنا فائدہ
آسماں والے بھی یہ اہلِ زمیں
کردیے پیدا بلا حکمت کہیں؟
گر نہیں دانا، سجاوٹ کا ہے کی؟
گر ہے دانا کام کیوں اس کے تہی؟
نقش کیوں رنگیں کرے حمام کا
قصد اس کا گو بھلا ہو یا برا
جو بھی ہے دنیا میں آیت ہے ضرور
بہرِ معنی، بہرِ حکمت ہے ضرور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ تو کیوں ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر تو اس کو تباہ کر دیتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب آنا

بولے موسیٰؑ اے خداوند حساب
کیوں بنائے جس کو کرنا ہو خراب
نر و مادہ کو بنا کر جاں فزا
تو انھیں کرتا ہے کیوں ویراں بتا؟

بولا حق ملنا یہ تیرا پوچھنا — وجہِ غفلت ہے نہ انکار و ہوا
ورنہ کرتا غصہ اور دیتا سزا — پوچھ پر کرتا میں دکھ میں مبتلا
جانا چاہے تو راز افعال کا — کون حکمت ہے قضا کا راز کیا
اُس تا واقف کرے سب عام کو — تا کہ پکاّ کرسکے ہر خام کو
تونے پوچھا ہے وضاحت کے لیے — جان کر تا واقف عامہ کو کرے
علم کا آدھا ہے یہ تیرا سوال — کوئی ناواقف میں کہاں اس کی مجال
علم ہی سے ہیں سوالات و جواب — خار وگل جیسے ہیں جز و خاک وآب
جوں ہدایت گمرہی ہیں علم سے — ہے نمی یوں تلخ و شیریں کے لیے
آشنائی باعثِ بغض و ولا — جوں غذا ہے وجہِ آزار و شفا
بھیس میں انجاں کے شامل تھے کلیمؑ — تا کہ عجمی جان لیں سرِّ علیم
ہم بھی کر لیتے ہیں ناداں کا سا حال — ہوتا ہے اپنا جواب اس کی مثال
بن گئی خصم اک دگر کے فلسفی — ان سے خود تالے کی کنجی مل گئی
پس کہا اللہ نے اے عاقلو! — تم نے جو پوچھا جواب اس کا سنو
بولا موسیٰؑ تخم ریزی خود کرو — تا کہ انصاف اس میں تم خود کرسکو
بولے موسیٰؑ کھیتی پوری ہوگئی — پک کے اچھے ہوگئے خوشے سبھی
لی درانتی کاٹ ڈالے وہ سبھی — غیب کی آواز بھی پہنچی تبھی
بویا بوکر پرورش بھی تونے کی — پہنچی جب تکمیل کو کیوں کاٹ دی
بولے ویراں اس لیے میں نے کیا — کہ تھا دانہ بھوسے میں لپٹا ہوا
دانہ بھوسے میں نہیں لگتا بھلا — بھوسا بھی انبارِ گندم میں تباہ
عقلمندی کب ہے ان کی باہمی — درمیاں ان کے جدائی لازمی
پوچھا یہ دانش کہاں سے تونے لی — کیوں سجھائی دی تجھے کھلیان کی
بولے یہ تمیز دی تونے خدا — بولا مجھ میں کیا نہ ہوگی یہ بھلا
پاک روحیں ہیں خلائق میں کئی — تیرہ روحیں بھی ہیں اور ناپاک بھی

سیپ ہیں سب پر نہیں یکساں سبھی ایک پُر دُر ہے تو دیگر تہی
واجبی ہے ہوں الگ نیک و تباہ جس طرح ہو فرقِ گیہوں اور کاہ
آشکارائی ہے مقصودِ جہاں گنج حکمت تا نہ رہ جائے نہاں
کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا حق نے کہا کر نہ دے گم اپنا بھی جوہر دکھا

اس کا بیان کہ حیوانی روح اور جزوی عقل اور وہم اور خیال چھاچھ جیسے ہیں اور وحی کی روح جو باقی رہنے والی ہے اس چھاچھ میں پوشیدہ گھی کی طرح ہے

جھوٹ کے اندر ہے سچ ایسا چھپا چھاچھ کے اندر ہو جوں گھی کا مزا
جھوٹ ہے تیرا بدن نا پائیدار جانِ ربانی تو سچ کو کر شمار
چھاچھ تن کی مدتوں سے ہے عیاں جاں کا گھی اس میں ہے معدوم ونہاں
پھر رسول اک بھیجتا ہے ذوالجلال تا ہلائے چھاچھ کو ٹھلیا میں ڈال
تا کہ جنبش دے طریقِ خاص سے تا جو نعمت اس میں ہے پالوں اسے
یا کلام اس کا کہ جو ہو نیک خو پہنچے اندر گوش ہائے وحی جو
گوِ مومن جو ہیں شنوا وحی کے مہبطِ وحی سے وہ رہتے ہیں جڑے
ماں سے جوں سن سن کے بچہ بے زباں بولنے لگتا ہے آپ ہی بولیاں
کان بچے کا اگر بہرہ رہے سن نہ پائے ماں کو گونگا ہو رہے
اصل بہرا گونگا ہوتا ہے سدا ہے وہ گویا جس نے مادر کی سنا
گونگا بہرا جو کسی علت سے تھا کان کا آزار اسے پایا گیا
وہ جو سکھلانے سے سیکھے گا نہیں اپنے منھ سے کچھ وہ بولے گا نہیں
جو بلا تعلیم بولے وہ خدا علتوں سے ہیں صفات اس کی جدا
یا وہ آدمؑ کو تھی تلقینِ خدا جس کو دایہ سے نہ ماں سے واسطہ
یا وہ جوں عیسیٰؑ کو تعلیمِ خدا بن گئے گویا جہنم جوں ہی لیا
وقتِ زادن دفعِ تہمت کے لیے تا نہ پھل ان کو بدی کا کہہ سکے

جس طرح کوشش میں حرکت چاہیے
چھاچھ سے مکھن الگ تا ہو سکے

جیسا مکھن چھاچھ میں رہتا ہے بند
اور رہے جو چھاچھ کا جھنڈا بلند

چھلکا ہے وہ جو بھی دِکھتا ہے تجھے
اصل جو بھی ہے تجھے فانی لگے

مسکہ جب تک چھاچھ سے لے گا نہیں
کر نہ خرچ اس کو الگ رکھ دے وہیں

عقل کے ہاتھوں سے جنبش دے گھما
تا عیاں ہو اس میں جو کچھ ہے چھپا

کیوں کہ یہ فانی ہے باقی کی دلیل
منتِ مستاں ہے ساقی کی دلیل

چھاچھ میں جب تک کہ مسکہ ہے چھپا
جو بنائے گا تو وہ بن جائے گا

دوسری مثال اسی معنی میں

حرکتِ شیرِ علم سے ہے عیاں
آنکھ سے پوشدہ وہ بادِ رواں

گر نہ لاتی اس کو حرکت میں ہوا
ایک مردہ شیر کیوں کر پھاندتا

اس سے سمجھا یہ پورب کی ہوا
یا کہ پچھّم کا یہ عقدہ کھل گیا

ہے بدن بھی جیسے اک شیرِ علم
فکر سے جنبش میں ہے وہ دمبدم

مشرقی ہو فکر تو وہ ہے صبا
فکرِ مغرب ہو تو پچھوا ہے وبا

بے صبائی فکر کا مشرق جدا
فکرِ بادِ غرب کا مبدا جدا

ہے جمادی سورج اور مشرق بھی جماد
عینِ جانِ جاں کا مشرق ہے فواد

جاں فروز اتنا ہے مشرق مہر کا
اس کا عکس اور کھال سورج پر ضیا

مردہ ہو تن تو کہاں کے تاب و تب
روزِ روشن ہو نہ ہو تاریک شب

وہ نہ ہو اور یہ اگر ہوں گے تمام
روز و شب بھی چلے یہ انتظام

دیکھتا ہو جیسے کوئی مستِ خواب
بے مہ و مہر آفتاب و ماہتاب

جان بھائی نیند اپنی موت کو
بھائی سے کر بھائی کی پہچان تو

زہر کو جڑ سے فرع بولیں خوات کو
اے مقلد بے یقیں مت مان تو

نیند میں روح تیر دیکھے وصف و حال
جو نہ دیکھے جاگتے میں بیس سال

عمریں کھوئیں معتبروں کو ڈھونڈتے
ہے بہت مشکل کوئی تجھ کو ملے
گاہ پوچھے کہیے ہے تعبیر کیا
گر کہیں گے فرعِ کتّا پن ہوا
عام لوگوں کے ہیں خواب ایسے تو کیا
ہوگا عالم خواب ہائے خاص کا
خواب ہاتھی کا سا تجھ کو چاہیے
تاکہ ہندوستان کا منظر کھلے
خواب میں دیکھے نہ ہندوستاں کا خر
ہند سے باہر کہاں اس کا سفر
جان جیسی ہاتھی بھاری چاہیے
خواب میں تابند رستہ طے کرے
ہند کی ہوتی ہے ہاتھی کی طلب
نقش گر ہوتا ہے اس کا ذکرِ شب
ذکر حق کر، ہر کوئی کرتا نہیں
لوٹ جا قلاش چل سکتا نہیں
ناامیدی چھوڑ ہوجا نیل تو
گر نہیں ہو درپئے تبدیل تو
مِس کو جو سونا کریں پاس ان کے جا
جا فلک پر سن فرشتوں کی صدا
محوِ صناعی فلک پر نقش گر
سب لگے ہیں تیرے میرے کام پر
گر نہ دیکھے مشک پوشوں کو اُدھر
دیکھ اے شب کور تو ان کا اثر
ہے اثر ان کا ترے ادراک پر
دیکھ تازہ سبزہ اپنی خاک پر
اس کے باعث دیکھے ابراہیمؑ خواب
وسعتِ ہندوستاں دل کی بے حساب
بندشیں سب لامحالہ توڑ کر
چل دیے سب ملک و دولت چھوڑ کر
ہے نشانِ خواب ہندوستاں یہی
خواب غالب ہوئی دیوانگی
خاک جھونکے ساری تدبیروں پہ وہ
توڑ پھینکے ساری زنجیروں کو وہ
ترکِ دنیا کردیے وہ سر بسر
کردیا برباد سب کچھ توڑ کر
نور کے در باب بولے جوں حضورؐ
کہ نہاں سینوں میں آثارِ نور
کرلے دل برداشتہ دارالغرور
اور لوٹائے سوئے دارالسرور
تاکہ ہو واضح حدیثِ مصطفیؐ
داستاں سن تو اے یار با صفا

اس شہزادے کی حکایت جس کو حقیقی بادشاہی نظر آ گئی اور ''جس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے'' اس کے سامنے آ گیا اس خاک کے ڈھیر کی بادشاہی جس کو بچوں کی طبیعت والے قلعے فتح کرنا کرتے ہیں وہ بچہ غالب آ جائے مٹی کے ڈھیر پر چڑھتا ہے کہ قلعہ میرا ہے دوسرے بچے اس پر رشک کرتے ہیں کیونکہ مٹی بچوں کا موسمِ بہار ہے وہ شاہزادہ جب رنگوں کی قید سے چھوٹ گیا، تو اس نے کہا کہ میں اس رنگ برنگ خاک کو وہی بے قیمت مٹی کا ڈھیر کہتا ہوں اور سونا اور اطلس اور اس کو نہیں کہتا ہوں۔ میں اس رہزن سے نجات پا گیا اور ایک دم کود گیا اور ہم نے اس کو بچپن میں حکمِ عنایت کر دیا اللہ کی رہنمائی کے لیے سالوں کی ضرورت نہیں ''ہو جا بس ہو گیا'' والے قدرت میں کوئی شخص قابلیت کی بات نہیں کرتا ہے۔

خوبصورت تھا کسی شہ کا پسر — ظاہر و باطن سے بر بستہ ہنر
خواب میں بیٹے کو مردہ دیکھ کر — ہوگئی دنیا مکدر سر بسر
تابِ غم سے خشک وہ آنکھوں کی مشک — اور حرارت سے ہوئے نابود اشک
اس قدر پُر تھا دھوئیں دردِ شاہ — مل گیا آہوں کو اس کی راستہ
مر رہا تھا تن نکما ہوگیا — عمر باقی تھی وہ شہ پھر جی اٹھا
فرطِ شادی سے طلب تھی موت کی — تھی مگر جاں جسم سے چمٹی ہوئی
غم کی پھونکوں سے بھی بجھتے ہیں دیے — اور خوشیوں سے بھی بجھتے ہیں دیے
درمیاں دو موت کے وہ زندہ ہے — طوق جیسی شکل جائے خندہ ہے
شاہ خود سمجھا یہ شادی کا سبب — اس قدر غم ہو سکے ہے فضلِ رب
اے عجب اک رخ جو دیکھو مرگ — ہے وہی از روئے دیگر ساز و برگ
ایک نسبت سے ہلاکت سر بسر — خود وہی ہے زیست از روئے دِگر
تن کی خوشیاں عیشِ دنیا کا کمال — اور زروئے عاقبت نقص و زوال

خوابِ خوش دیکھیں تو تعبیرِ خوشی / رونا دھونا، رنج و غم، ماتم سبھی
خواب میں رونا ہے شادی کا پیام / ہے یہی تعبیر اس کی شاد کام
شاہ سوچا اب تو یہ غم ٹل گیا / پھر بھی خدشہ اس کے دل میں رہ گیا
سوچا خار ایسا جو پاؤں میں چبھے / یادگار اس کی کوئی گل چاہیے
ہو مبادا آنکھ زخمی خار سے / جائے وہ، اس کی نشانی چاہیے
موت کو رستے میں بے حد وحساب / کون راہ پر ہم کریں گے سدِّ باب
صد دریچے ڈسنے والی موت کے / راستہ دیتے ہیں چیں چیں بولتے
تلخ چیں چیں موت کے دروازوں کی / سنتے ہیں کب مال کے یہ لالچی
تن کی جانب سے صدا ہے بانگ در / اور اعدا سے جفا ہے بانگِ در
دیکھ پڑھ کر دفترِ طب بھی ذرا / ریت کے مانند ہیں دیکھ بے انتہا
پڑھ ذرا فہرستِ طب بھی جانِ من / دیکھ ہے آگ علتوں کی شعلہ زن
گھر میں ان سب کو ہے مجھ تک راستہ / بچھوؤں سے پُر کنویں ہیں جابجا
ہے ہوا تیز اور چراغ ابتر مرا / جا کے لے لوں میں چراغ اک دوسرا
تاکہ دونوں میں سے یک باقی رہے / گر ہوا میں اک دیا گر بجھ چلے
جیسے عارف نے چراغِ جسم سے / دل کیا روشن فراغت کے لیے
تا کسی دن ہو جو مرنا ناگہاں / سامنے روشن وہ شمعِ جاں
وہ سمجھا اس کو وقت فیصلہ / دے کے شمعِ فانی، فانی ہی لیا
چارہ سمجھا وہ کوئی چارہ نہ تھا / بچ نکلنا باخودی مشکل ہوا

نسل کے منقطع ہونے کے خوف سے بادشاہ کا اپنے لڑکے کے لیے دلہن چاہنا

بس کہ اک دلہن کی حاجت ہے اسے / سلسلہ تا نسل کا جاری رہے
جب بھی باز اپنا فنا ہوجائے گا / اس کا بچہ باز خود ہوجائے گا
اس جہاں سے باز جب بھی چل بسے / اس کا جوہر بچہ میں باقی رہے

اس لیے فرمائے آقا مصطفیٰؐ
راز ہے پر بچہ اپنے باپ کا

اس لیے باشوق و رغبت ہر پدر
اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں ہنر

تار ہیں باقی سب ان کی خوبیاں
جب کہ خود دنیا سے ہوجائیں نہاں

حرص دی اللہ نے حکمت سے انھیں
تربیت سے بچے تا قابل بنیں

تار ہے ان کا نشاں اندر جہاں
جوں کمالِ معنوی ان میں نہاں

حرص دی اللہ نے حکمت سے انھیں
مستعد بچے جو ہوں قابل بنیں

پس دوامِ نسل کی خاطر مجھے
لانی ہے دلہن پسر کے واسطے

چاہیے دختر بھی نسلِ نیک سے
بیٹی بدخو بادشاہ کی کیوں کس لیے

شاہ وہ جو نیک ہو آزاد ہو
عیش و شہوت کا نہ ہو دیوانہ جو

شہ اسیروں کا بھی ہوتا ہے لقب
نام ہو کافور حبشی کا عجب

دشت خونخوار اور منازہ اس کا نام
بخت ور کہتے ہیں کوڑھی کو عوام

شہوت و حرص و ہوا کا ہر اسیر
صدرِ اعلیٰ یا وہ کہلائے امیر

اور اسیرانِ اجل کو یہ عوام
حاکمانِ شہر کا دیتے ہیں نام

صف میں جوتوں کی وہ بولیں صدرا سے
جاں بندھی ہے جس کی جاہ و مال سے

بادشاہ کا لڑکے کے لیے ایک زاہد کی لڑکی کو منتخب کرنا اور گھر والوں کا اعتراض کرنا اور درویشوں کے ساتھ رشتہ سے ذلت محسوس کرنا

شہ نے کردی عیب گوئی ان سنی
خفیہ شہزادے کی دلہن ڈھونڈ لی

رشتہ زاہد سے جو چاہا شاہ نے
بات پہنچی عورتوں کے سامنے

بولی ماں لڑکے کی کم عقلی ہوئی
شرط از روئے خرد ہے ہمسری

بخل کنجوسی سے چترائی کیا
میرے بیٹے کے لیے باندھا گدا

بولا نیکوں کو گدا کہنا خطا
دل غنی ہوتے ہیں از فضلِ الٰہ

ہے قناعت ان کی وجہِ اتقا
کاہلی ان میں نہ ہے بخلِ گدا

تنگی ہے تقویٰ قناعت سے جدا / فقر ہے ہوتا ہے دنائت سے جدا
ایک کوڑی کے لیے وہ سر جھکائے / وہ خزانوں کو بھی خاطر میں نہ لائے
حرص سے شہ کرلے قصدِ حرام / ہو کریموں میں بھکاری اس کا نام
بوجھی قلعے، شہر ہے کیا کچھ جہیز / ہیں نچھاور کو گہر یا نقد نیز
بولا جو کرلے غمِ دیں اختیار / دور کرتا ہے دگر غم کردگار
غالب آئی شاہ کی آخر پسند / نیک انساں کی وہ لڑکی ارجمند
حسن میں نایاب ویسے دوسرے / چہرہ روشن جیسا سورج دن چڑھے
حسنِ صورت اور سیرت کا بیاں / غیر ممکن ہے کرے کوئی زیاں
دین کو اپنا تا سرایت کرسکے / بخت وحسن و جاہ و دولت نفع دے
آخرت گویا ہے اونٹوں کی قطار / مینگنی اور بال دنیا کا شمار
پشم گر چاہے گنوائے اونٹ کو / پشم کاہے کو جو پائے اونٹ تو

ایک کابلی بڑھیا کا شہزادے پر جادو کردینا اور شہزادے کا عاشق ہوجانا

شاہزادے سے نکاح جب ہوگیا / اولیا اور صالحوں کی نسل کا
اتفاقاً بڑھیا جادوگر جو تھی / حسنِ پور شہ کی عاشق ہوگئی
پھونکی منتر پڑھ کے بڑھیا کابلی / سحر اس کا رشک سحرِ بابلی
بڑھیا پر شہزادے عاشق ہوگیا / ترک عروس اور عقد کو اپنے کیا
ایک کالا دیو اور کابل کی زن / ہوگئے شہزادے کے خود راہزن
ایک سیہ اور خبیث و نابکار / شاہزادہ اس کا دیوانہ و زار
بڑھیا نوّے سالہ تھی فاسد بڑی / عقل و دل شہزادے کے خود لوٹ لی
اک برس شہزادہ تھا اس کا شکار / اس کی جوتی چوم کر کرتا تھا پیار
کر رہی تھی بڑھیا کی صحبت تباہ / گھٹتے گھٹتے نیم جاں خود ہوگیا
ضعف سے اس کے پریشاں دوسرے / اور ادھر سحر سے بے حس پڑے

مثلِ زنداں کل جہاں بہرِ پدر
ان کے رونے پر ادھر خنداں پسر

ہوگیا لاچار اس بازی میں شاہ
صدقہ و خیرات روز و شب کیا

جس قدر کرتا علاج اس کا پدر
بڑھتی بڑھیا سے محبت پیشتر

آ گیا اس پر مشیت کا یقیں
چاہی صحت پیش رب العالمیں

گر کے سجدے میں کہا حاکم ہے تو
ملکِ حق کیوں تصرف غیر کو

پر یہ مسکین جل رہا ہے جیسے عود
دستگیری کر تو اس کی اے ودود

کابلی کی جادوگری سے چھٹکارے کے بارے میں بادشاہ کی دعا قبول ہونا

بادشاہ کی التجا وہ آہ سے
ماہرِ جادو اک آیا راہ سے

دور ہی سے اس کو پہنچی تھی خبر
ہے پسر پر شہ کے جادو کا اثر

کیوں کہ وہ بڑھیا تھی جادوگر بڑی
سحر میں ہمسر نہ تھا اس کا کوئی

ہاتھ پر اک ہاتھ ہوتا ہے بڑا
فن میں اور قوت میں تا دست خدا

اور خدا کا ہاتھ ہے سب سے بڑا
جوں سمندر ندیوں کا منتہیٰ

ہوتے سیراب اسی سے ابر بھی
انتہا سیلاب کی بھی ہے وہی

بولا شہ بچہ یہ ہاتھوں سے گیا
بولا میں اس کا مداوا ہوں بڑا

ساحروں کو کون ہمسر زال کا
میں ہی استاد اک کہیں سے آ گیا

حکمِ حق سے جس طرح دستِ کلیمؑ
سحر کو اس کے ہلاکت ہوں عظیم

حکم یہ مجھ کو وہیں سے مل گیا
ساحروں کا کب ہو سکھلایا ہوا

آ گیا ہوں سحر اس کا توڑنے
زرد رو یہ شاہزادہ کیوں بنے

سوئے گورستان جا وقتِ سحر
نزدِ دیوار ہے اک اجلی قبر ادھر

کھود قبلہ کی طرف جو ہے جگہ
تا کرشمہ دیکھے اک اللہ کا

یہ حکایت ہے دراز تو ملول
مختصر بولوں کروں ترکِ فضول

شاہ جلدی سوئے گورستاں چلا
کھود کر اس قبر میں روزن کیا

اس جگہ پایا گیا جادو نہاں — سو گرہ اک بال میں دیکھے وہاں
ہر گرہ پھر کھولنے میں لگ گیا — اس سے شہزادے کو چھٹکارا ملا
ہوش اسے آئے تو وہ دوڑے چلا — تخت کی جانب مشقت سے چلا
اور ملی سجدے میں تھوڑی فرش پر — ہاتھ پھر ڈالا کفن اور تیغ پر
اذنِ شادی سے ہوئے سب لوگ شاد — وہ عروس نا امید و نامراد
مل گئی سب کو دوبارہ زندگی — اے عجب وہ دن ہے دن دن آج بھی
اس عروسی کی ضیافت لا جواب — سامنے کتوں کے شکر اور گلاب
جاں ادھر بڑھیا کی غصہ میں گئی — پیش حق بدشکل و بدخو لے گئی
محفل شادی سجاکر با نیاز — شہ بجالایا ہے شکرِ کارساز
شاہزادے کو ہوئی حیرت بڑی — مجھ سے کیوں عقل ونظر وہ لے سکی
وہ نئی دلہن حسیں مانندِ ماہ — حسن کی تھی بند حسینوں پر بھی راہ
ہوش کھوکر منہ کے بل وہ گر پڑا — سینہ میں دل تین دن تک گم رہا
تین رات اور دن وہ بے ہوشی رہی — اس کے غش سے مضطرب خلقت سبھی
ہوش آیا پھر گلاب و شارہ سے — سو بھی نیک و بد کی پھر آہستہ سے
سال گزرا بالا شاہ اے جانِ من — یاد بھی ہے تجھ کو وہ یارِ کہن
یاد کر تو اپنی اس بیوی کو بھی — بے وفا ایسا نہ ہوجاتا کبھی
بولا جا میں پالیا دارالسرور — اب ہوں آزادِ چہ دارلغرور
حالِ مومن راہ پانے پر یہی — نورِ حق سے منہ نہ موڑے گا کبھی
کہہ دیا میں نے نچوڑ اس کا تمام — تا تو پالے اپنا مقصد والسلام

اس بیان میں کہ شہزادے (سے) انسان (مراد) ہے اور اس (شہزادے) کا باپ حضرت آدم علیہ السلام برگزیدہ (اللہ تعالیٰ) کے خلیفہ ملائکہ کے مسجود ہیں اور کابلی بڑھیا دنیا ہے جس نے آدم کی اولاد کو جادو کے ذریعہ باپ سے جدا کر دیا ہے اور نبی اور ولی علاج کرنے والے طبیب ہیں

اے مرے بھائی ہے شہزادہ تو ہی — عالم کہنہ میں آیا ہے ابھی
کابلی وہ ساحرہ، دنیا یہی — رنگ و بو میں گھیرے مردوں کو سبھی
گندگی میں ڈالے جب یہ پُر ظلم — پڑھ کے قُل اعوذ ہردم پھونک دم
چھو نہ پائے تا تجھے سحر و قلق — کر طلب تو نصرتِ رب الفلق
مصطفیؐ نے اس کو سحارہ کہا — چہ میں اس کے سحر سے خلق خدا
یاد رکھ بڑھیا ہے جادوگر بڑی — ہیں اسیر اس کے فسوں میں شاہ بھی
اس کے سینہ میں نہاں منتر کئی — باندھتی ہے جادو کی گرہیں وہی
زال یہ دنیا ہے جادو گر قوی — توڑ اس کا کیا کرے گا ہر کوئی
اس کی گرہیں کھول سکتی عقل اگر — انبیاء کو بھیجتا کیوں دادگر
چاہیے خوش دم کوئی عقدہ کشا — راز دانِ یفعل اللہ مایشاء
کانٹے میں پھنس کر تو مچھلی کی مثال — اک برس شہزادہ وہ تو ساٹھ سال
کانٹے میں اس کے تو تڑپے ساٹھ سال — راست ہے رستہ نہ تو ہی شاد حال
فاسق و بدبخت تو دنیا تباہ — بوجھ اتارا ہے نہ چھوڑے ہیں گناہ
اس کی پھونکوں سے ہیں گرہیں سخت تر — پس طلب تو نصرتِ اللہ کر
مَا نـفـخت فيه من الرّجي ترے — بند کھولے اور اوپر آ کہے
گرچہ غیرِ حق نہیں ہے نفخِ سحر — پھونک نفخ قہر یہ، وہ نفخ مہر
سہر پر سبقت ہے اس کی مہر کو — چاہے گر سبقت طلب مہر تو
واصلوں سے وصل ہوجائے اگر — اے شہ مسحور مخرج ہے ادھر

جب تلک ہمراہ تیرے ہے وہ زال   بندشوں کا تیری کھلنا ہے محال
کیا نہ فرمائے سراجِ امتاں   سوکنیں ہیں یہ جہاں اور وہ جہاں
واصل اک ہو تو دیگر جدا   صحتِ تن ہو تو گھاٹا جان کا
شاق ہے دل پر فراقِ رہ گزر   پر فراقِ آخرت سے سخت تر
ہے جدائی نقش سے مشکل اگر   نقش گر سے ہوگئی مشکل کس قدر
صبر اڑا لیتی ہے گر دنیائے دوں   صبر ہے دوری میں خدا سے یار کیوں؟
جب کرے بے صبر یہ آبِ سیاہ   چشمۂ حق سے یہ کیوں صبر آ گیا
بن پیے اس کے نہیں ملتا سکوں   شُربِ نیکاں کے بنا کیسا سکوں
اک گھڑی دیکھے اگر حسنِ ودود   پھونک کر رکھ دے گا تو جان وجود
پائے پھر مردار تو اس شرب کو   دیکھے جس دم کرّ وفر قرب کو
جیسے شہزادہ چلے تو نزدِ یار   اور نکالے اپنے پاؤں سے تو خار
بیخودی میں جہد کر اور خود پا   جلد تر جانے زیادہ بس خدا
تو نے رہ مشغول خود میں ہر گھڑی   آب و گِل میں جس طرح ہو خر کوئی
وہ پھسل پڑنا ہے آنکھوں کا قصور   پست و بالا ایک ہیں جب تک ہیں دور
بوئے جامۂ یوسفؑ پر تکیہ کر   نور بخش آنکھوں کو ہے اس کا اثر
شکل پنہاں ہے مگر نور جبیں   بہر چشمِ انبیاء ہے دور بیں
نور اس رخسار کا ہے ردِ نار   تجھ کو ناکافی ہے نورِ مستعار
نورِ حالی آنکھ کو دکھلائے حال   چشمِ عقل و جاں پہ خارش کا وبال
نور ظاہر اس کا وہ دراصل نار   چھوڑ اسے گر نور کا ہے خواستگار
منھ کے بل گرتی ہے جائے جدھر   منحصر ہیں چشم و جاں جو حال پر
دور بیں پر دور بیں وہ بے ہنر   خواب جوں دور کی شئے پر نظر
جیسے سونا بر لب خشک لب   اور سراب اندر چلے وقتِ طلب
بھاگتا ہے دیکھ کر آگے سراب   اپنے نظاروں پہ مفتوں و خراب

دوستوں خواب میں لاف و گزاف | کہ ہے دل بینا مرا پردہ شگاف
بھاگو ماں نے اُس طرف دیکھا ہے آب | جاکے پاتے ہیں مگر اس کو سراب
ہر قدم لے جائے پانی سے پرے | دوڑتے دھوکے میں پانے کے چلے
خود ارادہ تیرا پردہ ہوگیا | تجھ سے جو وابستہ تھا وہ پالیا
قصد لوگوں نے دِگر جا کا کیا | خود وہاں سے جس جگہ مقصود تھا
لاف سوتے کی بھلا کس کام کی | ہے خیالِ خام اس کو چھوڑ بھی
خواب کی حالت جو ہو سو راہ پر | اللہ اللہ سورۂ اللہ پر
شاید آجائے اُدھر سالک کوئی | دفع کردے تجھ سے خواب آلودگی
مو برابر فکر ہو سوتے کو گر | وہ پائے کوچہ اس کا ہے کدھر
دُہری تہری فکرِ خفتہ ہو بھی کیا | ہے خطا اندر خطار اندر خطا
چشم روشن ہوگی اس پر تیز بیں | کچھ نہیں پر کچھ نہیں پر کچھ نہیں
گرچہ مطلوب آب ٹکراتا رہا | وہ بیاباں میں یونہی بھاگے چلا
پیاس میں خفتہ کی شدت آگئی | تھا رگِ جاں سے قریں تر پانی بھی

اس زاہد کی حکایت جو قحط کے سال میں باوجود مفلسی اور بہت عیال داری کے شکر کرنے والا اور خوش تھا اور لوگ بھوک سے مر رہے تھے لوگوں نے اس سے کہا کہ تعزیت کا وقت نہ کہ خوشی کا اس نے کہا مجھے اس کی پروا نہیں

ایک زاہد در زمانِ قحط سال | خانداں گریاں سبھی وہ شاد حال
پوچھے کیا یہ بھی خوشی کا ہے مقام | مٹ رہے ہیں قحط میں مومن تمام
ہے نگاہِ لطف کو ہم سے گریز | جل رہا ہے دشت اور سورج ہے تیز
کھیتی، باغ، انگور کالے ہیں سبھی | نیچے اوپر سب زمیں سوکھی ہوئی
مر رہے ہیں لوگ، ہے قحط اک عذاب | مچھلیوں کے جتھے جوں محرومِ آب
کیا مسلمانوں پہ رحم آتا نہیں | سارے مومن باہم اک تن کیا نہیں

تن کی آفت رنج یک جزوِ بدن — سب ہیں شامل آشی ہو یا کہ رن
بولا سالِ قحط کہتے ہیں اسے — یہ زمیں لگتی ہے جنت سی مجھے
دیکھتا ہوں میں بہر دشت و مکاں — تا کمر گندم سے پُر ہیں بالیاں
ہیں صبا میں لہلہاتی بالیاں — سبزیوں سے سبز و تر ہیں بن یہاں
آزمانے کے لیے چھوتا بھی ہوں — کس طرح ان سے نظر میں پھیر لوں
ہمدمِ فرعون تو اے قومِ دوں — نیل ہے اس واسطے دریائے خون
عقل کو موسیٰ کی تم اپنا زود — خوں نہ اس میں بنے وہ آب رود
کیوں جفا دیکھے تو اپنے باپ سے — باپ ویسا تجھ کو جوں کتّا لگے
بھائیوں کو گرگ سے یوسف لگے — ان کو غصہ تھا، حسد سے تھے بھرے
صلح کرلی باپ سے غصہ کیا — باپ گھرے تھے، سگ بن گیا

اس کا بیان کہ عالم مجموعہ عقل کل کی صورت ہے جب تو عقل کے ساتھ ٹیڑھے چلے گا، تو نے ظلم کیا، عالم کی صورت عموماً تیرا غم بڑھائے گی جیسے کہ باپ کے ساتھ تو نے برائی کی۔ باپ کی صورت تیرا غم بڑھائے گی اور اس کو دیکھ نہ سکے گا اگرچہ اس سے پہلے آنکھوں کا نور اور جان کی راحت رہا ہے۔

شکلِ عقلِ کُل ہے یہ عالم تمام — باپ ہے وہ بہرِ ہر اہل الکلام
عقلِ کل سے جو کوئی کفراں کرے — شکل کُل جوں سگ نظر آئے اُسے
باپ سے کر صلح، باغی کیوں بنا — پائے فرش انگور کا تو زیرِ پا
پھر قیامت ہوگی برپا سامنے — چرخ دیگر اور زمیں دیگر بنے
باپ سے ہے صلح ہر حالت مری — یہ جہاں ہے اس لیے جنت مری
حسن دیگر ہر دم اک صورت گئی — غم کہاں ہوگا جو دیکھے یہ سبھی
پاتا ہوں میں نعمتوں سے پر جہاں — اور پر جوش آب چشموں سے رواں

بہتے پانی کی میں سنتا ہوں صدا　　ہوش میرے مست اور دل خوش مرا
صوفیا کی طرح رقصاں ڈالیاں　　پتے پتے سب بجاتے تالیاں
برق آئینہ کی نمدے سے عیاں　　آئینہ کھل جائے تو کیا ہو سماں
اک ہزاروں سے بھی میں کہتا نہیں　　کان ہیں بھریوشک سے پر کہیں
بات میری وہم کے آگے نوید　　عقل بولے مژدہ خود ہے مجھ کو دید

حضرت عزیر علیہ السلام کی اولاد کا قصہ کہ باپ سے (ہی) باپ کے احوال دریافت کررہے تھے۔ باپ نے کہاہاں میں نے اس کو دیکھا ہے۔ پیچھے آرہا ہے بعض لوگوں نے پہچان لیا وہ بے ہوش ہو گئے اور جنھوں نے نہ پہچانا وہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص نے اچھی خوشخبری دی ہے یہ حالت اور یہ بے ہوشی کس وجہ سے ہے۔

جس طرح پورِ عزیزؑ اندر سفر　　کرتے تھے دریافت احوالِ پدر
وہ تھے بوڑھے اور باپ ان کے جواں　　آگئے باپ ان کے آگے ناگہاں
پوچھے اس سے اے مسافر بول اگر　　کچھ عزیزؑ بوالعجب سے ہے با خبر
ہم نے لوگوں کی زبانی یہ سنا　　بعدِ مایوسی کہیں سے آئے گا
بولے، ہاں وہ میرے پیچھے آئے گا　　اک ہوا خوش جوں ہی یہ مژدہ سنا
چیخ اٹھا تو اے مبشر خوش رہے　　اک گرا بے ہوش انھیں پہچان لے
مژدہ کہتا ہے اسے اے خیرہ سر　　ہوگئے ہم داخلِ کانِ شکر
مژدہ پیشِ وہم، پیش عقل حال　　کیوں کہ محبوب پر باطل خیال
کافروں کو درد مومن کو شہیر　　اور حقیقت وہ ہے چشمِ بصیر
کیونکہ عاشق ہوتے ہیں مستِ لقا　　اس کا رتبہ کفر و ایماں سے بڑا
اس کے درباں کفر بھی ایمان بھی　　کفر و دیں ہیں کھال گودا ہے وہی
خشک چھلکا کفر منھ موڑا ہوا　　اور ایماں اس سے منھ جوڑا ہوا
خشک چھلکے جائیں بھٹی کے لیے　　خوش جو مغزِ جاں سے ہیں چمٹے ہوئے

مغز کی رتبہ کی باعث برتری
خوب سے بڑھ کر ہے لذت بخش بھی

ہے سخن بے انتہا پس لیٹ جا
تا موسیٰ گردِ دریا دیں اڑا

بات ہے یہ قابلِ فہم عوام
جو بھی باقی ہے رہے پنہاں تمام

سونا ریزہ ریزہ تیری عقل کا
کیوں لگاؤں مہر سکّہ کی بتا

عقل تیری حاجتوں میں بٹ گئی
خشک و تر، تھوڑا بہت چاہے سبھی

جمع کرلے پہلے سب اجزائے عشق
تا سجے مثل سمرقند و دمشق

جمع کرلے پہلے جملہ اشتباہ
کر سکے گا مہر اس پر بادشاہ

گر ہوا مثقال سے بڑھ کر اے خام
تجھ سے کیا کرلے گا شاہ زرینہ جام

اس پہ ہوگا نام اور القابِ شاہ
ہوگی اس کی شکل اے وصل خواہ

تا بنے معشوق وہ ہم نام و آب
با چراغ و شاہد و نقل و شراب

ہے جماعت وجہِ رحمت جمع ہو
تجھ سے تا میں کہہ سکوں کہنی ہو جو

جو بھی کہتے ہیں وہ ہے بہر یقیں
مشرک باور حق کو کرنے کا نہیں

ہے فضائے چرخ میں تقسیم جاں
کام کتنے ہی جو کرنے ہیں وہاں

خامشی اس کے لیے اچھا ثبوت
پس جوابِ احمقاں کیا ہے سکوت

یہ سبھی معلوم پر مستی مری
توڑ دیتی ہے زباں بندی مری

جس طرح چھینک اور جمائی کے لیے
بے ارادہ منہ ترا از خود کھلے

حدیث کی تفسیر کہ میں اپنے رب سے ہر روز ستّر مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں

بول کر سرِّ نہاں مثلِ نبیؐ
دن میں ستّر بار ہے توبہ مری

پر ہے میری سرخوشی توبہ شکن
ڈالتی ہے بھول میں یہ خامہ کن

حکمتِ اظہار تاریخِ دراز
سرخوشی لاتی ہے بر دانائے راز

فاش کرتے بھید باطبل و علم
ہوگیا خشک آب ہی جوشاں قلم

رحمتِ بے حد ہے جاری ہر کبھی
اور بے حس سو رہے ہو تم سبھی

جامہ تر اور سونے والا مست خواب
رو میں پانی کی ہے جویائے سراب

چل دیا اس کی توقع ہو جدھر
کر لیا بند اس کی دھن میں رہ گزر

چونکہ سمجھا اُس جگہ کو دور وہ
اس لیے حق سے ہوا مہجور وہ

دور بیں ہیں نیند کے اندر رواں
رحم کچھ ان پہ اہلِ کارواں

نیندلائے تشنگی ممکن نہیں
پیاس لائے نیند تو پاگل یقیں

عقل ہے دراصل فیضانِ خدا
فیض عطارد کا جو ہو وہ عقل کیا!

اس کا بیان کہ ناقص عقل قبر سے آگے نہیں دیکھتی ہے اور باقی مقامات میں انبیاواولیا کی مقلد ہے

پیش بیٹی ہے خرد کی گور تک
اور صاحب دل کی نفخِ صور تک

قبر و مٹی سے خرد آگے نہ جائے
طے وہ میدانِ عجائب کر نہ پائے

اس قدر اس عقل سے بیزار خوب
عیب بینی سے بر خوردار خوب

نورِ غیبِ موسیٰ کیوں پائے بھلا
تو مقلد ہے کتاب استاد کا

غور و فکر و عقل سے چکرائے سر
چھوڑ غور و فکر یہ بس صبر کر

باتوں سے کیسے بلندی پائے گا
منتظر کو سننا کہنے سے بھلا

منصبِ تعلیم شہوت نفس کی
ہر خیالِ شہوتی بت ہے کوئی

اس کے صدقے راہ جو پاسکتے فضول
کرتا کیوں مبعوث رب اتنے رسول

عقلِ جزوی برق اور اس کی چمک
اس چمک میں کیسے پہنچے وخش تک

رہبری کیوں نور بجلی کا کرے
وہ کہے بادل کو رونے کے لیے

عقل کی بجلی جو ہے رلوائے گی
تا کہ روئے، عشق خود ہے نیستی

عقل بچے کی کہے مکتب کو جا
خود نہیں کرتی وہ کام استاد کا

عقلِ بیماراں دکھائے گو حکیم
پر طبابت کو کہاں عقلِ سلیم

دیکھ سوئے چرخ شیطاں چل دیے
کان ہیں اسرارِ بالا پر دھرے

تا اڑائے کچھ کچھ ان اسرار سے
اور شہاب آئے بھگانے کے لیے

جاؤ اس جا اک رسول اب آ گیا
مانگ لینا ان سے سب ہاتھ آئے گا

چاہتے ہو بے بہا موتی جو تم
گھر میں دروازے سے ہوکر آؤ تم

کھٹکھٹا کر در کو رک جاؤ وہیں
بام تک آنے تمھیں رستہ نہیں

کیوں ہو اس کو حاجتِ راہِ دراز
دے دیے اک خاکی کو اسرارِ راز

گر نہیں خائن تو جاؤ ان کے ہاں
ہوگے نَے سے تتش کر جاکر وہاں

خاک میں تیری اُگائے سبزہ جو
سُمِ اسپِ جبرئیلؑ ایسا ہے وہ

سبزہ بن کر تو رہے گا تابناک
گر بنے جبریلؑ کے گھوڑے کی خاک

سبزہ وہ جاں بخش جس سے سامری
کردیا گوسالہ کو بھی گوہری

زندہ اس سبزہ سے ہو کر دی صدا
اس صدا سے فتنہ برپا ہوگیا

گر بنوگے تم امینِ اہلِ راز
پاؤگے چھٹی کلہ سے مثلِ باز

اس کی چشم و گوش کی بندش کلاہ
جس کے باعث بار مسکین و تباہ

وہ کلہ آنکھوں پہ پردہ پہلے سے
رغبتِ ہم جنس ہو کیوں کر اسے

بازوں سے ہٹ کر ہوا وہ شہ کا یار
پردہ کھولے آنکھ کا وہ باز وار

حق نے شیطاں کو بھگایا تاک کے
عقلِ جزوی کو خود استقلال سے

کہ نہ بن خودسر نہیں تو پائیدار
بلکہ ہے شاگردِ یار ہوشیار

بھاگ سوئے دل کہ جزوِ دل ہے تو
اک غلامِ صاحبِ عادل ہے تو

بندگی اس کی شہی سے خوب تر
”میں ہوں بہتر اس سے“ کی پھر ہٹ نہ کر

فرق دیکھ اور کر پسند اپنے لیے
عجز آدم کبر سے ابلیس کے

قول ہے یہ آفتابِ راہ کا
سر کرے جو نفس اس کو مرحبا

سایہ ذَلَّتْ نَفْسَہٗ آرام گاہ
خواب گہ خوش بہرِ یارانِ صفا

گر چلے اس سایہ سے سوئے خودی
راہ کھودے گا تو کرکے سرکشی

آیت کریمہ کا بیان: اے مومنو! پیش قدمی نہ کرو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ سے ڈرو

از حکیم سنائی

جب نہیں ہے نبی تو امت بن / جب نہیں بادشاہ رعیت بن
پیرو خاموش کا ہے خامش رہ / چھوڑ خود رائی اور تو خوش رہ
تو ہے پیرو پیروی کہ کچھ نہ کہہ / شیخ اور استاد کی خدمت میں رہ
پیروِ خاموش تو چپ کچھ نہ کہہ / اپنا والی آپ کہلانے نہ جا
ہوگی اہلیت تو قابل ہی سہی / مسخ کردے گی یہ لاف کاملی
وجہ استعداد و خواہش سے کبھی / گر کرے استاد سے تو سرکشی
صبرِ موزہ دوزی اور مشقت پر تو کر / ورنہ کر پیوند کاری میں بسر
ہو مرمت گر میں استقلال اگر / ہوگا معماری میں وہ مردِ ہنر
کرکے کوشش آخرش تھک جائے گا / خود کہے گا عقل بندھن ہے بڑا
جس طرح وہ فلسفی ہنگامِ مرگ / پایا اپنی عقل کو بے ساز و برگ
پر خلوص اِس دم کرے گا وہ قبول / عقل سے دوڑائے ہیں گھوڑے فضول
سرکشی کرتا رہا میں کبر سے / ہم شناور تھے خیالی بحر کے
بحر جاں میں تیرنا بیکار ہے / نوحؑ کی کشتی وہاں درکار ہے
تیرنا سیکھا نہ ہوتا کاش کے / نوحؑ کی کشتی کی دھن رہتی تجھے
اس طرح فرمائے ہیں شاہِ رُسل / کہ میں خود ہوں کشتی دریائے کُل
یا کہ وہ جس میں بصیرت ہو مری / اور خلیفہ براہِ راستی
دونوں کشتی نوحؑ کی دریا میں تا / منہ نہ موڑے اس سے اپنا اے فتا
مثلِ کنعاں تکیہ بربت پر نہ کر / کوئی یوں بچنے نہ پائے رب سنا
پست ناؤ لگتی ہے کوتہ نظر / اور تیری فکر اوجِ کوہ پر

پست تو اس پست کو مت کر شمار
اس سے وابستہ ہے فصلِ کردگار

تیرا کوہِ فکر اونچا ہوگا پر
موج اک بس تا کرے زیر و زبر

کیوں سنے میری تو کنعاں سے اگر
ایسی دو سو پند بھی ہیں بے اثر

گوشِ کنعاں کیوں سنے گا یہ کلام
کیوں کہ اس پر مہرِ حق ہے اور ختام

مہرِ حق کے پار کیوں پہنچے گی بات
ہوں گے کیوں ازلی پہ حاوی محدثات

پھر بھی بولوں بات میں اک بہتریں
اس بھروسے پر کہ تو کنعاں نہیں

اعتراف آخر یہ کرنا ہے تجھے
فکر آخر روزِ اول چاہیے

دیکھ سکتا ہے یہ آخر بھی مگر
چشم آخر بین کو اندھی نہ کر

جو بھی خوش بختی سے انجام بیں
ہر گھڑی ٹھوکر اسے لگتی نہیں

گرنا اٹھنا گر نہیں چاہے گا تو
سرمہ کر لے خاکِ پائے مرد کو

سرمہ خاکِ پائے اہل اللہ کر
تا نہ ٹکرائے زمیں سے مُنڈا سر

ایسی شاگردی اور ایسا افتخار
تجھ کو سوئی بنادے ذوالفقار

سرمہ خاکِ پائے اہل اللہ کر
وہ جلائے اور کرے روشن بصر

لے نظر تو خاکِ اہل اللہ سے
اول و آخر کا نظارہ ملے

اس لیے ہے چشمِ اُشتر نور بار
کیوں کہ از بہرِ نظر کھاتا ہے خار

خار کھاتا پھول تجھ میں کھل سکے
چشمِ روشن پاک جاں حاصل کرے

گر نکالے چشمِ دل سے خار تو
حق سے پائے جان پر انوار تو

خچر کی اونٹ سے شکایت کا قصہ کہ میں راستہ چلنے میں منہ کے بل گر جاتا ہوں اور تو نہیں گرتا ایسا کیوں ہے؟ اور اونٹ کا خچر کو جواب دینا

ایک دن خچّر نے دیکھا اونٹ کو
اصطبل میں تھے جو دونوں روبرو

بولا منہ کے بل سدا گرتا ہوں میں
کوچہ، بازار اور جدھر پھرتا ہوں میں

گر رہا ہوں منہ کے بل میں ہر کبھی
راہ ہو ہموار یا ناہموار بھی

جب بھی آتا ہوں پہاڑی سے اتر
ڈر سے گرتا ہوں میں نیچے کر کے سر

منھ کے بل گرتا نہیں تو کس لیے
بہرہ ور ہوگا تو جانِ پاک سے

منھ کے بل آتا ہوں گھٹنے ٹیک کر
گھٹنے زخمی ہوتے ہیں اور منھ اُدھر

کاٹھی اُلٹے بوجھ پہنچے تا بسر
اور چلائے کوڑا خر والا اُدھر

عقلِ بد سے جیسے کوئی بے خرد
توڑے توبہ کو بہ ذوق کارِ بد

توڑ کر کم عقلی سے توبہ کو وہ
اک کھلونا بن گیا شیطان کو

جوں اپاہج گھوڑا سر کے بل گرے
سنگلاخ راہ پر بوجھا لیے

وہ ذراہش غیب سر کی چوٹ کھائے
جب کہ منحوس توبہ ٹوٹ جائے

پھسپھسی توبہ کرے بارِ دگر
پھونک سے شیطان توڑے گا ادھر

ضعف کا مارا تکبر اس قدر
اولیا پر بھی حقارت کی نظر

اے شُتر تو ہے مثالِ مومنیں
گرتا ہے کم، مار بھی کھاتا نہیں

بات کچھ ہے تونے دکھ دیکھا نہیں
مار کھاتا ہے نہ گرتا ہے کہیں

بولا ہر اچھائی کا ضامن خدا
فرق ہم دونوں کے اندر ہے بڑا

سر مرا اونچا ہے اور آنکھیں
دیکھنا اونچائی سے ردِ گزند

دیکھتا ہوں پایہ سر سے کوہ کے
سطح بس ہموار ہے میرے لیے

دیکھتا جس طرح صدرِ اجل
کام کے پہلے سے تا روزِ اجل

وہ جو ہو نیکو بد از بیس سال
دیکھتا ہے آج ہی وہ خوش خصال

دیکھتا ہے کب وہ اپنا حال ہی
دیکھے حالِ مشرق و مغرب سبھی

نوراس کے دل میں آنکھوں میں بسے
کس لیے! حب الوطن کے واسطے

دیکھتے ہیں مثل یوسف پہلے خواب
سجدہ ریز آگے تھے ماہ و آفتاب

بعد دس سالوں کے یا اس سے سوا
دیکھا جو یوسفؑ نے وہ ظاہر ہوا

ہوگا کیوں ینظر بنوراللہ گزاف
نورِ ربانی وہ ہے گردوں شگاف

تیری آنکھوں میں نہیں وہ نور جا
حسِ حیوانی میں پھنس کر رہ گیا

دیکھے ضعفِ چشم سے تو پیش پا — ناتواں تو اور تیرا پیشوا
بہرِ دست و پا ہیں انھیں پیشوا — دیکھتی ہیں وہ سبھی بے جا بجا
آنکھ روشن تر مری اس کے سوا — پاک ہوں خلقت میں بھی اس کے سوا
کہ ہے میری بود اولادِ حلال — نہ زنا سے ہوں نہ از اہلِ ضلال
تو ہے اولادِ زنا سے بے گماں — تیر ٹیڑھا جائے گر کج ہو گماں

خچر کا اونٹ سے جوڑیوں کی تصدیق کرنا اور اپنے اوپر اس کی برائی کا اقرار کرنا اور اس سے مدد مانگنا اور سچائی سے اس کی پناہ پکڑنا اور اونٹ کا اس کو نوازنا اور پدرانہ اور شاہانہ طریقہ پر اس کی رہنمائی اور مدد کرنا

بولا خچّر، اونٹ تونے سچ کہا — اتنا کہہ کر آنکھ تر اپنی کیا
رویا دم بھر اس کے قدموں پر گرا — اور بول اٹھا اے مقبولِ خدا
تیرا کیا بگڑے جو برکت کے لیے — تو قبولے اپنی خدمت میں مجھے
اے کہ مجھ پر کتنے احسان اور فصول — فضل تو عذر میرا کر قبول
بولا یہ اقرار جو تونے کیا — جملہ آفاتِ جہاں سے بچ گیا
عدل سے اپنے بلاؤں بچا — تو دشمن تھا بن اہل وِلا
وہ تری بدخو نہیں تھی فطرتی — آئے کیا بداصل سے غیر از بدی
وہ بدی اصلی نہیں، ہے عارضی — وہ جو توبہ تونے فوراً خود ہی کی
مثل آدمؑ اس کی لغزش عارضی — کیوں کہ فوراً آپ ہی نے توبہ کی
چونکہ اصل تھی خطا ابلیس کی — توبہ کی رغبت کہاں اس کو ہوئی
جا خودی اور تیری بدخوئی گئی — آگ سے درندوں کے دنداں سے بھی
جا کہ دولت اب ترے ہاتھ آگئی — خوش نصیبی تیرے حق میں دائمی
آ مرے بندوں میں شامل ہوسنا — اُدْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ بھی پالیا
خود کو شامل اس کے بندوں میں کیا — اور بلا احساس جنت میں چلا

بولا دکھلا ہم کو راہِ مستقیم — ہاتھ تھامے لے چلا سوئے نعیم
بن گیا ناری سے نوری اے عزیز — تو تھا کچّا، اب ہے انگور و مویز
تارے سے تو ہوگیا اب آفتاب — شاد رہ واللہ اعلم بالصواب
اے ضیاء الحق حسام الدین نے — شہد جوئے میں جا ڈال دے
تا نہ بدلے شیر کا کچھ بھی مزہ — اور بڑھے بحرِ مزہ کا ذائقہ
بحرِ پیمانِ ازل سے جا لگے — بن کے دریا تا بچے تغیر سے
راہِ بحرِ شہد میں جب پائے گا — تا نہ ہو آفات کو اس میں جگہ
دہاڑے غرّا شوق سے جوں شیر حق — پہنچے چل کے غرّہ تا ہفتم طبق
کاہل و بیزار جاں کو کیا خبر — شیر کے غرّہ سے کیا چوہے کو ڈر
آبِ زر سے لکھ کے خود احوال دے — نیک خو تا کوئی دریا دل پڑھے
نیل کا پانی حدیثِ جانفزا — اور وہ قبطی کی نظر میں خوں نما

ایک قبطی کی سبطی کی خوشامد کرنا کہ ایک برتن اپنی نیت سے دریائے نیل سے بھر لے اور دوستی اور بھائی بندی کی بنا پر میرے منہ سے لگا دے تا کہ میں پی لوں۔ وہ ٹھلیا کہ تم سبطی دریائے نیل سے اپنے لیے بھرتے ہو صاف پانی ہے اور وہ ٹھلیا کہ ہم قبطی بھرتے ہیں بالکل خون ہے۔

میرے کانوں تک بھی یہ پہنچی خبر — پیاسا قبطی آیا اک سبطی کے گھر
بولا تیرا یار ہوں اور رشتہ دار — اپنی حاجت کا ہوں تجھ سے خواستگار
کوئی جادو ہے جو موسیٰ نے کیا — نیل کا پانی ہمیں خوں ہوگیا
اس سے سبطی پیتے ہیں آبِ صفا — اور فسوں سے خون قبطی کو ہوا
مر رہے ہیں قبطی مارے پیاس کے — اپنی بداصلی سے یا اِدبار سے
اپنی خاطر بھر تو پانی اک گلاس — تا بجھائے دوست تیرا اپنی پیاس
اپنی خاطر جب تو وہ تسلا بھرے — خون نہ ہوگا پاک پانی ہی رہے

تا ترے صدقے میں پانی پی سکوں
اور طفیلی بن کے غم سے بچ رہوں

بولا اے جانِ جہاں خادم بنوں
اور لحاظ ان دونوں آنکھوں کا کروں

خوش تری حاجت روائی سے رہوں
بندگی ہو تیری آزادی کہوں

نیل کے پانی سے تسلا پُر کیا
منھ لگاکر آدھا پانی پی لیا

پیاسے کے جانب جھکایا تسلے کو
جو تھا پانی ہوگیا کالا لہو

پھر کیا سیدھا تو خوں پانی ہوا
گھٹ کے اندر قبطی غصہ میں بھرا

بیٹھا جب کچھ تو غصہ گیا
اے برہنہ تیغ! سبطی کو کہا

بولا بھائی اس کا حل تو ہی بتا
بولا اس کو متقی ہی کھائے گا

متقی فرعون سے بیزار جو
اور ہو جاتا ہے موسیٰ وار جو

پیروِ موسیٰ بن اور پی آب تو
یارِ مہ بن دیکھ پھر مہتاب تو

ظلمتوں میں اٹی ہے تیری نظر
اور ترا غصہ عباداللہ پر

غصہ بس کھول آنکھ، ہوجا شاد تو
لے سبق یاروں سے بن استاد تو

پانی پینے کیوں طفیلی تو مرا
جب ہے تیرا کفر کوہِ قاف سا

کوہ کیوں گزرے سوئی کے ناکے سے
جب تلک پرزے نہیں اس کے ہوئے

کوہ کو کر پارہ استغفار سے
پی خوشی سے جامِ مغفوراں لیے

ایسی چالاکی نہ آئے تیرے کام
جب کیا کفار پر حق نے حرام

تو ہے مکار، اور خالق مکر کا
تجھ سے کیا لے گا، تو جھوٹا ہے بڑا

موسوی بن چھوڑ حیلے حیلہ گر
باد پیمائی کو جاتا ہے کدھر

امرِ حق سے موڑے منھ ہمت کہاں؟
پانی ہو پانی برائے کافراں !

کھائے زہرِ مار، سمجھے اس کو نان
دیکھ گھلتی جارہی ہے تیری جان

ایسی ناں سے جاں کو صحت کیوں ملے
حکمِ رازق سے اگر منھ موڑ لے

یا سمجھتا ہے کلامِ مثنوی
یوں ہی پڑھنے سے سمجھ لے گا سبھی

یا کلامِ حکمت و سرِّ نہاں
جان لیں گے بے مشقت ناقصاں

ہاں سنیں بھی تو فسانوں کی مثال
مغز و دانہ ہی نظر آئے نہ کھال

چہرہ و سر پر ہے چادر تان کر
بول دلبر تجھ کو آتا ہے نظر ؟

شاہ نامہ اور کلیلہ کی مثال
تجھ کو ہے قرآن بھی اے ناقص خیال

فرق تب جانے ہے کیا حق کیا مجاز
جب کرے سرمۂ عنایت چشم بار

ایک فضلہ، مشک بہر بے مشام
ناک جب کرنے پائے اس کا کام

آپ میں مشغول رہتا ہے ملال
مقصد اس کا از کلامِ ذوالجلال

وسوسوں سے اور غضب کی آگ سے
تا بچائے اور علاج اس کا کرے

تا خرد آگ ایسی شدت کی کرے
آب اور پیشاب ایک ہی ہوگئے

آتش و سواس کو پیشاب آب
جوں شراب و آب کرتے ہیں خراب

علم ہو گر تجھ کو آبِ پاک کا
روح پرور ہے کلام اللہ کا

وسوسے سب ختم ہوجائے زجاں
دل بھی رستہ پائے سوئے گلستاں

نہروں والے باغ میں اُڑتے ہیں وہ
سیر سِرّ صحت کی کرتے ہیں جو

یا سمجھتا ہے کہ روئے اولیا
ہم نے جوں پایا ہے ویسا ہی مزہ

متعجب اس لیے تھے مصطفیؐ
مومناں چہرہ نہ دیکھے کیوں مرا

کیوں نہ دیکھے لوگ نور روم کو
مات دے خورشید خاور کو بھی جو

وہ بھی گر دیکھیں حیرت کیوں بھلا
وحی آئی، ان سے وہ رخ ہے چھپا

مہ تمھارے آگے، سوئے خلق ابر
چہرہ کیوں بے فیض دیکھیں اہلِ گبر

آگے دانہ آپؐ کے لوگوں کے دام
کیوں شراب خاص پہنچے تا بہ عام

تم سمجھتے ہو کہ تم کو دیکھے وہ
نقشِ گرمابہ ہیں سب اندھے ہیں جو

دیکھ، صورت کیا دکھائے گی تجھے؟
اندھی آنکھیں ہوں گی بینا دیکھنے؟

آنکھوں کی تصویر کا تجھ کو ادب
پاس کیوں میرا نہیں تجھ کو عجب

تیرا نقشِ نیک کیوں ہے لا جواب
کیوں نہ لوٹایا تحیت کا جواب

مونچھ یا سر بھی ہلاتا تک نہیں
میں نے سو سجدے کیے چومی زمیں

حق کا سر ہلتے نہ دیکھا گو کبھی — پائی ہے باطن میں میں نے چاشنی
سر کی سو جنبش سے بڑھ کر وہ گراں — جھومنے لگتے ہیں آخر عقل و جاں
عقل کی کرتا ہے خدمت جہد سے — اس سے افزونی ہدایت کے لیے
سر کو جنبش حق نہیں دیتا مگر — تجھ کو کر دیتا ہے سرداروں کا سر
دیتا ہے اک شے تجھے یزداں نہاں — یعنی سجدے تجھ کو کرنا ہے جہاں
یوں کہ دے دیتا ہے پتھر کو ہنر — تا ہو پیارا خلق یعنی کہ زر
لطف حق ہوتا جب اک بوند پر — بن کے موتی ہوتا ہے وہ رشک زر
جسم مٹی پاتی ہے جب حق سے تاب — وہ جہانگیری میں مثلِ ماہتاب
یہ ہے جادو دیکھ چشمِ مردہ ہے — راہزن از بہرِ چشم ابلہ ہے
وہ پلک جھپکاتے دکھتا ہے مگر — کرتے ہیں ابلہ اسی کو راہبر

قبطی کا سبطی سے دعائے خیر و رہنمائی کی درخواست کرنا اور سبطی کا قبطی کے لیے دعائیں خیر کرنا اور اکرم الاکرمین حق تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کا مقبول ہونا

بولا قبطی کر دعا میرے لیے — بد ہوں، تیرا منھ تیرا دعا کو چاہیے
یہ بھی ممکن میرا قفلِ دل کھلے — جائے نیکاں میں برے کو جا ملے
تا سنور جائے کوئی بگڑا ہوا — اور فرشتوں میں ملے شیطاں کو جا
با ملے مریم سے اس کو بوئے مشک — بارور ہو اور تر شاخ خشک
گر کے کی سجدے میں سبطی نے دعا — عالمِ غیب و شہادت کے خدا
قبطی و سبطی ترے بندے سبھی — عاجز و محتاج ہیں تیرے سبھی
غیر سے کیوں مانگنے جائے کوئی — ہے دعا تجھ سے، اجابت تجھ سے ہی
ہے تجھی سے پہلے توفیقِ دعا — اور تجھی سے ہے دعاؤں کی جزا
اول و آخر تو ہی ہم درمیاں — ہیچ ہم، لائق نہیں بہرِ بیاں
وہ وہی کہتا رہا دن ڈھل گیا — اور وہ بے ہوش ہوکر تھا پڑا

پھر دعا میں ہی اسے ہوش آ گیا
کچھ نہیں انسان کوشش کے بِنا

تھا جو اب تک بھی وہ مشغولِ دعا
ناگہاں قبطی کی اٹھی اک صدا

ہاں بہ سرعت پیش کر ایماں کو تو
توڑ کر رکھ دوں کہن زنار کو

میری جاں میں آگ انھوں نے دی لگا
اور ہے شیطان سے لطف و عطا

تیری صحبت مجھ کو غنچہ اَن کھِلا
ہاتھ تھاما عاقبت شکرِ خدا

کیمیا یہ بس تیری صحبت سدا
میرے دل میں تیرے قدموں کی جگہ

شاخِ جنت تھی مجھے ہستی تری
اس کو جو تھاما تو جنت لے چلی

سیلِ رہ تن کو بہا کر لے چلا
تا لبِ دریائے اکرام و عطا

پاکے بو پانی کی نکلا سوئے سیل
دیکھا دریا بھر میں اس سے کیل

پیالہ لایا بھر کے بولا پانی لے
بولا جا اب آب مجھ کو کس لیے

حق سے شربت پی کے میں خود بِک گیا
تا بہ محشر کیسا ڈر اب پیاس کا

چشمے، نہریں پانی ہیں پانی جہاں
چشمہ اس کا میرے اندر ہے رواں

وہ کہ جو تھا پیاس کا مارا ہوا
اس کی ہمت، خوار خود پانی ہوا

کافِ کافی بس ہوا بہرِ عباد
سچ ہے وعدہ کہٰیٰعص

بس ہوں میں، دے دوں گا تجھ کو جملہ خیر
بے سبب، راست اور بے امداد غیر

سیر ہوں بے تاباں، تجھے سیری کراؤں
بے سپہ سالارِ لشکر میں بناؤں

میں بلا داروں ترا درماں کروں
کوہ توڑوں، کھڈ بھروں، میداں کروں

بن بہاروں کے گل و نسرین دوں
بے کتاب، افتاد کے تلقین دوں

دیتا ہوں دل موسیٰؑ با اک عصا
تیغ لے، جا سارے عالم پر چلا

دستِ موسیٰؑ کو دوں وہ نور و تاب
تا کہ تھپّڑ کھائے روئے آفتاب

لاٹھی ہوگی سانپ اس کے سات سر
چاہیے اس کے لیے مادہ نہ نر

خون آلودہ کروں کیوں نیل کو
فن سے پانی کو بناتا ہوں لہو

غم کروں شادی کو جیسے آبِ نیل
تو نہیں پاتا خوشی تک سبیل

پھر اگر تجدیدِ ایماں تو کرے　　اور اگر فرعون سے منھ پھیر لے
موسیٰ رحمت ترے پاس آئے گا　　پانی خونیں نیل میں تو پائے گا
اپنے باطن کو حفاظت چاہیے　　نیل تیرے ذوق کا خوں کیوں کرے
سوچا پھر ایمان لانا چاہیے　　خون کے طوفان سے پانی ملے
کیوں سمجھتا وہ بدل دے گا سبھی　　نیل ہوجائے گا باطن اپنا ہی
اپنی نظروں میں ہوں خود نیلِ رواں　　پھر بھی جوں کا توں ہوں بہرِ دیگراں
اس طرح جوں ذکر میں پیشِ نبیؐ　　سب جہاں ہو اور ہم سے سرکشی
ان کے آگے سب جہاں پر عشق و داد　　دوسروں کے واسطے مردہ جماد
ان کے پست و بالا تیز گام　　تہ کی باتیں ڈھیلوں پتھر میں تمام
دوسروں کے واسطے وہ مردہ سب　　میں نے کب دیکھا یہ پردہ عجب
قبریں یکساں سب ہمارے سامنے　　باغ، کھڈے اولیا کے واسطے
لوگ کہتے ہیں پیمبرؐ ہیں خفا　　ان کی خوش ذوقی کو آخر کیا ہوا
خاص کہتے ہیں نظروں کا قصور　　یوں نظر آتے ہیں اوروں کو حضورؐ
تم ہماری آنکھ سے دیکھو ذرا　　مسکرانا ان کاؐ اندر ہل اتیٰ
جھاڑ سے امرود کے آؤ اُتر　　سب الٹا ہی تمھیں آئے نظر
خود تری ہستی ہے جھاڑ امرود کا　　جب تک اس پر ہے لگے کہنہ نیا
تو وہاں سے پائے گا اک خاردار　　سانپ بچھو پائے گا تو بے شمار
جب اتر آئے جہاں کھو پائے گا　　پالنے والوں حسینوں سے بھرا
جب اتر آئے گا نیچے پائے گا　　دل میں اسرارِ فیوضِ کبریا

اس بدکار عورت کی حکایت جس نے شوہر سے کہا کہ یہ خیالات امرود کے درخت پر سے انسان کی آنکھ کو نظر آتے ہیں۔ امرود کے درخت پر سے اتر آ تا کہ وہ خیالات دور ہوجائیں اور اگر کوئی کہے کہ جو کچھ مرد نے دیکھا تھا وہ خیال نہ تھا تو جواب یہ ہے کہ

یہ مثال ہے مثل نہیں ہے اور مثال میں یہی کافی ہے کہ اگر وہ امرود کے درخت پر نہ چڑھتا تو اس کو نہ دیکھتا خواہ وہ حقیقت ہو یا خیال

چاہا اس زن نے کہ احمق مرد کے
سامنے ہی یار سے اپنے ملے

بولی عورت مرد سے اے بخت ور
چڑھتی ہوں پھل توڑنے میں جھاڑ پر

رو پڑی جب چڑھ گئی خود جھاڑ پر
اپنے شوہر کو وہ نیچے دیکھ کر

مرد کو بولی، مخنث بے حیا
کون وہ لوہا کہ ہے تجھ پر چڑھا

مثلِ زن تو اس کے آگے اونگھتا
تو ہی ناکارہ مخنث ہے بڑا

بولا شوہر سر ترا چکرا گیا
کون ہے اس دشت میں میرے سوا

مرد کو پھر بولی زن اے کج کار
کون ہے وہ پشت پر تیری پڑا

بولا زن تو جھاڑ سے نیچے تو آ
عقل گم ہے سر ترا چکرا گیا

نیچے آئی عورت اور شوہر چڑھا
یار کو پہلو میں عورت نے لیا

مرد پوچھا کون وہ اے فاحشہ
تجھ پہ بندا کی طرح جو چڑھ گیا

بولی زن کوئی نہیں میرے سوا
چپ نہ بک، کیا سر ترا چکرا گیا

پھر یہی زن سے دوبارہ جب کہا
بولی زن یہ ہے اثر اس جھاڑ کا

جھاڑ سے امردو کے میں بھی یونہی
نیچے اوپر پا رہی تھی تجھ کو بھی

نیچے آکر دیکھ ہے دیگر کوئی
یہ گماں تاثیر ہے اس جھاڑ کی

تھی ضرورت ہزل کی تعلیم کو
کیا غرض ظاہر پہ اس کے جائے تو

مسخروں کو ہزل ہر واقعہ
عاقلوں کو اک سبب تعلیم کا

چاہیے کاہل کو جھاڑ امرود کا
جھاڑ تک لمبا ہے لیکن فاصلہ

چھوڑ جھاڑ امردو اور آگے جا
بن گیا اندھا پریشاں ہوگیا

تیرا 'میں پن' اولیں پستی تری
اس سے تیری آنکھ میں ہے احولی

جب اتر آئے گا تو اس جھاڑ سے
ٹیڑھی فکر و احولی جاتی رہے

اک درختِ سخت پائے گا اسے
چرخِ ہفتم تک سر اس کا جاسکے

گر تو اترے جھاڑ سے ہوکر جدا
اس کا بدلا دے گا رحمت سے خدا

گر تواضع سے اتر کر آئے گا
راست بینائی کرے گا حق عطا

راست بینی ہوتی یوں آساں اگر
مانگتے اللہ سے کیوں پیغامبر

بولا دکھلا جزو وجہ کونین کا
جزو سے جیسا ہو تیرا سامنا

بعد ازاں چڑھ پھر امرود کے
جب ہوا سرسبز کُن کے حکم سے

شجرِ سینا ہوگیا پھر وہ درخت
جب سوئے موسیٰ سفر کو باندھے رخت

آگ اسے تب تازہ و خرم کرے
شاخ تب اِنّی انا اللہ بول اٹھے

اس کے سایہ میں ہر اک حاجت روا
اس طرح کی ہے خدا کی کیمیا

وہ ترا 'میں پن' وہ ہستی ہے حلال
اس میں ہے رنگِ صفاتِ ذوالجلال

وہ درخت کج ہی ہے اب حق نما
جڑ ہے ثابت، شاخ اس کی فی السما

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

وحی سے پایا پیامِ ذی قدر
راست ہوجا تو کجی کو چھوڑ کر

ہے درختِ تن عصائے موسوی
وقت آیا اس کا تو پھینک آ ابھی

اس کے خیر و شر کو دیکھے تا کہ تو
تھام پورا ہوگیا جب امر ہو

پھینکنے سے پہلے تھا وہ صرف عصا
حکم سے پکڑا نگلنے لگ گیا

پہلے پتّے جھاڑنا کام اس کا تھا
بن گیا پھر غافلوں کو معجزہ

قبطیوں کا ہوگیا فرماں روا
پیٹے سر سب پانی جب خوں ہوگیا

حاصل ان کی کھیتیوں کا قحط مرگ
ٹڈیاں چٹ کر گئیں سب شاخ و برگ

التجا موسیٰ نے کی بے اختیار
تھا نظر کے سامنے انجامِ کار

معجزے یہ جہد آخر کس لیے
جب نہ راہِ راست پر لوگ آئیں گے

وحی آئی اتباعِ نوحؑ کر
شرح اور انجام پر کیوں ہے نظر

داعیِ حق ہے تو چھوڑ انجام کو
حکمِ بلّغ کب ہے خالص نام کو

صاف ہے تبلیغ پیہم سے تری — تجھ سے جھگڑیں گے کریں گے سرکشی
کیسے گمرہ کرنا کیسے رہبری — ان پر ظاہر تا کرے حق یہ سبھی
مقصد اظہار وجود اس کا تمام — پند اور اغوا سے جانچیں گے یہ کام
دیو کا اصرار اِدھر گمراہی پر — رہبری کے شوق میں مرشد اُدھر
لوٹ پھر وہ قصۂ قبطی سنا — کافری کی گرد باطن سے ہٹا
پے بہ پہ پہنچے احکامِ قوی — ہوگیا دریائے خوں نیل آب ہی

قبطیوں پر معاملہ سخت ہو جانا اور فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے سفارش چاہنا

آخر آیا پاس فرعون آپ ہی — جھک کر آگے آپؑ کی تعظیم کی
جو کیا ہم نے نہ لوٹا شہ ہمیں — شرم آتی ہے ہمیں کیوں کر کہیں
ریشہ ریشہ ہوں ترا فرماں پذیر — خوگرِ شاں ہوں نہ بن تو سخت گیر
لب کو جنبش دے دعا کے واسطے — بند تا یہ بابِ دوزخ ہوسکے
بولے یارب دھوکا دیتا ہے مجھے — دھوکہ بازی ہے ترے شیدائی سے
مان لوں یا میں دھوکا دوں اسے — ڈالی والا جڑ کو تا کہ جان لے
سارے مکروں کی جڑیں ہی تیرے ہاں — ہے فلک پر اصل احوالِ جہاں
بولا حق وہ سگ ہے اس قابل کہاں — دور سے پھینک اس کے آگے استخواں
تو ہلا اس خاک پر تیرا عصا — ٹڈیوں کا کھایا سب ہاتھ آئے گا
ٹڈیاں ہوجائیں گی فوراً تباہ — تا ہو ظاہر کار تبدیلِ الٰہ
کیوں مجھے اسباب کی حاجت بھلا — ایک پردہ ہے سبب بہرِ عطا
تا کریں حکما دوا کا تجربہ — تا منجم بے ستاروں سے پتہ
آئے گا تاجر کوئی وقتِ سحر — غلہ کا فقداں دکاں میں دیکھ کر
بندگی کو چھوڑ ، منھ دھوئے بنا — لقمۂ دوزخ وہ جویا لقمہ کا
کھانے والے کھائے جانے والے بھی — جیسے برّہ چرنے والے ہیں سبھی

بڑّہ چرتا ہے تو ہے قصاب شاد
بولے کھاتا ہے مرا برگِ مراد

کام تو کھانے میں دوزخ کا کرے
فربہ ہونا ہے تجھے اس کے لیے

کام دانائی کا کر خوراک کھا
تا ہو کرّو فر سے دل فربہ ترا

مانع ان لقموں کی ہے خوراکِ تن
جان جوں تاجر کوئی تن راہزن

شمع تاجر کی رہے روشن وہاں
جل چکی ایندھن تو ہے ڈاکو وہاں

کھو نہ خود کو جہد بے ہودہ نہ کر
ہوش ہو تجھ کو، دگر سب ہوش پوش

تیری ہر شہوت شراب اور جیسے بھنگ
ہوش کا پردہ ہے، عاقل اس سے دنگ

صرف اس مے سے نہیں مستی و ہوش
کارِ ہر شہوت ہے بند چشم و گوش

ترک شہوت کر اگر چاہے تو ہوش
بند کردیتی ہے شہوت چشم و گوش

گرچہ میخواری سے تھا شیطان دور
وجہِ مستی تھا اسے کفر و غرور

مست نا موجود کو موجود پائے
تا بنے لوہے پر یقیں سونے کا آئے

اس سخن کی حد کہاں موسیٰؑ تو آ
گھاس تا پیدا ہو اپنے لب ہلا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعا کرنا اور کھیتوں کا سرسبز ہوجانا اور بارش کا آ جانا

جب کیا ویسا ہی دم بھر میں وہیں
ہوگئی سرسبز و بار آور زمیں

لوگ خوب اچھی غذا کھانے لگے
قحط دیدہ پیٹ بھرتے ہی چلے

چند دن حق کی عطا سے خوب کھائے
سب پرندے، آدمی اور چارپائے

جب بھرے پیٹ، نعمت مل گئی
مٹ گئی حاجت سمائی سرکشی

نفس کو آسودہ ہوجانے نہ دے
کفرِ کہنہ اس کو یاد آنے نہ دے

بن تپائے نفس سدھرے گا بھلا
کوٹ لوہا لال ہو جب آگ سا

پیٹ بھوکا، جسم جنبش کیوں کرے
لوہا ٹھنڈا کوٹتا ہے تو اسے

روئے گا نالہ کرے گا زار زار
پر نہیں ہوگا مسلماں ہوشیار

وہ بھی جوں فرعون مارے قحط کے
سر جھکائے پیشِ موسیٰؑ عجز سے

ہو جو مستغنی اٹھائے اپنا سر مارے دولتّی ہوا ہلکا جو خر
بڑھ کے آگے بھول جائے گا سبھی وہ خوشامد اور وہ کلفت سبھی
شہر میں برسوں رہے بھی کوئی اگر آنکھ لگتی ہے جب اس کی لمحہ بھر
نیک و بد دیکھے گا دیگر شہر کے پر نہ یاد آئے گا اپنا شہر اسے
میں وہاں تھا اور یہ بستی ہے نئی آ پھنسا ہوں میں نہیں اپنا کوئی
بلکہ سمجھے گا اسی سے ہے بندھا اور اسی ماحول کا پالا ہوا
کیا عجب گر اس کے وہ اوطان و جاں اس کی پیدائش کی جا، اس کا مکاں
خواب بن جائیں گے یہ دنیا ہے خواب ڈھانپتا ہے جیسے تاروں کو سحاب
کتنی نوبت آزمایا خواب کو خوابِ دنیا کو بھی یوں ہی جان تو
روند دی اس نے خاص شہروں کی زمیں دل سے اب تک گرد صاف اس کی نہیں
جہد جتنی کرنی تھی تونے نہ کی تا دکھائے دل کا آئینہ سبھی
سر اٹھاکر اپنا بحرِ راز سے کھول آنکھ اور اول آخر دیکھ لے

ابتدائی پیدائش سے آدمی کی پیدائش کے مراتب اور حالات کا بیان

پہلے بے جانوں میں در آئی حیات اور جمادی سے چلی سوئے نبات
مدتیں گزریں باندامِ نبات بھولی چھوڑی سب نباتی واردات
پھر نباتی سے بہ حیوانی چلی بھول بیٹھی سب نباتی زندگی
رغبت اس کی سمت بس وقتی رہی موسمِ گل، ضمیراں کے وقت ہی
وجہِ رغبت ماں سے کیا جانے بھلا طفل جوں، اک شیرِ مادر کے سوا
فرما رغبت میں مثالِ نو مرید جانبِ پیرِ جواں بختِ مجید
عقل کا یہ میل عقلِ کُل سے ہے سایہ یہ جنبش می شاخِ گل سے ہے
سایہ فانی ہوگا آخر اس میں ہی سرِّ میل و جستجو پائے تبھی
سایۂ شاخِ شجر اے نیک بخت کیسے جھولے گر جھلائے نہ درخت
سوئے انسانی چلا حیوانی سے جانے خالق کس طرح کھینچا اسے

دیگر عالم میں اک عالم سے یوں ہی　　جائے بن کر عاقل و دانا و قوی
عقلِ اوّل کی نہیں یاد اب اُسے　　یوں ہی بڑھ چلنا ہے عقلِ حال سے
حرص و حاجت سے رہائی ہو نصیب　　عقل لاکھوں دیکھنے پائے عجیب
بھولا ماضی کو بحالِ خفتگی　　وہ رزکھا جائے گا نسیاں میں ہی
لایا جائے ہوش میں جس وقت بھی　　خود ہنسی اپنی اڑائے گا وہی
غم ہی غم تھا خواب میں جو کچھ ملا　　صبح کیوں بھولا جو تھا سب کچھ بجا
کیوں نہ سمجھا غم نہیں دراصلِ حال　　مشغلہ ہے نیند کا، دھوکہ خیال
دہر کیا ہے جیسے اک بالغ کا خواب　　سوتا سمجھے یہ ہے تار روزِ حساب
موت آجاتی ہے اک دن ناگہاں　　اور مٹے گی ظلمتِ ظن و گماں
اس کو اپنے دکھ پہ آئے گی　　پائے جب اپنی جگہ ہے اور ہی
خواب میں دیکھے جو نیک و بد یہاں　　روزِ محشر ہوں گے سب ایک اک عیاں
خواب میں دنیا کے جو کچھ بھی کیا　　فاش بیداری میں سب ہوجائے گا
تا نہ سمجھے تو کہ بدکاری تری　　خواب ہے اس کے نہیں معنی کوئی
نالہ و فریاد بدلہ خندہ کا　　ظلم کا جو تونے قیدی پر کیا
گریہ و درد و غم و زاری تری　　حالِ بیداری میں پیغامِ خوشی
یوسفوں کے جامے جو پھاڑا کیے　　بھیڑیے بن کر اٹھیں گے خواب سے
بھیڑیا بن جائے اک اک خو تری　　تیرے ایک ایک عضو کو وہ پھاڑے گی
بعدِ مردن خون مانگے گا قصاص　　مت سمجھ مرکر تو پائے گا خلاص
یہ قصاصِ نقد ہے حیلہ گری　　کھیل ہے وہ جزا ہے اور ہی
کھیل اس دنیا کو اللہ نے کہا　　یہ جزا اک کھیل وہ سچی جزا
یہ جزا تسکین و ردِّ فتنہ ہے　　''وہ شمار و ضبط''، یہ جوں ختنہ ہے
اس سخن کی حد نہیں ہے موسیاً　　ان گدھوں کو بس چراگہ کو چلا
فربہ تا ہوں چھوڑ چرنے کے لیے　　پر وہاں ہیں بھیڑیے غصہ بھرے

اس کا بیان کہ دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے اور اللہ تعالیٰ سے چاہتی ہے کہ ہماری خوراک کو موٹی بنادے اور جلد ہمارے پاس پہنچادے کیونکہ ہمارا صبر ختم ہوگیا

غرقِ گریہ ہیں ہمارے بھیڑیے
ان گدھوں کو لقمہ کرنے کے لیے

ان گدھوں کو تا بنائے آدمی
موعظت تونے بھلی باتوں سے دی

لطف دعوت میں بہت تونے کیا
رزق پر ان کے مقدر میں نہ تھا

چادرِ نعما تو ان پر ڈال دے
زود غفلت میں کھوجائیں چلے

تاکہ جب جائیں تو پائیں اس جگہ
شمع گل ہوجائے اور ساقی چلا

سرکشی سے ان کی تو حیراں رہے
اور حسرت ان کو بدلے میں ملے

تا ہمارا عدل ظاہر ہوسکے
بدلہ ہر بدکار کا بد ہی ملے

شاہ وہ جس کو نہ دیکھے وہ عیاں
ساتھ انہی رہتے بھی وہ تھا نہاں

تن کی نگراں ہے خرد جب تک ترے
گو ہے قاصر دیکھنے سے تو اسے

دیکھنے سے چوکتی ہے وہ کہاں
حرکت و سکنات اندر امتحاں

کیا عجب ہو کارسازِ عقل بھی
ساتھ ہو وقتِ سکون و نقل بھی

عقل کھوکر وہ کرے بدکاریاں
عقل کرتی ہے علامت بعد ازاں

تو ہی غافل ہے خرد غافل نہیں
تیرے ہمرہ ہے علامت کو وہیں

تھی وہ غافل ساتھ تیرے گر نتھی
کیوں کرتے سبیلی تجھ کو دی

نفس تیرا اس سے گر غافل نہ تھا
نفس تیرا یہ جنوں کیسے کیا

عقل تیری جیسے اُصطُر لاب تھی
تاکہ قربت جانے تو اللہ کی

قرب ہے بے کیف تجھ سے عقل کو
آگے پیچھے ، نیچے اوپر، کاہے کو؟

قرب بیچوں یوں نہیں ہے شاہ کا
بحث عقلی پائے کیوں وہ راستہ

اس کی جنبش انگلیوں جیسی نہیں
آگے پیچھے، دائیں بائیں بھی نہیں

وقتِ خواب و مرگ ہوجائے گی دور
جاگ جاتے ہی وہ ہے اندر حضور

انگلیوں میں آتی ہے کس راہ سے — وہ نہ ہو تو انگلیاں پھر کس لیے
آنکھ میں تیری جو ہے یہ روشنی — بے جہت کیوں کر یہ آخر آگئی
خلق ہے وابستۂ سمت و جہات — بے جہت ہے عالمِ امر و صفات
بے جہت ہے عالمِ امر اے صنم — بے نیاز جہت آمر لا جرم
عقل بے حلت اور وہ علامِ بیان — اس کے آگے کیا مقامِ عقل و جاں
کوئی مخلوق اس سے بے نسبت نہیں — یہ ہے اک بے کیف نسبت بالیقیں
کب ہے وصل وفصل کی پابند جاں — غیرِ وصل و فصل کیا جانے گماں
ڈھونڈ فصل و وصل سے ہٹ کر دلیل — اس کو کیوں کر پائے وہ جو ہو علیل
اصل سے دوری کی رکھ ہر دم خبر — تا کہ ہو تو وصل سے نزدیک تر
عقل اس نسبت کو کیوں کر پاسکے — عقل وصل وفصل سے کب ہے پرے
اس لیے فرمائے ہم کو مصطفیٰؐ — ذاتِ حق میں بحث سے دامن بچا
ذات میں ہی فکر کرنی ہے اگر — ذات سے لاحق نہیں ہے وہ نظر
محض یہ اس کا گماں چلتے ہوئے — لاکھ پردے راہ میں اللہ سے
ہر کوئی پردہ کی چاہت میں مگن — وہم اس کا وہ ہے اس کا ''آپ پن''
رد کیا آقاؐ نے اس کے وہم کو — نہ پکائے تا خیالی دیگ وہ
وہم میں پڑنا ہے خود ترکِ ادب — بے ادب کو سرنگوں رکھتا ہے رب
سرنگونی یہ کہ در وقتِ زوال — ہو گراوٹ پر ترقی کا خیال
مست کی حد کا یہ عالم ہے یقیں — وہ نہ پائے فرقِ افلاک و زمیں
فکر در بابِ عجائب چاہیے — عظمت و ہیبت کو رد کردیجیے
اس کی صنعت دیکھ کر حیرت جو ہو — اپنی حد پہچان لو اور چپ رہو
یہ کہ بولے کر نہیں سکتا شمار — ہے مری حد سے سوا اس کا شمار
بے حد اس کا ذکر ہے اے بوالہوس — بحث کم کر اپنی تو، اتنا ہی بس

حضرت ذوالقرنین کا کوہِ قاف کے پاس جانا اور درخواست کرنا کہ اے قاف ہمیں کچھ تھوڑی سی اللہ تعالیٰ کی صفات بتا دے اور اس کا جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی تعریف تقریر میں نہیں آسکتی اور ذوالقرنین کی خوشامد کرنا کہ جس قدر بتایا جا سکتا ہے اور جو جانتا ہے بتا دے۔

نکلے ذوالقرنین سوئے کوہ قاف — اور اسے پایا زمرّد سے بھی صاف
سارا عالم اپنے گھیرے میں لیے — بسنے والے اس میں سب حیران تھے
بولے تو کہ ہیں بھلا کیا دوسرے — کیا ہے عظمت ان کی تیرے سامنے
ہیں رگیں جیسے مجھے دیگر سبھی — ان میں میرا حسن نے وقعت مری
ہے ہر اک بستی میں میری رگ نہاں — ہے بندھا میری رگوں سے کل جہاں
جب بھی چاہے شہر میں حق زلزلہ — حکم ہے تا دوں رگیں اپنی ہلا
پس میں اس رگ کو ہلاتا ہوں بہ قہر — متصل جس رگ سے پایا جائے شہر
جب کہے بس، میری رگ رُک جائے گی — باعمل ہوں میں سکوں کے وقت بھی
جیسے مرہم چپ، اثر جاری رہے — عقل ساکن، بات پر چلتی رہے
اس کو جس کو یہ سمجھ حاصل نہیں — زلزلے وجہِ بخاراتِ زمیں
مت سمجھ ان کو بخاراتِ زمیں — ان کا باعث امرِ رب العالمیں

اس کا بیان کہ چھوٹی سی چیونٹی کاغذ پر چل رہی تھی اس نے قلم کا لکھنا دیکھا قلم کی تعریف کرنی شروع کی دوسری چیونٹی جس کی آنکھ تیز دیکھنے والی تھی اس نے کہا انگلیوں کی تعریف کر کیونکہ میں یہ ہنر ان کا سمجھتی ہوں، تیسری چیونٹی جس کی آنکھیں دونوں سے زیادہ تیز تھیں بولی میں بازو کی تعریف کرتی ہوں کیونکہ انگلیاں اس کی فرع ہیں

دیکھا کاغذ پر قلم چیونٹی کوئی — فاش جب اس راز کو دیگر پہ کی
کیا عجائب نقش ہیں اس خامہ کے — سب گلاب و سبزہ، سوسن زار سے

بولی دیگر ہیں ہنر ور انگلیاں
اور قلم ان انگلیوں سے ہے رواں
کام بازو کا ہے بولی تیسری
انگلیوں کی یہ نہیں کاریگری
بڑھتے بڑھتے بات یوں ہی بڑھ گئی
ان میں وہ ذی فہم اک چیونٹی جو تھی
بولی وہ تن کا نہیں ہے یہ ہنر
کہ وہ خواب و مرگ میں ہے بے خبر
جسم جیسے پیرہن ، جیسے عصاق
کیا بنیں گے نقش عقل و جاں بِنا
عقل و دل ہوتے بھی کیا معلوم اسے
سب ہیں بے جاں گر خدا جنبش نہ دے
وہ اگر کچھ دیر عنایت روک لے
عقلِ زیرک ابلہی کرنے لگے

ذوالقرنین کا دوبارہ کوہ قاف سے درخواست کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجائب کا بیان

موتی لفظوں کے پروے قاف نے
سن کے ذوالقرنین اسے کہنے لگے
اے سخن گو، اے خبیرِ رازداں
کر صفاتِ حق کا مجھ سے کچھ بیاں
بولا جا وصف اس کا کیوں کر ہو بیاں
کہ ہے اس کی حمد سے عاجز زباں
ہم قلم میں دم لکھے جو نوک سے
اور صحائف میں اسے داخل کرے
بات کچھ اس کے نوادر سے بتا
تو خزینہ ہے جو معلومات کا
بولا دیکھ آ تین سو برسوں کی راہ
برف کے کہساروں سے پاٹا ہے راہ
کوہ پر کہ بے شمار و بے عدد
ہر گھڑی ہے برف سے جاری مدد
برف کا کہ کوہِ دیگر پر گرے
تہ تلک ٹھنڈک زمیں تا پا سکے
برف کا کہ برف کے کہسار پر
جیسے انبار اس پہ انبارِ دگر
گر نہ ہوتی ایسی وادی اس جگہ
گرمیِ دوزخ سے میں بچتا بھلا
غافلوں کو جان ٹیلے برف کے
عاقلوں کا پردہ تا سالم رہے
گر نہ ہوتا جہل ان کا برف باف
عشق کے شعلوں سے جل جاتا یہ قاف
آتشِ قہرِ خدا اک ذرّہ ہے
وہ لئیموں کے لیے جوں دُرّہ ہے

اس قدر سنگیں غضب کے ہوتے بھی ٹھنڈک اس کے لطف کی ہے محتوی
سبقت بے کیف ہے یہ معنوی سابق و مسبوق بے دخلِ دوئی
گر نہ دیکھے فہم ناقص ہے تری جَو برابر خلق کی عقلیں سبھی
خود پہ لے الزام دیں پر کس لیے آسماں پر مرغِ گل کب جاسکے
بہرِ مرغاں اونچے اڑنے کو فضا شوق و خواہش سے انھیں نشو و نما
وقت حیرت ہاں کہ نہ کہیئے نہ جا لطفِ رب محمل خود آگے آئے گا
تو کہ ہے فہمِ عجائب سے تہی ہاں اگر بولے نمائش تونے کی
'نے' اگر بولے کٹی گردن تری قہر روزن بند کردے گا تبھی
رہ تو حیراں و پریشاں یونہی بس تا کہ ہو نصرت خدا کی پیش و پس
جب کہ ہو ناچیز و حیراں و فنا اور زبانِ حال بولے اِہدنا
زفت تو ہے زفت پر لرزش جو دے موٹا ہموار و مسطّح ہوسکے
شکل ناہموار شکلِ منکراں عجز کا حاصل ہے لطف اور نیکیاں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اپنی صورت میں ظاہر کرنا اور ان کے سات سو پروں میں سے جب ایک پر ان پر ظاہر ہوا اس نے آسمان کے اطراف کو گھیر لیا اور سورج چھپ گیا

کہہ رہے تھے مصطفیؐ اے جبرئیلؑ جو بھی صورت ہوگی تیری اے خلیل
تا کروں محسوس میں، کھل کر دکھا دیکھوں جیسے دیکھے کوئی دوسرا
سخت مشکل، لاسکوگے تاب کیا حِس ضعیف و زار یہ کیوں ہو بھلا
بولے دکھلا تا کہ دیکھے یہ جسد کس قدر نازک ہے حِس اور بے مدد
آدمی کا حسِ تن ہے گو سقیم پر ہے خلقت اس کے باطن میں عظیم
سنگ و آہن کی طرح ہے گو تنا جاؤ گر خو پر تو ہے چقماق سا
مبدا ہیں یہ سنگ و آہنگ آگ کے ہیں دو والد آگ جو پیدا کیے

بنتے ہیں پھر آگ سے اوصافِ تن
خود ہے غالب تن پہ ہو کر شعلہ زن

پھر ہے تن میں شعلہ ابراہیم سا
اس سے ہی جلنا ہے برج نار کا

گر کرے باطن سے تو آگ آشکار
ہو مطیع و دلخوش اس کے دم سے نار

پس رسولؐ ذو فنون نے کہہ دیا
گو ہیں آخر ان کو سابق کردیا

جو بظاہر یہ دوستداں ہیں زبوں
ہیں صفت میں کانِ آہن سے فزوں

گرچہ ہے دنیا سے انساں کی نمود
وہ مگر دنیا میں ہے اصلِ وجود

ظاہر ایسا اُس کو اک مچھر نچائے
بطن وہ ،ہفت آسماں خود میں سمائے

چوں کہ تھا اصرار کچھ ظاہر ہوئے
ہیئت ایسی کوہ پرزے ہو سکے

مشرق و مغرب پہ شہپر چھا گیا
ہوگئے بے ہوش جس سے مصطفیٰؐ

دیکھ کر بے ہوش ان کو خوف سے
آئے جبریل اور پہلو میں لیے

ٹھیک ہے وہ خوف غیروں کے لیے
ہے محبت مفت اپنوں کے لیے

شان ہے در بارِ شاہی کے لیے
ہوں سپاہی تیغ ہاتھوں میں لیے

لاٹھیاں، تلوار اور بھالے سبھی
لرزہ براندام جن سے شیر بھی

ڈنڈے، چاؤ وشوں کی شورش کا سماں
اور ان کے خوف سے مبہوت جاں

ہے برائے عام یہ سب عزّ و شاں
تاکہ دیکھیں شاہی عزت کا نشاں

تا انانیت اور خودی کو توڑ دے
نفس خود بیں فتنہ و شر چھوڑ دے

شہر مامن ہے کہ ہے خود بادشہ
قہر میں عادی ہے دار و گیر کا

ختم از خود ڈر سے سب حرص و ہوا
ہیبتِ شہ سے تکبر بھی فنا

شاہ جب آئے گا سوئے بزمِ خاص
پھر وہاں کیوں ہو مہابت اور قصاص

رحمتیں اور حلم جوشاں ہر کجا
چنگ و نے کی ہر کہیں ہوگی صدا

ڈھول نقارے کی شورش وقت جنگ
وقت عشرت خواص میں آواز چنگ

دفترِ کوتوال ہے بہرِ عوام
اور پری رویوں کے ہاتھوں مے کا جام

ہیں زرہ و خود ساز کار زار
نقلِ بادہ وقتِ شادی و بہار

ہے زرہ و خود جب پڑتا ہو رن — تخت کے لائق حریری پیرہن
یہ سخن بے انتہا ہے اے جواد — ختم کر واللہ اعلم بالرشاد
وہ جو احمدؐ میں تھی چھپ جانے کی شے — خفتہ زیرِ خاک یثرب اب بھی ہے
اور وہ جو ہے صف شکن خلقِ عظیم — جوں کی توں ہے صدق کی جا میں مقیم
تا بہ حدِ وصفِ تن ہے انقلاب — روح کی دائم ضیا جوں آفتاب
بے تغیّر وہ ہے لا شرقیۃً — بے تغیّر وہ ہے لا غربیۃً
ہوش سورج کیوں گنوائے ذرہ سے — شمع کیوں بے ہوش ہو پروانہ سے
جسمِ احمدؐ کا تعلق اس سے تھا — یہ تغیّر ہے سبھی اک جسم کا
جیسے اک آزار سے یا نیند سے — پر نہیں اوصاف یہ جاں کے لیے
کر نہیں سکتا کروں گر وصفِ جاں — ڈر ہے متزلزل نہ ہوجائے جہاں
لومڑی جس دم پریشاں اس کی تھی — شیر جاں سویا ہوا تھا اس گھڑی
نیند میں تھا نیند سے وہ پاک شیر — واہ رے با رعب و ہیبت ناک شیر
خود کو کرلیتا ہے جوں سویا ہوا — کتّے کرتے ہی تصور مرگیا
ورنہ اس دنیا میں یہ ہمت کسے — چھینے جو اک تنکا بھی کمزور سے
جسمِ احمدؐ دید سے بے ہوش تھا — عشق کا دریا ادھر پرجوش تھا
ہاتھ چاند اور نور دینے کے لیے — کف نہیں گر چاند کے جانے بھی دے
کھول دیں احمدؐ اگر پرِّ جلیل — ہوش کھو بیٹھیں ابد تک جبرئیل
پہنچے سدرہ کو جو آکر مصطفیٰؐ — وہ مقامِ آخریں جبرئیلؑ کا
بولے کیوں رکتے ہو پیچھے آؤ تم — بولے میری حد یہی ہے جاؤ تمؐ
بولے میرے پیچھے اڑتے آؤ تم — بولے میں تم سا نہیں پس جاؤ تم
بولے پھر سے آؤ آؤ پردہ سوز — میں نہ پہنچا اوج پر اپنے ہنوز
بولے آگے بڑھو اے خوش خصال — خاک ہوجائیں جل کر پرّ و بال
باعثِ حیرت ہیں یہ قصے سبھی — خاص خاصوں کی رہے گی بے حسی

کھیل ہے لیکن یہاں کی بے حسی
جانیں اس بازی کو میں کتنی تری

تم جو اے جبرئیل با عزت، شریف
نہ ہو پروانہ نہ بتّی کے حریف

شمع روشن دے اگر دعوت اسے
کیا نہ جل جائے پروانہ بنے

حجت الٹی ہو تو اس کو دفن کر
شیر کو کردے شکارِ گورنر

بند کر یہ مُش افشانی تری
ختم کر کہنا ہو کہنہ کی بات ابھی

وہ جواب بھی خاک سے وابستہ ہے
''بول جو چاہے'' اسے سب الٹا ہے

دوست میرے اب تواضع رد نہ کر
اے مسافر تو ہے مہماں ان کے گھر

دے جو چاہیں اور راضی رکھ انھیں
اک مسافر ہے تو ان کے شہر میں

شہ رسی ہو سب خوشی، عزت ملے
رے کا باشی مرغزی کو خوش کرے

پیشِ فرعونِ زماں موسیٰ سنو
نرم گفتاری سے ہی سب کام لو

کھولتے روغن میں گر ڈالوگے آب
دیگ دان اور دیگ کردوگے خراب

نرم بولو، بات میں سچائی ہو
وسوسوں ہو راہ باتوں میں نہ دو

وقت عصر آیا سو بہتر خامشی
اے زمانے کو ترا دور آگہی

بول تو گلخوارہ کو شکریہ لے
اپنی نرمی میں اسے مٹی نہ دے

تو ہے باغِ روح بہرِ نطق جاں
بے حروف و صوت ہے تیرا بیاں

اس گدھے سے درمیانِ قند زار
کتنے لوگوں کے لیے بوئے ہیں خار

دور سے سمجھا انھوں نے تھا یہی
لوٹے جو مغلوب مینڈھا وہ سبھی

حرف کو گویا سرِ خرِ کر یقیں
باغ میں انگور کے خلدِ بریں

اے حسام یہ کھیت ہے فالیز کا
اس زمیں سے دے سرِ خر کو اٹھا

خر کا سر جس وقت بھی کٹ جائے گا
نشو نو فالیز سے وہ پائے گا

تجھ سے مجھ کو جان بھی صورت گری
تجھ سے ہم یہ اور وہ بھی تجھ سے ہی

مثنوی صورت ہے جاں اس کی تو ہی
نور بھی اور جہت بھی ارکان بھی

چرخِ محمودی پہ جوں خورشید ہو
پس یہاں محمود ہی ہوکر رہو

تا زمیں والے فلک والے سبھی — ہوں سب اک دل قبلہ اک خوا ایک ہی
تفرقہ پیدا ہے از شرکِ و دوئی — اور ہے وحدت در وجود معنوی
تیری جاں کا علم جب ہوجائے گا — یاد آئے میل اور جو کچھ ہوا
موسیٰؑ و ہارونؑ چلیں زیرِ زمیں — ہوں گے ایک جیسے شیر و انگبیں
کچھ جو ہو معلوم تو منکر بنے — منکری ہو پردہ پوش اس کے لیے
پوری پہچانت جو منھ پھیر لے — اس کی ناشکری سے مہ غصہ کرے
پس یونہی بداصل جو واقف نہ تھے — منکرِ شانِ نبوت ہوگئے
پڑھ لیا یہ سب تو پڑھ اب لم یکن — کیوں مصر ہے کفر پر کافر کہن

بعثت سے قبل یہود اور نصاریٰ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتقاد کا بیان اور ان کے نام کو جان کی حفاظت کا سبب سمجھنا اور ان کے ظہور کا خواہاں ہونا

دہر میں قبلِ ظہور مصطفیٰؐ — تھا ہر اک کافر ثنا گر آپ کا
کوئی ایسا اس جہاں میں آئے گا — اور تصور ان کے دل تڑپا دیا
سجدے کرتے تھے کہ اے ربِّ بشر — اس کو ظاہر کر جہاں میں زود تر
مانگتے تھے فتح ان کے نام سے — دشمن ان کے مات بھی کھاتے رہے
جنگ ہوتی جب کوئی ہول آفریں — ضربِ احمد ان کی ہوتی تھی معیں
رونما ہوتی جو بیماری کوئی — یاد سے ان کی شفا ملتی رہی
راہ چلتے تھا تصور ان کا ہی — ذکر ان کا دل میں باتوں میں سبھی
نقش ان کا حصہ گیدڑ کا کہاں — بلکہ تھا وہ نقش صرف ان کا گماں
نقش ان کا گر پڑے دیوار پر — زندگی دیوار میں آئے نظر
ہے مبارک اس قدر نقش آپ کا — یک رُخی بن کر ہو دیوار آئینہ
اک رخی ہوگی وہ جوں اہلِ صفا — عیب ہونا دو رخی دیوار کا
کفر و انکار ان کا ظاہر ہوگیا — جب ظہورِ سیّدِ والاؐ ہوا

جملہ تعظیم و بزرگی داد بھی　　دیکھے صورت ان کی غائب ہوگئی
کھوٹا آتش میں جلا کالا ہوا　　قلب کو کب قلب میں ہے راستہ
کھوٹا کہتا تھا کہ لے آؤ محک　　تا مریدوں میں کرے پیدا وہ شک
پھانستا نا نال یوں اس کا جال　　ہر کمینہ کا یہی دیکھوگے حال
ہاں اگر یہ نقد پاکیزہ نہ تھا　　کیوں کسوٹی کی طرف راغب ہوا
مارتا ڈینگیں کسوٹی کے لیے؟　　ہوتی سنگِ امتحاں کی دُھن اُسے
ہے محک کی اس کو خواہش کس قدر　　تا کہ وہ پردہ بنے اس کھوٹ پر
تا قیامت بھی کروں گر بدکلام　　حشر سو ہوں گے نہ ہوگا یہ تمام
وہ کسوٹی جو چھپاتی ہے صفت　　نہ محک، اس میں نہ نورِ معرفت
آئینہ جو داغ چہرے کے چھپائے　　آبرو بر قلتباں کی وہ بچائے
وہ منافق ہے نہیں ہے آئینہ　　ایسا آئینہ نہ ہرگز چاہنا
چاہ وہ آئینہ جو ہو بے نفاق　　ختم کر واللہ اعلم بالوفاق
تا بنائے تجھ اللہ آئینہ　　اور دکھائے عرش کو مثلِ سماء
اے خرد درعرش کیا ہے چرخ کیا　　سوچ پر کیا کیا دکھائے گا خدا

زیرِ نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری وادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری وہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی وعملی دینیات یعنی فقہ وتصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت وکامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم وبیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی وروحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انہی سے ظاہری وباطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم وادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرالیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح وتربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ وتصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-89612-08-0

NCPUL
New Delhi

9 789389 612080

Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0

₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025